ماہنامہ

زندگی

جولائی ۱۹۶۵ء
ربیع الاول ۱۳۸۵ھ

جلد ۳۵
شمارہ ۱

مدیر: سید احمد قادری

• خط و کتابت و ارسال زر کا پتہ: منیجر رسالہ "زندگی" رام پور۔ یو پی

• زر سالانہ: چھ روپیہ — ششماہی: تین روپیہ — فی پرچہ: ۶۰ پیسے
ممالک غیر سے: بارہ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

[illegible]
مطبع اشاعت: دفتر زندگی [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

سید احمد محمد قادری

ایک شبہے کا ازالہ

اس پوری بحث کے خاتمہ پر ایک شبہے کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ شبہہ ہمارے اگلے مفسرین کو بھی پیش آیا تھا۔ شبہہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سے اس دنیا میں بھی مدد کا وعدہ کیا تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو ان کی قوم نے قتل کر دیا تو پھر یہ وعدہ الٰہی کس طرح پورا ہوا۔ رسولوں کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے ایمان و عمل اور ان کی جد و جہد میں کوئی کوتاہی رہ گئی تھی یا یہ کہ انھوں نے حصول مدد کی شرط پوری نہیں کی تھی جس کی وجہ سے وہ مغلوب و مقتول ہوئے اس لیے ان کے قتل کی توجیہ کیا ہوگی؟ اس شبہے کے جواب میں مفسرین کرام نے متعدد باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ میں یہاں انھیں نقل کرتا ہوں:-

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مفسر ابن جریر طبری نے یہ سوال اٹھایا ہے اور اس کے دو جواب دیے ہیں —

(۱) رسولوں سے وعدۂ مدد کی خبر لفظ و صیغہ کے لحاظ سے عام ہے لیکن اس سے مراد خاص ہے اور یہ بات لغۃً جائز ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیاء و رسل کے ہر ہر فرد سے مدد کا وعدہ نہیں کیا گیا تھا۔ (۲) مدد کے وعدے کا مطلب یہ ہے کہ رسولوں کو ایذا پہنچانے والوں سے اللہ تعالیٰ انتقام لے گا۔ عام از یں کہ یہ انتقام رسول کی موجودگی میں لیا جائے یا ان کی عدم موجودگی میں یا ان کی موت کے بعد اور یہ معلوم ہے کہ یہودیوں کو قتل انبیاء کی پاداش میں سخت سزائیں دی گئی ہیں اور ان سے انتقام لیا گیا ہے اس لیے وعدۂ الٰہی پورا ہوا۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ حق پرستوں کی مدد متعدد طریقوں سے کی جاتی ہے اس کے بعد انھوں نے طریقے تحریر کیے ہیں۔

(۱) حجت اور دلیل سے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل عطا ہوں

کیے جاتے ہیں وہ ناقابلِ تردید ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے تمام رسولوں اور نبیوں کی مدد کی گئی ہے اور اس اعتبار سے ہمیشہ وہ غالب ہی رہے ہیں۔

(۲) مدح و ثنا اور تعظیم سے یعنی لوگوں کی زبانوں پر ان کی مدح و ثنا ہوتی ہے اور دلوں میں احترام۔ اگر کوئی کسی حق پرست کو قتل بھی کر دے تو وہ لوگوں کے دلوں سے اس کا احترام ختم نہیں کر سکتا۔

(۳) مدد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انبیاء و رسل اور حق پرستوں کے دل نورِ یقین سے بھر دیے جاتے ہیں اور وہ ظالموں اور جاہلوں پر اس طرح نظر ڈالتے ہیں جس طرح ملائکہ دنیا کی کسی حقیر ترین شے کو دیکھتے ہیں۔

(۴) باطل پرستوں کا استیلاء اور غلبہ دیرپا نہیں ہوتا یعنی لوگ محسوس کر لیتے ہیں کہ اقتدار پر ان کا قبضہ عارضی ہے۔

(۵) حق پرستوں کو اگر اذیت و مصیبت پہنچے تو اس سے ان کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۶) ظالم جب مرتے ہیں تو ان کے آثار تک مٹ جاتے ہیں اور حق پرستوں کے آثار ان کی موت کے بعد بھی باقی رہتے ہیں اور لوگ ان کی اقتدا کرتے ہیں۔

(۷) حق پرستوں کی موت کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ان کو ایذا پہنچانے والوں سے انتقام لیتا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ انبیاء و رسل سے وعدہ بحیثیت مجموعی کیا گیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آخر کار فتح رسولوں ہی کی ہوگی اگر درمیان میں کسی نبی کو شکست ہو جائے یا اس کو قتل کر دیا جائے تو اس سے اللہ کے وعدے پر کوئی زد نہیں پڑتی ـــــ روح المعانی میں حضرت حسن بصری رہ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

وقال الحسن: المراد النصرة	اور حسن نے کہا۔ مدد اور غلبہ سے مراد یہ ہے
والغلبة في الحرب فانه لم يقتل نبي من	کہ جنگ میں ان کی مدد کی جائے گی اور وہ غالب
الانبياء في الحرب وانما قتل من قتل	ہوں گے اس لیے کہ کوئی نبی میدانِ جنگ میں قتل نہیں
منهم غيلة او على وجه آخر [illegible]	کیا گیا۔ ان میں سے جو بھی قتل ہوا وہ دھوکے سے
مات [illegible] قبل النصرة او قتل فقد [illegible]	یا کسی اور طریقے سے قتل ہوا ہے اور اگر کوئی نبی
الله تعالى ان ينصر قومه من	مدد سے پہلے وفات پا گئے یا قتل کر دیے گئے تو
بعد ما يكون في نصرة قومه نصراً	اللہ نے ان کے بعد ان کی قوم کی مدد کی اور ان
له [illegible]	کی قوم کی مدد دراصل انہی کی مدد ہوئی۔

اس زمانے کے بعض اصحاب علم نے نبی اور رسول کے فرق کو سامنے رکھتے ہوئے کہا ہے کہ فتح اور غلبہ کا وعدہ رسولوں سے کیا گیا ہے' انبیاء سے نہیں اسی لیے کبھی کوئی رسول قتل نہیں کیا گیا' انبیاء ہی قتل کیے گئے ہیں۔ راقم الحروف کے نزدیک اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ نبیوں اور رسولوں سے ایسی نصرت کا وعدہ جس کے نتیجے میں انہیں غلبہ و فتح دشمنوں کی ایذا رسانیوں سے نجات اور دنیوی کامیابی حاصل ہو، کفار و مشرکین اور اللہ کے کھلے باغیوں کے مقابلے میں کیا گیا ہے۔ اہل کتاب یا بگڑے ہوئے مدعیان اسلام و ایمان کے مقابلے میں نہیں کیا گیا ہے۔ میں نے جوابات عرض کی اس کی پہلی شہادت ان آیتوں میں ملتی ہے جن میں رسولوں سے غلبہ و فتح کا وعدہ کیا گیا ہے۔ قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جگہ یہ وعدہ کفار و مشرکین کے مقابلے میں کیا گیا ہے۔ میں نے اس مقالے کی گزشتہ قسطوں میں اس طرح کی جو آیتیں پیش کی ہیں ان پر ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔ سورۂ ابراہیم آیت ۱۳ تا ۱۵۔ سورہ الصافات آیت ۱۷۱ تا ۱۷۳، سورۂ المومن آیت ۵۱، سورۂ المجادلہ آیت ۲۱۔ سورۂ ابراہیم کی آیتیں خاص طور پر قابل مطالعہ ہیں۔ میں یہاں ان آیتوں کے صرف ترجمے نقل کرتا ہوں۔

> اور آخر کار منکرین نے اپنے رسولوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہماری ملت میں پلٹ آؤ تب ان کے رب نے ان پر وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور ان کے بعد تمہیں زمین میں آباد کریں گے اور یہ (وعدہ) اس کے لیے ہے جو میرے حضور میں (جواب دہی کے لیے) کھڑے ہونے اور میری وعید سے ڈرے اور انھوں نے فیصلہ چاہا تھا (چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی) اور ہر جبار اور معاند نے منہ کی کھائی۔

ان آیتوں نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ کافر قوموں کے مقابلے میں ان کے رسولوں سے یہ صریح وعدہ کیا گیا تھا کہ منکرین حق ہلاک کیے جائیں گے اور ان کی ہلاکت کے بعد ان رسولوں کو زمین میں آباد کیا جائے گا چنانچہ حجت پوری کرنے کے بعد جب رسولوں نے فیصلہ چاہا تو اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اس صراحت کے بعد مفسرین کے جوابات تسلی بخش باقی نہیں رہتے۔ دوسری طرف پورے قرآن میں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ملتی جس میں انبیاء بنی اسرائیل سے یہ وعدہ کیا گیا ہو کہ انہیں اپنی نافرمان قوم پر غلبہ عطا کیا جائے گا یا یہ کہ اس قوم کے ظالم افراد ہلاک کیے جائیں گے اور ان انبیاء کو ان سے بچا لیا جائے گا۔ راقم الحروف کے جواب کی دوسری شہادت واقعات کی شہادت ہے اور وہ یہ ہے کہ جو انبیاء و رسل کفار و مشرکین کی طرف بھیجے گئے ان میں کوئی ایک قتل نہیں کیا گیا بلکہ ان میں سے ہر ایک کو کافروں پر فتح عطا کی گئی ہے اور دشمنان خدا کو ہلاک کر دیا گیا

قتل کے چند واقعات صرف ان انبیاء بنی اسرائیل میں ملتے ہیں جو اپنی بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح کے لیے بھیجے گئے تھے اور ان میں سے جن کو قتل کیا خود ان کی قوم نے کیا جو کافر و مشرک نہ تھی بلکہ اپنے وقت کی بگڑی ہوئی مسلم قوم تھی۔ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے قتل کی صراحت قرآن میں نہیں ہے۔ اس میں اجمالی طور پر یہودیوں کے جرائم کی فہرست میں قتل انبیاء کا بھی ذکر کیا گیا ہے ——— توریت اور دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے سید الاحبار اور اپنی قوم کے سب سے بڑے مذہبی منصب پر فائز تھے اور حکومت بھی کسی کافر کی نہیں بلکہ اسرائیلیوں کی تھی اور جس ظالم نے ان کو اسرائیلی عبادت گاہ کے سب سے اعلیٰ مقام پر قتل کرایا اس نے ان کی نبوت کا کبھی انکار نہیں کیا۔ یہی صورت حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آئی جس حکمران نے ان کو قتل کرایا وہ کوئی کافر نہ تھا اور اس نے اپنی خواہش نفس سے شکست کھا کر جس مقدس انسان کا سر کٹوا کر اپنے دربار کی رقاصہ کے سامنے پیش کیا وہ خود ان کے تقدس کا قائل تھا اور رنج و افسوس کے ساتھ اس نے ان کے قتل کا حکم دیا تھا۔

بات دراصل یہ ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل کے قتل کی حیثیت باہمی کشت و خون کی تھی اس کی حیثیت کسی کافر قوم کے مقابلے میں ان کی شکست اور مغلوبیت کی ہرگز نہ تھی۔ قرآن کی آیات اور واقعات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ، مسلم و کافر کی نزاع اور مسلم و مسلم کی کش مکش کے درمیان فرق کرتی ہے۔ اللہ نے اس کی اجازت کبھی نہیں دی کہ کوئی کافر قوم اس کے بھیجے ہوئے کسی رسول کو قتل کر سکے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس دین کی حقانیت پر زد پڑتی جسے دے کر اس نے رسول کو بھیجا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر رسول پر ایمان لانے والوں کی تعداد کافروں کے مقابلہ میں بہت قلیل ہی تو حجت پوری ہونے کے بعد اس نے اپنی قدرت قاہرہ سے کافروں کو ہلاک کر دیا اور اگر رسول پر ایمان لانے والوں کی تعداد اتنی ہوئی کہ وہ میدان جنگ میں مقابلہ کر سکیں تو اس نے میدان جنگ میں ان کی مدد کی اور کافروں نے شکست فاش کھائی۔ بنی اسرائیل کو اگر اللہ کی مشیت نے یہ چھوٹ دیدی کہ وہ آخری دور کے چند انبیاء کو قتل کر دیں تو اس سے دین و شریعت کی حقانیت پر کوئی زد نہیں پڑتی جن کے احیاء کی وہ سعی کر رہے تھے بلکہ ان کے خون نے شجر دین کی خشک جڑوں میں نئی تازگی پیدا کر دی۔

انبیاء بنی اسرائیل اور ان کی قوم کے نافرمان افراد کے درمیان جھگڑے کی وہی نوعیت تھی جو امت مسلمہ کے سرکش حکمرانوں اور مجاہد علماء و صلحاء کے درمیان ہے۔ اس امت کے بارے میں اللہ نے اپنے آخری رسول کی یہ دعا تو قبول کر لی کہ ان پر وہ کسی ایسے غیر مسلم دشمن کو مسلط نہیں کرے گا جو اس کا استیصال کر دے لیکن یہ دعا قبول نہیں کی کہ ان کے درمیان باہمی کشت و خون نہ ہو۔ یا ایک دوسرے کو قتل نہ کریں اور جیلوں اور قید خانوں

ذیل میں جس حدیث میں اس دعا کا ذکر ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:-

عن عبد اللہ بن خباب بن الارت عن ابیہ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ فاطالھا فقالوا یا رسول اللہ صلیت صلوٰۃ لم تکن تصلیھا قال اجل انھا صلوٰۃ رغبۃ ورھبۃ انی سالت اللہ فیھا ثلاثا فاعطانی اثنتین ومنعنی واحدۃ سالتہ ان لا یھلک امتی بسنۃ فاعطانیھا وسالتہ ان لا یسلط علیھم عدوا من غیرھم فاعطانیھا وسالتہ ان لا یذیق بعضھم باس بعض فمنعنیھا

ھذا حدیث حسن صحیح

(ترمذی ابواب الفتن)

عبد اللہ اپنے والد خباب بن الارتؓ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل نماز پڑھی تو صحابہ نے کہا۔ یا رسول اللہ آپ نے ایک ایسی نماز پڑھی جو (عادتاً) نہیں پڑھتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں، یہ امید اور خوف کی نماز تھی۔ اس میں میں نے اللہ سے تین چیزیں مانگیں۔ اس نے مجھے دو چیزیں عطا کیں اور ایک چیز عطا نہیں کی۔ میں نے سوال کیا کہ وہ میری امت کو قحط عام سے ہلاک نہ کرے۔ اللہ نے یہ دعا قبول کر لی اور میں نے اس سے سوال کیا کہ وہ ان پر کفار میں سے کسی دشمن کو مسلط نہ کرے۔ اللہ نے یہ دعا بھی قبول کی اور میں نے سوال کیا کہ ان میں سے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کو جنگ کا مزا نہ چکھائیں تو اللہ نے یہ دعا قبول نہ کی۔

اس مضمون کی حدیث ابن ماجہ نے کتاب الفتن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور امام مسلم نے حضرت سعد بن وقاص اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ حضرت ثوبان کی روایت زیادہ واضح ہے میں اس کا ترجمہ یہاں نقل کرتا ہوں۔

حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے بارے میں دعا کی کہ وہ اس کو قحط عام سے ہلاک نہ کرے اور نہ اس پر باہر کے کسی ایسے دشمن کو مسلط کرے جو اس کا استیصال کر دے اور میرے رب نے کہا۔ اے محمد! جب میں کوئی فیصلہ کر دیتا ہوں تو کوئی اسے رد نہیں کر سکتا اور میں نے تمہاری امت کے لیے تمہیں یہ عطا کر دیا کہ میں اس کو قحط عام سے ہلاک نہیں کروں گا اور نہ اس پر اس سے باہر کے کسی ایسے دشمن کو مسلط کروں گا جو اس کا استیصال کر سکے اگرچہ زمین کے تمام

۔۔۔ دشمن ان سے ملنے کے لیے مسلط آئیں تاآنکہ خود اس امت کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کریں اور ایک دوسرے کو قید کریں۔ (مسلم شریف ج ۲ کتاب الفتن)

ان حدیثوں سے یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے باہمی نزاع میں اہل حق کی حفاظت جان کا وعدہ نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امت کے گمراہ اور نافرمان افراد نے بھی سیکڑوں علمائے حق کو قتل کیا ہے اور اس کا سلسلہ جاری ہے۔ ٹھیک یہی معاملہ ان انبیاء بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آیا تھا جنھیں ان کی قوم کے گمراہ افراد نے قتل کر دیا ——— میرے جواب کی صحت پر تیسری شہادت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے سب سے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل پر ان کی قوم قادر نہیں ہو سکی اس کی دو وجہیں تھیں۔ (ایک یہ کہ اس قوم کی اکثریت نے کھلم کھلا ان کی نبوت و رسالت کا انکار کر دیا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت یہ قوم کافر رومیوں کی براہِ راست غلامی میں زندگی بسر کر رہی تھی اور اس نے حضرت عیسیٰ کے قتل کا فیصلہ رومیوں کی عدالت سے حاصل کیا تھا۔ اس طرح اب مقابلہ اللہ کے رسول اور منکرین حق کے درمیان تھا۔ جب صورت یہ پیش آئی تو ہم یہاں بھی دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ پر وحی بھیجی کہ ہم تمہیں ان منکرین سے بچا لیں گے اور تمہاری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک ان لوگوں پر فوقیت، برتری اور سربلندی عطا کریں گے جنھوں نے تمہارا انکار کر دیا ہے۔

اس تفصیل سے پوری طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انبیاء و رسل کی حفاظت جان کا وعدہ الٰہی منکرین حق کے مقابلے میں تھا اور جب بھی ایسی صورت پیش آئی خدا کا یہ وعدہ پورا ہوا۔

ایک اور سوال

اگر شہادت حق اور اقامت دین کے مفہوم میں اللہ کے اتارے ہوئے قانون حیات کی تنفیذ و ترویج اور اسی کے مطابق ریاست کی تشکیل داخل ہے تو پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ بہت سے انبیاء کرام نے نہ اقامت دین کا کام انجام دیا اور نہ مکمل طور پر حق کی شہادت ہی دی اس لیے کہ وہ نہ کسی اسلامی ریاست کی تشکیل کر سکے اور نہ کوئی حکومت قائم کر سکے مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ وہ کوئی حکومت قائم نہیں کر سکے تھے تو کیا ان کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ (نعوذ باللہ) ان کی شہادت حق ناقص تھی۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اسلامی حکومت قائم کی تھی، وہ خود اس کے سربراہ تھے اور اس میں وہی قانون نافذ تھا جو ان پر اللہ تعالیٰ نے اتارا تھا۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ وہ کوئی اسلامی حکومت قائم نہیں کر سکے۔ اس کے برعکس میں نے قرآن کریم کی صریح آیتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

اپنے رسول اس لیے بھیجتا رہا ہے کہ دین شرک مغلوب اور دین توحید غالب ہو۔ ایک ایسی آزاد فضا اور ایک ایسا
پاکیزہ ماحول مہیا ہو جس میں دین حق کی مکمل پیروی کی جا سکے اور اس پیروی میں کوئی طاقت مزاحم نہ ہو۔ اس نے
اپنے رسولوں کو کفار و مشرکین کے مقابلے میں جب بھی بھیجا ہے اپنی مدد کا وعدہ کر کے بھیجا ہے اور اس وعدے
کے ایفا میں کبھی تخلف نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا تھا۔ یہ وعدہ کبھی اس شکل میں پورا ہوا ہے کہ اس نے اپنی قدرت
قاہرہ سے باغیوں کا استیصال کر کے اپنے فرماں بردار بندوں کو ہر مزاحمت سے آزاد کیا ہے اور کبھی اس
صورت میں پورا ہوا ہے کہ اپنے فرماں برداروں کے لشکر کو باغیوں کی فوج پر فتح عطا کر کے کفر و شرک کی طاقت
کو شکست دی ہے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ اپنے رسول کو منکرین حق کے درمیان سے صحیح و سلامت نکال لے گیا ہے اور پھر ان
کی پیروی کرنے والوں کو ان کے منکرین پر غلبہ عطا کیا ہے۔ یہ بات بھی بدلائل ثابت کی جا چکی ہے کہ حق پرستوں کو غلبہ اس لیے عطا
کیا جاتا ہے کہ خدا کا بھیجا ہوا دین خود ساختہ ادیان پر غالب اور خدا کا نازل کیا ہوا قانون حیات نافذ اور رائج ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے، کش مکش کرتے
رہے اور اذیتیں سہتے رہے لیکن ان کی سرکش قوم ایمان نہ لائی اور بغاوت پر اڑی رہی۔ آخر کار اللہ کا
وعدہ طوفان نوح کی شکل میں نمودار ہوا اور پوری قوم کو بہا لے گیا۔ حضرت نوح اور ان پر ایمان لانے والوں
کی کشتی موجوں کے سینے پر سوار رواں دواں رہی، یہاں تک کہ طوفان کم ہوا اور وہ کوہ جودی پر جا لگی اور
پھر کوہ جودی کے دامن میں وہ ریاست تشکیل پائی جس کے سربراہ خود حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ ان کی زندگی
میں اور ان کے بعد معلوم نہیں کب تک اس مملکت کا آئین وہ شریعت تھی جو حضرت نوح پر نازل ہوئی تھی۔ تمام
انفرادی و اجتماعی معاملات اسی شریعت کے مطابق انجام پاتے تھے۔ پھر یہ کہنا اور سمجھنا کہ حضرت نوح کوئی اسلامی
ریاست تشکیل نہ دے سکے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ حضرت نوح کی پوری تاریخ محفوظ ہوتی تو ہم ان کی حکومت
کے تمام انتظامات کی اسی طرح نشان دہی کر سکتے جس طرح مدنی ریاست کے انتظامات کی کرتے ہیں۔

اسلامی حکومت کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہیں کہ اللہ کے تمام احکام پر عمل کرنے کی کامل آزادی حاصل
ہو اور اگر کہیں کوئی مزاحمت موجود ہو تو وہ ختم ہو چکی ہو۔ اس حکومت کے لیے نہ کسی خاص رقبے کی شرط ہے اور
نہ باشندوں کی کسی خاص تعداد کی۔ اگر زمین کے کسی حصہ میں مسلمانوں کا کوئی مختصر خاندان بھی موجود ہے اور وہ
اللہ کے ہر حکم پر عمل کر رہا ہے، چاہے اس کا تعلق نماز سے ہو، یا چور کا ہاتھ کاٹنے سے اور دوسری کوئی طاقت
نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑ رہی ہو تو زمین کا وہ ٹکڑا اسلامی حکومت اور اس خاندان کا نگراں اس کا سربراہ ہے

جاہلیتِ عرب کے عقیدے

سید احمد قادری

عرب کے مشرکین جن سے قرآن کریم میں تخاطب کیا گیا ہے اور جن کے باطل عقیدوں کی تردید کی گئی ہے وجود خدا کے منکر نہ تھے۔ وہ نہ صرف یہ کہ خدا کے وجود پر ایمان رکھتے تھے بلکہ خدا ہی کو خالق کائنات و مدبرِ ارض و سماوات سمجھتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ ملت ابراہیمی کے پیرو ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی نبوت و رسالت تسلیم کرتے تھے۔ ملتِ ابراہیمی کے کچھ شعائر اس وقت بھی ان کے درمیان موجود تھے اور وہ ان پر عمل کرکے فخر و افتخار کے نقارے بجاتے تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں لکھتے ہیں:۔

اما مشرکین خود را حنفا می گفتند و
دعویٔ تدین بملتِ ابراہیمی میکردند و حنیف
کسے را گویند کہ بملت ابراہیمی متدین باشد
و شعار آں ملت را لازم گیرد و شعار آں ملت
حج خانۂ کعبہ است و استقبال آں در نماز و
غسل از جنابت و اختتان و سائر خصال فطرت
و تحریم اشہر حرم و تعظیم مسجد حرام و تحریم محرمات
نسبیہ و رضاعیہ و تقرب بذبح و نحر خصوصاً در
[illegible] و صوم

مشرکین اپنے کو حنفا کہتے تھے اور دعویٰ
کرتے تھے کہ ملت ابراہیمی ان کا دین ہے حنیف
اس شخص کو کہتے تھے جو ملت ابراہیمی کا پیرو ہو
اور اس ملت کے شعار کو لازم پکڑے۔ ملتِ
ابراہیمی کا شعار حسب ذیل چیزیں ہیں۔ خانہ کعبہ کا حج
غسل جنابت کرنا، ختنہ کرنا، تمام فطری خصلتیں
حرمت والے مہینوں کی تحریم، مسجد حرام کی تعظیم
نسبی و رضاعی محرمات کی تحریم۔ جانوروں کی
قربانی سے تقرب خصوصاً ایام حج میں [illegible]

از طلوع فجر تا غروب آفتاب و صدقہ بر یتامی و مساکین و اعانت بر نوائب حق و صلۂ ارحام مشروع بود و تمدح بفعل ایں اشیاء در میان ایشاں جاری بود۔ اما جمہور مشرکین آں را ترک نمودہ بودند و درمیان ایشاں کان لم یکن شدہ بود۔ و تحریم قتل و سرقہ و زنا و ربا و غصب نیز در اصل ملت ثابت بود۔ وانکار بر فعل آنہا فی الجملہ جاری۔ اما جمہور مشرکین مرتکب آں بودند و بحکم نفس امارہ می رفتند۔	طلوع فجر سے غروب آفتاب تک روزہ، یتیموں اور مسکینوں پر صدقہ، مصائب میں اعانت، صلہ رحم یہ چیزیں اصل ملت میں مشروع تھیں اور خود مشرکین کے درمیان ان پر عمل کرنا قابل تعریف سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جمہور مشرکین نے ان باتوں کو ترک کر دیا تھا اور گویا ان کا نشان بھی باقی نہ رہا تھا۔ قتل، چوری، زنا، سود اور غصب کی حرمت بھی اصل ملت میں ثابت تھی اور ان افعال پر انکار بھی کچھ نہ کچھ جاری تھا لیکن جمہور مشرکین ان اعمال کے مرتکب تھے اور اپنے نفس کے حکم پر چلتے تھے۔

اس تحریر سے معلوم ہوا کہ مشرکین اپنے کو دین ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے۔ وضو، نماز، روزہ، صدقہ، حج، ان کے نزدیک قابل تعریف اعمال تھے، قتل، چوری، زنا، سود، غصب حرام اور قابل انکار اعمال تھے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کا جو عقیدہ تھا اس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔

و عقیدۂ اثبات خدائے تعالیٰ و آنکہ خدا خالق آسمان و زمین است و مدبر حوادث عظام ہست و قادر بر ارسال رسل و مجازی عباد بر اعمال ایشاں و مقدر حوادث عظام است و قادر قبل از وقوع آں و آنکہ فرشتگان مقرب خدا اند و مستحق التعظیم اند۔ نیز درمیان ایشاں ثابت بود و اشعار ایشاں دلالت میکنند	اللہ تعالیٰ کے اثبات کا عقیدہ اور یہ بات کہ خدا آسمان و زمین کا خالق ہے۔ بڑے بڑے امور اسی کی تدبیر و تقدیر سے انجام پاتے ہیں وہ رسولوں کے بھیجنے پر قادر اور بندوں کو ان کے اعمال پر جزا دینے والا ہے۔ فرشتے خدا کے مقرب اور لائق تعظیم ہیں۔ یہ ساری باتیں ان کے یہاں ثابت تھیں اور ان کے اشعار اس پر دلالت کرتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان کے عقائد میں وہ کیا خرابیاں تھیں جن کی وجہ سے ان کو مشرک و کافر سمجھا جاتا تھا اور قرآن نے ان کی تردید کی۔ اس سوال کے جواب کے لیے بھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عبارت ذیل ملاحظہ کیجیے۔

و گمراہی ایشاں شرک بود و تشبیہ و تحریف	ان کی گمراہی تھی شرک، تحریف، تشبیہ

وانکارِ معاد و استبعادِ رسالت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم — اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مستبعد سمجھنا

شرک کیا ہے؟ اور مشرکین عرب کس قسم کے شرک میں مبتلا تھے؟ اس کی تشریح حضرت شاہ صاحب نے یہ کی ہے۔ "شرک یہ ہے کہ غیر خدا کے لیے خدا کی صفات مختصہ ثابت کی جائیں۔ مثلاً کسی کے متعلق یہ سمجھا جائے کہ دنیا میں وہ اپنے ارادے سے تصرف کر سکتا ہے یا یہ کہ اس کو بغیر کسی ذریعے کے ذاتی علم ہے یا یہ کہ وہ کسی مریض کو بذاتِ خود اپنی طاقت سے شفا بخش سکتا ہے یا یہ سمجھا جائے کہ اگر وہ کسی شخص سے ناخوش ہو جائے تو اس کی ناراضی اس شخص کو تنگ دست، بیمار اور بدبخت بنا سکتی ہے۔ اور اگر وہ کسی سے خوش ہو جائے تو اس کی رضامندی اس شخص کو خوش حال، تندرست اور خوش نصیب بنا سکتی ہے۔ عرب کے مشرکین آسمان و زمین وغیرہ کی تخلیق اور بڑے بڑے اہم امور کی تدبیر میں کسی کو بھی خدا کا شریک نہ جانتے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اگر خدا کسی چیز کا ارادہ کرلے تو پھر کسی کی قدرت نہیں کہ اسے ہونے سے روک دے ان کا شرک یہ تھا کہ وہ بعض اشخاص کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جس طرح کوئی بڑا بادشاہ اپنے بندگانِ خاص کو اطرافِ ممالک میں حاکم بنا کر بھیجتا ہے اور چھوٹے چھوٹے کاموں کی انجام دہی کا انہیں مختار بنا دیتا ہے وہ لوگ امورِ جزئیہ میں اپنے اختیار سے تصرف کرتے ہیں بادشاہ ان امور میں دخل نہیں دیتا۔ نیز بادشاہ ان لوگوں کے خادموں اور متوسلوں کے بارے میں ان کی سفارش قبول کرتا ہے، بالکل اسی طرح بادشاہ علی الاطلاق یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو خدائی کا خلعت عطا کیا ہے۔ ان کی خوشی و ناخوشی دوسرے تمام بندوں میں اثر کرتی ہے اس بنا پر مشرکینِ عرب ضروری سمجھتے تھے کہ ان بندگانِ خاص کا تقرب حاصل کریں تاکہ بادشاہ یعنی خدا تک رسائی حاصل ہو اسی عقیدے کے سبب سے وہ اپنے ان بزرگوں کے بتوں کے سامنے تمام مشرکانہ افعال و اعمال کرتے تھے۔" (الفوز الکبیر)

اس مشرکانہ عقیدے کی وجہ سے انھوں نے اپنے معبودوں اور سرداروں کو تمام معاملات میں اپنا مقتدا اور پیشوا بنا لیا تھا اور اپنی پوری زندگی ان کے حوالے کر دی تھی، وہی ان کے حاکم اور شریعت ساز بن گئے تھے اب ہم جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اگر اسی قسم کے عقیدہ و عمل میں مبتلا ہو جائیں، تو قرآن کی زبان ہمارے متعلق کیا فتویٰ دے گی؟

تشبیہ کے متعلق حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"تشبیہ" اللہ تعالیٰ کے لیے انسانی و بشری صفات کے اثبات کو کہتے ہیں۔ مشرکین ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ اپنے بعض بندوں کی سفارش قبول کرتا ہے اگرچہ خود رضامند نہ ہو جس طرح بادشاہ بعض اوقات اپنے بڑے بڑے امراء و حکام کی سفارش کسی معاملے میں قبول کر لیتے ہیں اگرچہ وہ ان کی مرضی کے خلاف ہو۔ اسی طرح انھوں نے اپنے علم و سمع و بصر پر قیاس کر کے خدا کے لیے بھی اسی طرح کا علم اور آنکھ کان ثابت کیا اور خدا کے جسم ہونے کے قائل ہو گئے۔"

تحریف کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"تحریف کا بیان یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد اپنے جد بزرگوار کی شریعت پر تھی یہاں تک کہ عمرو بن لحی پیدا ہوا اور اس ملعون نے اپنی قوم کے لیے بت بنائے اور ان کی عبادت کو مشروع قرار دیا اور اسی طرح کے افعال و اعمال اختراع کیے۔ یہ حادثہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً تین سو سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔"

انکار معاد یعنی قیامت کے متعلق بھی ان کے پاس جو کچھ دلیل تھی وہ یا تو ان کی عقل تھی یا آباء و اجداد کا سہارا تھا اور یہ سہارا کچھ انکار معاد ہی کے لیے نہیں بلکہ ان کے تمام عقائد و اعمال مشرکانہ کے لیے تھا کسی عقیدہ و عمل کا آباء و اجداد سے نسلاً بعد نسل چلا آنا ان کے نزدیک ایسی زبردست دلیل تھی کہ وہ کسی کی بات اس کے خلاف سننے پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

واز آں جملہ دریں باب تمسک بآثار آباء خود می نمودند و آں را یکے از حجج قاطعہ می دانستند	اس باب میں من جملہ اور باتوں کے وہ اپنے باپ دادوں کے آثار سے دلیل لاتے تھے اور اس کو ایک قطعی دلیل سمجھتے تھے۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں انھیں جو شک تھا وہ محض اس بنیاد پر کہ آدمی اللہ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے وہ سمجھتے تھے کہ پیغام بھیجنے والے اور پیغام لانے والے میں مماثلت و مشابہت ہونی چاہیے وہ تدبیر الٰہی کی اس حقیقت سے ناآشنا تھے جو انبیاء کی بعثت کا اقتضا کرتی ہے ان کی سمجھ میں اتنی موٹی بات بھی نہیں آتی تھی کہ انسان تک پیغام پہنچانے کے لیے ایک انسان ہی کی ضرورت ہے۔ مماثلت اور مشابہت دراصل پیغام لانے والے اور ان لوگوں کے درمیان ہونی چاہیے جن کے لیے وہ پیغام آیا۔ مشرکین رسالت و رسول کو انسانیت سے ماوراء تصور کرنے لگے تھے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء آئے وہ بھی انسان تھے اور قرآن نے ان کو

نبی تسلیم بھی کرتے تھے حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل بلکہ حضرت موسیٰ علیہم السلام کی نبوت کا انہیں اعتراف تھا لیکن مشرکانہ عقائد و اعمال کا یہ خاصہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ انسان کو حیوان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ اور بے عقل بنا دیتے ہیں۔ مسلمانوں میں اولیاء کے متعلق جو عقیدہ پیدا ہوگیا ہے اس کے متعلق اسی سلسلۂ بیان میں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

واگر در تصویر حال مشرکین وعقائد و اعمال ایشاں توقف داری احوال محترفان اہل زماں خصوصاً آنکہ در اطراف دار الاسلام سکونت دارند ملاحظہ کن کہ ولایت راچہ خیال کردہ اند باوجود اعتراف بر ولایت اولیائے متقدمین دریں زمانہ وجود اولیا محال می انگارند وبہ قبور و آستانہ ہامی روند وانواع شرک بہ عمل می آرند، تشبیہ و تحریف چگونہ در ایشاں راہ یافتہ است وبحکم حدیث صحیح لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ازیں آفات ہیچ چیزے نیست مگر امروز قومے مرتکب آنند ومعتقد مثل آں عافانا اللہ سبحانہ من ذالک (الفوز الکبیر)

مشرکین کے عقائد و اعمال اور ان کے حال کو ذہن نشین کرنے میں توقف ہو تو اس زمانے کے لوگوں کے احوال دیکھو خصوصاً ان لوگوں کے حالات جو دار الاسلام (دہلی) کے اطراف میں رہتے ہیں کہ انھوں نے ولایت کے متعلق کیا خیال قائم کر لیا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ متقدمین اولیاء کی ولایت مانتے ہیں۔ اس زمانے میں اولیاء کے وجود کو محال سمجھتے ہیں، قبروں اور آستانوں پر جاتے ہیں اور طرح طرح کے اعمال مشرکانہ کرتے ہیں تشبیہ و تحریف نے کس قدر ان لوگوں میں راہ پائی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ تم اپنے سے قبل کی امت کے طریقوں کی پیروی کروگے۔ اس حدیث کے مطابق ان بیان کردہ آفتوں میں سے کوئی چیز نہیں ہے مگر یہ کہ کوئی نہ کوئی قوم اس کی مرتکب اور معتقد ہے۔ اللہ ہمیں اس سے بچائے۔

یہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کا حال تھا۔ اس زمانے میں اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ اپنے کو مسلمان کہنے والی قوم کیا عقیدے رکھتی ہے اور کیا کچھ کر رہی ہے۔

جاہلیت عرب کے عقیدوں کی بنیادی و اصولی خرابیاں یہی تھیں جو حضرت شاہ صاحب نے لکھیں۔ انہی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے ہمیشہ اللہ کے پیغمبر آتے رہے اور آخر میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ پر رسالت و نبوت ختم کر دی گئی کیونکہ اللہ نے آپ پر اپنی جو آخری کتاب اتاری قیامت تک اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا۔ قرآن انسانی زندگی کا مکمل قانون ہے۔ اس قانون پر اللہ کے آخری نبی نے خود عمل کر کے دکھایا

ہے اور بحمداللہ وہ عمل بھی قیامت تک کے لیے محفوظ ہوگیا ہے۔ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہم اس کے ذریعے اپنے عقائد و اعمال کی ہر خرابی کو نہ صرف یہ کہ جان سکتے ہیں بلکہ انہیں دور بھی کرسکتے ہیں۔ ہم اگر واقعی اپنی زندگیوں کو اللہ کے حوالے کردیں اور ہر معاملے میں اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت سے رہنمائی حاصل کرنے کا عزم کرلیں تو نہ صرف یہ کہ ہم اپنی اخلاقی حالت سدھار سکتے ہیں بلکہ دنیا کو بھی سنوار سکتے ہیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اسلامی ریاست کے فرائض و واجبات

(سید جلال الدین عمری)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر، امت مسلمہ کا دعوتی کام بھی ہے اور سیاسی کام بھی۔ اس سے پہلے ہم مختلف عنوانات کے تحت اس کے دعوتی کام کی تشریح کر چکے ہیں۔ یہاں ہم اس کے سیاسی کام سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے اس امت کے سب سے پہلے اور سب سے اونچے طبقے کے افراد کے بارے میں صراحت کی ہے کہ زمین میں اقتدار پانے کے بعد وہ معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے یعنی جس دعوت حق کو وہ لیکر اٹھے ہیں عملاً اسے قائم کریں گے اور جن اصول و نظریات پر ان کا ایمان ہے انسانوں کے درمیان انہیں نافذ کریں گے ایسا نہیں ہوگا کہ اقتدار کے ملنے سے پہلے جس دین کی وہ دعوت دے رہے ہیں اقتدار کے ملنے کے بعد اسے بھلا دیں اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں لگ جائیں۔ چنانچہ سورۂ حج کی اکتالیسویں آیت دیکھیے کہ صحابۂ کرام کو اقتدار و حکومت عطا کرنے سے پہلے ہی خدائے تعالیٰ فرماتا ہے :-

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ	یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ	عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے
اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ	معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے اور
وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ	تمام معاملات کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے[1]

[1] سورۂ حج کی اس آیت سے پہلے مہاجرین کا ذکر ہے۔ اس لیے گویا آیت میں اصلاً ان ہی کے اوصاف بیان ہوئے ہیں لیکن چونکہ یہ صفات صرف مہاجرین ہی سے متعلق نہیں ہیں بلکہ پوری امت میں اور اس کے سب ہی طبقات میں ان کا پایا جانا ضروری ہے اس وجہ سے جن مفسرین کے پیش نظر آیت کے صرف الفاظ رہے ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ آیت میں مہاجرین کا ذکر ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

قرآن کی اس آیت کو اسلامی حکومت کا مینی فسٹو (MANIFESTO) کہنا چاہیے۔ اس میں اس حکومت کا سیاسی کو ظاہر کیا گیا ہے جو امت مسلمہ اقتدار پانے کے بعد انجام دیتی ہے۔ اس سے آپ جان سکتے ہیں کہ اسلامی حکومت کس مقصد کے لیے وجود میں آتی ہے، اس کا مزاج کیا ہوتا ہے، اس کے اعمال کس قسم کے ہوتے ہیں اور وہ اپنے تمام وسائل و ذرائع کس راہ پر لگاتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی یہ مختصر سی آیت بہت ہی واضح الفاظ میں، اہلِ ایمان کے ہاتھوں قائم ہونے والی حکومت کے بنیادی خدوخال کا اعلان ہے۔ اسی حقیقت کے بیان کے لیے حافظ ابوالبرکات نسفی اور بعض دوسرے مفسرین نے یہ تعبیر اختیار کی ہے :-

ھو اخبار من اللہ عما ستکون	یہ اللہ کی طرف سے اس بات کی پیش گوئی
علیہ سیرۃ المھاجرین ان مکنھم	ہے کہ اگر وہ مہاجرین کو زمین میں اقتدار اور مال و
فی الارض و بسط لھم فی الدنیا و	دولت میں وسعت عطا کرے تو ان کی سیرت کا
کیف یقومون بامر الدین[1]	کیا حال ہوگا اور وہ کس طرح دین کو قائم کریں گے۔

سورۂ حج کی مذکورہ بالا آیت میں ایمان والوں کے چار اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ اقامت صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ پہلے دو وصف ان کے ذاتی کردار کی نشان دہی کرتے ہیں اور بعد کی دو صفات میں ان کا اجتماعی و سیاسی کردار بیان ہوا ہے۔ دورِ جدید کے مفسر علامہ احمد مصطفیٰ المراغی نے اس آیت کی تفسیر کے بعد اس کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

اذھم ھم الذین کملوا انفسھم	یہی لوگ ہیں جنھوں نے نماز میں طاقت کی حد تک

بقیہ حاشیہ) اور جن اصحاب نے آیت کے عموم اور منشا کو سامنے رکھا ہے انھوں نے امت کے دیگر طبقات کو بلکہ پوری امت کو اس میں شامل سمجھا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں۔ اس سے مراد صحابہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک اس سے مہاجرین انصار، تابعین مراد ہیں۔ عکرمہ کا بیان ہے کہ آیت میں پانچ وقت کی نماز پڑھنے والوں کا ذکر ہے۔ حسن بصری اور ابوالعالیہ کی رائے میں اس سے امت محمدیہ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ ان کو اقتدار دے تو وہ نماز قائم کریں گے۔ ابن ابی نجیح کہتے ہیں کہ اس میں حکام کا بیان ہوا ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ حکومت اور سلطنت عطا کرے ان پر اس آیت میں ایک شرط لگائی ہے (اور انہیں اس شرط کا پورا کرنا ضروری ہے) علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد آخری قول کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ (دیکھیے الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۷۳)

[1] مدارک التنزیل وحقائق التاویل۔ البحر المحیط ج ۶ ص ۳۷۶

باستحضار المعبود والتوجه اليه
في الصلوة على قدر الطاقة و
كانوا عونا لامتهم باعانة
فقرائهم وذوي الحاجة منهم
وكملوا غيرهم فافاضوا عليهم
من علومهم وآدابهم ومنعوا
المفاسد التي تعوق غيرهم عن
الوصول في الرقي الخلقي والادب السامي

معبود کے استحضار اور اس کی طرف توجہ سے اپنے
نفوس کی تکمیل کی ہے اور فقراء اور حاجتمندوں
کی مدد کے ذریعہ اپنی قوموں کے مددگار رہے ہیں
اور پھر انھوں نے اپنے علاوہ دوسروں کی بھی تکمیل
کی ہے، اس طرح کہ ان میں اپنے علوم و آداب
پھیلائے اور انہیں ان مفاسد سے منع کیا جو اخلاقی
بلندی اور اونچے ادب تک پہنچنے سے ان کو
روکتے ہیں۔

علامہ ابن جریر طبری آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

يعني بقوله ان مكناهم في الارض
ان وطنا لهم في البلاد فقهروا
المشركين وغلبوهم عليها وهم
اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم
يقول ان نصرناهم على اعدائهم
وقهروا مشركي مكة اطاعوا الله فاقاموا
الصلوة بحدودها واتوا الزكوة
يقول واعطوا زكوة اموالهم من جعلها
الله له وامروا بالمعروف يقول ودعوا
الناس الى توحيد الله والعمل
بطاعته وما يعرفه اهل الايمان بالله
ونهوا عن المنكر يقول ونهوا عن
الشرك بالله والعمل بمعاصيه

"اگر ہم نے انہیں زمین میں اقتدار عطا کیا"
یعنی اگر ہم نے انہیں شہروں میں بسا دیا اور انہوں
نے مشرکین کا زور توڑ دیا اور ان پر غالب آ گئے۔
اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب
ہیں، مطلب یہ کہ اگر ہم نے دشمنوں کے مقابلہ میں
ان کی مدد کی اور وہ مشرکین مکہ پر غالب آ گئے
تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے۔ نماز کو اپنے
تمام حدود و آداب کے ساتھ قائم کریں گے جن کو
اللہ نے مال دیا ہے وہ اس کی زکوٰۃ دیں گے۔
"معروف کا حکم دیں گے" یعنی لوگوں کو اللہ کی
وحدانیت کی اور اس کی اطاعت و طلب رضا کی
اور ان اعمال کی دعوت دیں گے جو اہل ایمان کے
درمیان جانے پہچانے ہیں" اور منکر سے روکیں گے

الذی ینصرہ اھل الحق والایمان باللہ[1]

یعنی خدا کے ساتھ شرک سے اور اس کی نافرمانی سے روکیں گے جسے اہل حق اور اہل ایمان ناپسند کرتے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:۔

اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اشارہ است باقامت ارکان اسلام ۔ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ شامل است احیاء علوم دین را وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ شامل است جہاد کفار و اخذ جزیہ را زیرا کہ منکرے زیادہ تر از کفر نیست و نہیے در ورعے بالاتر از قتل اہل کفر و گرفتن جزیہ نہ و شامل است اقامت حدود و تعزیرات را بر عصاۃ مسلمین[2]

"نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے" اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ارکان اسلام کو قائم کریں گے "معروف کا حکم دیں گے" اس میں علوم دین کا زندہ کرنا شامل ہے "منکر سے منع کریں گے" اس میں کفار کے ساتھ جہاد اور ان سے جزیہ لینا آتا ہے کیونکہ کفر سے بڑھ کر کوئی منکر نہیں اور اہل کفر کو منع کرنے کی سب سے آخری شکل یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے اور ان سے جزیہ لیا جائے۔ اس میں نافرمان مسلمانوں پر حدود کا قائم کرنا اور تعزیرات کا جاری کرنا بھی شامل ہے۔

علامہ قرطبی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سلسلے میں فرماتے ہیں:۔

ان الامر بالمعروف لا یلیق بکل احد وانما یقوم بہ السلطان اذا کانت اقامۃ الحدود الیہ والتعزیر الی رایہ والحبس والاطلاق لہ والنفی والتعزیب فینصب فی کل بلدۃ رجلا صالحا قویا امینا ویامرہ بذلک ویمضی الحدود علی وجھہا من غیر زیادۃ قال اللہ تعالیٰ الذین ان مکناھم

امر بالمعروف کے لیے ہر ایک مناسب نہیں ہو سکتا اس کو حاکم انجام دے گا جب کہ اسے حدود کا قائم کرنا ہو اور تعزیر اسی کی رائے کے مطابق ہوگی، اسی طرح قید اور رہا کرنے کا اختیار بھی اسی کو ہے۔ وہ ہر شہر میں کسی صالح، مضبوط اور امانت دار آدمی کو اس کام پر مقرر کرے گا۔ اور اسے اس کا حکم دیگا اور حدود کو صحیح شکل میں بغیر کسی زیادتی کے جاری کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اگر ہم نے ان کو

---

[1] جامع البیان فی تفسیر القرآن جز ۱۷ ص۱۱۱ [2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ج۱ ص۱۸

فی الارض اقاموا الصلوٰۃ ...... [1] زمین میں اقتدار عطا کیا تو وہ نماز قائم کریں گے ......

گویا قرآن میں اہلِ ایمان کے اقتدار و حکومت کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک طرف خدا کے مطیع و فرماں بردار اور اس کے بتائے ہوئے حدود کے پابند ہوتے ہیں اور کسی بھی معاملہ میں ان سے خود سری اور بغاوت کا مظاہرہ نہیں ہوتا۔ دوسری طرف وہ خدا کے دین کی دعوت دیتے ہیں، ایمان و عمل صالح کی تبلیغ کرتے ہیں، دنیا کو شرک و معصیت سے باز رکھتے ہیں، علوم دین کو زندہ اور قانونِ شریعت کو نافذ کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں اس وقت تک اپنا جہاد جاری رکھتے ہیں جب تک کہ بدی کی جگہ نیکی اور شر کی جگہ خیر نہ آجائے اور ہر طرف خدا کا دین قائم و غالب نہ ہو جائے۔

ان تشریحات میں دین کے چند خاص پہلو ہی نمایاں ہو سکے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلامی ریاست کے لیے صرف ان ہی چند پہلوؤں میں قوانین الٰہی کی پابندی ضروری ہے بلکہ پورے دین کی اطاعت و خدمت اس کا فرض ہے۔ 'امر بالمعروف ونہی عن المنکر' جسے قرآن نے اسلامی ریاست کے حکمرانوں کا وصف خصوصی بتایا ہے، اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔ معروف ہر اس عقیدہ و عمل کو کہیں گے جس کی شریعت نے تعلیم دی ہے اور منکر میں ایسے تمام عقائد و اعمال شامل ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر یہ ہے کہ ان تمام اوامر و نواہی کے بارے میں ٹھیک وہ رویہ اختیار کیا جائے جس کا اسلامی شریعت تقاضا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے علامہ محمد خطیب شربینی المتوفی ۹۷۷ھ نے اسلامی ریاست کے حکمرانوں کے اس وصف کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے :-

وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ ای	"وہ معروف کا حکم دیں گے" یعنی ان چیزوں کا
الذی امر اللہ تعالیٰ بہ ورسولہ	حکم دیں گے جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا
وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ای الذی	ہے" اور منکر سے منع کریں گے" یعنی ان چیزوں سے
نہی اللہ ورسولہ	منع کریں گے جن سے اللہ اور اس کے رسول نے
عنہ [2]	منع کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی ریاست اپنے تمام وسائل و ذرائع کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہی کی تکمیل کرتی ہے اس کا ہر شعبہ اسی کے تابع ہوتا ہے۔ اگر یہ مقصد اس کے کاموں میں نہیں رہا تو اس کی اسلامیت ختم ہو گئی علامہ ابن قیم فرماتے ہیں :-

---

[1] الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۷۲ — [2] السراج المنیر ج ۲ ص [illegible]

جمیع الولایۃ الاسلامیۃ مقصودھا الامر بالمعروف والنھی عن المنکر[1]

ساری اسلامی سلطنت کا مقصد امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر اسلامی ریاست کا اختیاری عمل نہیں ہے، کہ اس کے کرنے یا نہ کرنے میں وہ آزاد ہو اور نہ اس کی حیثیت محض استحباب کی ہے کہ اس کے کرنے پر وہ اجر وثواب کی مستحق قرار دی جائے اور نہ کرنے پر اس کو غلط کار نہ کہا جاسکے، بلکہ اس کے وجود کا انحصار ہی اس پر ہے اور اسی سے اس کی اسلامیت کا تعین ہوتا ہے۔ یہ اس پر خدا کی جانب سے متعین کیا ہوا فرض ہے جس کا ادا کرنا اس کی خاص ذمہ داری ہے۔ اس کو نظرانداز کرنا کیا معنی اس میں کوتاہی اور غفلت بھی اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم سورہ حج کی اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

فیہ ایجاب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر علی من مکنہ اللہ فی الارض واقدرہ علی القیام بذالک[2]

اس میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ان لوگوں پر واجب کیا گیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ زمین میں اقتدار عطا کرے اور اس فرض کو قائم کرنے کی طاقت بخشے۔

احتساب

جس طرح اسلامی ریاست کے لیے ضروری ہے کہ اس کی مالیات شریعت کی تابع ہوں، اس کی عدالتوں میں اسلامی قانون کی حکمرانی ہو اور اس کا نظام تعلیم اسلام کی ہدایات کے مطابق ہو، اسی طرح امت کی عام دینی و اخلاقی اصلاح اور اس کا احتساب بھی اس کے لیے ضروری ہے۔ ہمارے علماء نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذیل میں بڑے اہتمام کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں :-

اما الحسبۃ فھی وظیفۃ دینیۃ من باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر الذی ھو فرض علی القائم بامور المسلمین یعین لذالک من یراہ اھلا لہ فیتعین فرضہ علیہ یتخذ

احتساب امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذیل کا ایک دینی کام ہے، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر مسلمانوں کے حاکم پر فرض ہے۔ وہ اس کام پر کسی ایسے شخص کو جسے وہ اس کے لیے اہل سمجھے گا متعین کرے گا پس اس طرح اس کا فرض

[1] الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ ص ۲۱۔ [2] فتح البیان فی مقاصد القرآن ج ۲ ص [illegible]

الاعوان على ذالك ويبحث	اس پر لازم ہوجائے گا وہ اس کام کے لیے اعوانؔ
عن المنكرات ويؤدب على	وانصار رکھے گا، منکرات کے بارے میں چھان بین
قدرها ويحمل الناس على المصالح	کرے گا اور ان کے مناسب تادیب کرے گا اور
العامة في المدينة[1]	لوگوں کو شہر میں مصالح عامہ پر ابھارے گا۔

علمار نے احتساب کے شعبے سے متعلق جو کام بتائے ہیں ان کو ہم تین عنوانوں میں تقسیم کرسکتے ہیں:۔

(۱) امت کی دینی و اخلاقی اصلاح جیسے لوگوں کو نماز کا حکم دینا، اماموں اور موذنوں کی نگرانی کرنا تاکہ ان سے اپنے فرائض میں کوئی غلطی یا کوتاہی اور غفلت نہ ہونے پائے، نا اہل اشخاص کو شریعت کے مسائل میں رائے زنی سے روکنا۔ اسی طرح اس بات کا خیال رکھنا کہ کسی سے کوئی غیر اخلاقی اور غیر شرعی حرکت نہ سرزد ہو۔ مثال کے طور پر اجنبی عورتوں سے بات چیت اور اختلاط وغیرہ۔

(۲) ایسے معاملات کے بارے میں اقدام کرنا جو عدالت کے دائرۂ کار سے باہر ہوں یا جن کی نوعیت ایسی ہو کہ مشکل ہی سے وہ عدالت میں پہنچ سکتے ہوں۔ جیسے ناپ تول میں کمی بیشی، کاروبار میں دھوکا دہی، اشیاء خوردنی میں ملاوٹ، ناجائز اشیاء کی خرید و فروخت، لین دین میں خلاف شرع طریقوں کا اختیار کرنا، ذخیرہ اندوزی وغیرہ۔

(۳) مصالحِ عامہ کی نگرانی۔ جیسے شہروں میں پانی کا مناسب انتظام کرنا، ٹریفک کے لیے اصول بنانا اور اس کی پابندی کرانا، مسافرخانوں کی تعمیر اور مسافروں کو سہولتیں بہم پہنچانا، جن عمارتوں کے گرنے کا خطرہ ہو ان کو اس طرح گرانا کہ کوئی جانی و مالی نقصان نہ ہو۔ وغیرہ[2]

احتساب خالص ریاستی سطح ہی پر انجام پانے والا کام نہیں ہے بلکہ عام افراد کو بھی اس کا حق حاصل ہے۔ احتساب پر سرکاری افراد کے مامور ہونے کے باوجود غیر سرکاری افراد خلاف شرع امور پر ہر کسی کا، حتیٰ کہ امراء و حکام کا بھی احتساب کرسکتے ہیں لیکن عام اشخاص کے لیے وہ ایک نفلی کام ہے اور سرکاری محتسب کے لیے اس کا انجام دینا فرض ہے۔ علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ اس سے دونوں کی حیثیتوں میں حسب ذیل نو پہلوؤں سے فرق واقع ہوجاتا ہے۔

(۱) محتسب کے لیے احتساب فرض عین ہے کیونکہ اس پر فرائض احتساب حکومت کی طرف سے متعین ہوتے ہیں

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۲۵ [2] تفصیل کے لیے دیکھیے الاحکام السلطانیہ ص ۲۴۱ و ما بعدہا، الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ ص ۱۱ و ما بعدہا

اور متنفل کے لیے اس کی نوعیت فرض کفایہ کی ہے۔ (۲) محتسب اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کام میں مشغول نہیں ہو سکتا اور متنفل کے لیے اس کی اجازت ہے۔ (۳) محتسب اس بات پر متعین ہوتا ہے کہ جن معاملات میں نہی عن المنکر ضروری ہے ان میں لوگ اس سے مدد طلب کریں اور متنفل اس پر متعین نہیں ہوتا۔ (۴) جو شخص اس سلسلے میں مدد طلب کرے محتسب کے لیے اس کی مدد کرنا ضروری ہے اور متنفل کے لیے ضروری نہیں ہے۔ (۵) بڑے بڑے منکرات کے بارے میں تحقیق کرنا کہ کہاں ان کا ارتکاب ہو رہا ہے اور پھر وہاں پہنچ کر ان کو روکنا، اسی طرح یہ دیکھنا کہ بالکل کھلے ہوئے معروفات کہاں کہاں چھوڑ دیے گئے ہیں اور پھر ان کا قائم کرنا محتسب کا فرض منصبی ہے لیکن متنفل کے لیے یہ چھان بین اور تحقیق ضروری نہیں ہے۔ (۶) محتسب چونکہ احتساب پر باقاعدہ متعین ہوتا ہے اور وقت ضرورت لوگ اس سے مدد طلب کرتے ہیں لہٰذا وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے اعوان و انصار رکھ سکتا ہے تاکہ وہ اس کام پر پوری طرح قدرت رکھے اور آسانی انجام دے سکے۔ اس کے برخلاف متنفل کے لیے اعوان و انصار کو طلب کرنا صحیح نہیں ہے[1] (۷) عام منکرات کے سلسلے میں محتسب کو تعزیر کا، جو حد شرعی تک نہ پہنچے، حق ہے (کیونکہ حد شرعی کا نفاذ اسلامی عدالت سے ہوگا) لیکن متنفل کو تعزیر کا حق نہیں ہے[2] (۸) محتسب اپنے اس کام پر بیت المال سے تنخواہ لے سکتا ہے۔ اور متنفل کے لیے انکار منکر پر وظیفہ لینا صحیح نہیں ہے۔ (۹) جن چیزوں کا تعلق عرف اور مصالح عامہ سے ہے ان میں محتسب اپنے اجتہاد کے مطابق کام کر سکتا ہے اور متنفل کو اس کی اجازت نہیں ہے[3]

ریاست کی اصلاح

اوپر کے صفحات میں ہم نے یہ واضح کیا ہے کہ اسلامی ریاست خالص دینی ریاست ہے اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ معروف کا حکم دے اور منکر سے منع کرے لیکن اگر کوئی اسلامی ریاست، اس مقصد کے خلاف کام کرنے لگے، اس کے وسائل و ذرائع معروف کو مٹانے اور منکر کو فروغ دینے میں لگ جائیں، اس کی قوت نیکیوں کی جگہ برائیوں کے پھیلانے میں صرف ہونے لگے، اس کے حکام اور ارباب بست و کشاد فرائض دینی کو خود بھی چھوڑ بیٹھیں اور ان کے چھوڑنے والوں پر گرفت بھی نہ کریں، محرمات شرع کا خود بھی ارتکاب کریں اور ارتکاب کرنے والوں کو کوئی سزا بھی نہ دیں تو اسلامی ریاست کے مسلم عوام کو کیا کرنا چاہیے؟ کیا وہ صبر و سکون کے ساتھ اسے برداشت کرتے رہیں گے یا اس صورت حال کو بدلنے اور اپنے بدکردار حاکموں کی

---

[1] اس مسئلہ پر ہم تفصیل سے اس سے پہلے بحث کر چکے ہیں۔ دیکھیے، زندگی، اپریل ۱۹۶۵ء)
[2] اس مسئلہ پر ہم زندگی، مئی ۱۹۶۶ء کے شمارے میں گفتگو کر چکے ہیں۔
[3] الاحکام السلطانیہ ص۲۴۳

جگہ صحیح رہنماؤں کو لانے کی کوشش کریں گے؟

یہ سوال بہت پیچیدہ ہے اور اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے ایک خاص پہلو سے غور کرنا ہوگا۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر حکومت کی بھی ذمہ داری ہے اور عوام کی بھی جس طرح حکومت کا فرض ہے کہ ریاست کے کسی شہری کا عمل اگر خلاف شرع ہے تو اس سے باز پرس کرے ٹھیک اسی طرح عوام کو بھی سربراہانِ ریاست کے احتساب کا حق ہے۔ اس وجہ سے جہاں تک وعظ ونصیحت کے ذریعہ حکام کی اصلاح کا تعلق ہے اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ یہ کام مختلف ادوار میں ہوتا رہا ہے اور بسا اوقات اس کے بہت اچھے نتائج بھی نکلے ہیں لیکن فرض کیجیے زبانی تنقید اور احتساب کارگر نہ ہوا اور حکومت اپنی غلط روش پر جمی رہے تو کیا قوت کے ذریعہ اس کی اصلاح کا عوام کو حق ہے؟

اس نازک سوال سے امام ابن حزم نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ یہاں ہم ان کی بحث کے ضروری حصے اپنے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:۔

"پوری امت کو اس بات پر اتفاق ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے۔ اس سے کسی بھی شخص کو اختلاف نہیں ہے، البتہ اس کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض قدیم اہل سنت، جن میں صحابہ کی ایک جماعت اور ان کے بعد کے لوگ بھی شامل ہیں یہ رائے رکھتے ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر عمل صرف دل سے اور طاقت ہو تو زبان سے ہوگا۔ اس سے آگے قوت کے ذریعہ اور ہتھیار اٹھا کر اس کام کو کبھی بھی انجام نہیں دیا جائے گا۔ ان کی یہ رائے اس صورت میں ہے جب کہ سربراہِ مملکت عادل نہ ہو لیکن اگر وہ منصف اور عادل ہے اور اس کے مقابلہ میں کسی فاسق و فاجر نے تلوار اٹھائی ہے تو وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ امام عادل کے ساتھ اس سے جنگ کی جائے گی۔

اہل سنت کے ایک دوسرے گروہ کی یہ رائے ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے اس وقت تلوار اٹھانا بالکل واجب ہے، جب کہ دفعِ منکر کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہ رہ جائے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر اہلِ حق ایک جماعت کی شکل میں ہوں اور ان کے لیے دفعِ منکر کا امکان بھی ہو، ساتھ ہی وہ اپنی کامیابی سے مایوس بھی نہ ہوں تو قوت کے ذریعے معروف کا حکم دینا اور منکر سے منع کرنا ان پر فرض ہے لیکن اگر وہ اتنی کم تعداد میں ہوں کہ اپنی قلت اور ضعف کی وجہ سے کامیابی کی توقع نہ کر سکتے ہوں تو ان کو اجازت ہے کہ تغیر بالید کی صورت چھوڑ دیں اور حسبِ حیثیت تغیر باللسان یا تغیر بالقلب پر عمل کریں۔ یہ رائے صحابہ کی ایک بہت بڑی تعداد، عام معتزلہ، تمام خوارج اور فرقہ زیدیہ کی ہے۔

علاوہ کہ یہ لفظ نظر کے قائم رہیں ان [illegible] سے بعض کا کہنا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر [illegible]

بڑا نقصان ہے۔ اس سے محرمات کی اباحت، خوں ریزی، اموال کی لوٹ مار، بے عزتی، انتشار اور بدنظمی پھیلتی ہے۔ اس کا جواب دوسروں نے یہ دیا ہے کہ جو شخص امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض انجام دے اس کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے کہ ناحق کسی کے مال پر قبضہ کرلے، یا جو لوگ لڑنا نہ چاہیں ان سے تعرض کرے، بلکہ اس کو کسی بھی ممنوع فعل کے ارتکاب کی اجازت نہیں ہے۔ اگر وہ اس قسم کی کسی حرکت کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ خود ایک منکر ہے، جس کی تغییر ہونی چاہیے۔ لیکن اس کا اہلِ منکر کو قتل کرنا خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ تو یہ ناجائز نہیں ہے بلکہ یہ اس کا فرض ہے۔ اس کے برعکس اہلِ منکر کا لوگوں کو قتل کرنا، ان کے اموال پر قبضہ کرلینا اور ان کی عورتوں کی پردہ دری کرنا تو یہ منکر ہے اور لوگوں پر اس کی تغییر واجب ہے۔ جن اندیشوں کا ان لوگوں نے ذکر کیا ہے، وہ تغییر منکر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی راہ میں اگر رکاوٹ بن سکتے ہیں تو یہی چیز اہلِ حرب سے جہاد میں بھی مانع ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی مسلمان قائل نہیں ہے۔ فرض کیجیے، جہاد کے نتیجے میں نصاریٰ، مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو قید کرلیں، ان کے اموال لوٹ لیں اور ان کی بے عزتی کریں تو کیا ان سے جنگ نہیں کی جائے گی؟ ظاہر ہے کوئی بھی مسلمان اس کا قائل نہیں ہے، بلا اختلاف سب کے نزدیک ان سے جہاد واجب ہے۔ اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ کفار سے جنگ اور غلط کار حکمرانوں کے خلاف تلوار اٹھانے میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک جہاد اور قرآن وسنت کی طرف دعوت ہے۔

جب کوئی ظلم واقع ہو خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، تو ضروری ہے کہ اس سلسلے میں امام سے گفتگو کی جائے اور اس سے اس کو روکا جائے۔ اگر وہ رک جائے اور حق کی طرف رجوع کرے یا قصاص لینے یا حد جاری کرنے کا معاملہ ہو اور وہ اس کے لیے تیار ہو جائے تو اس کو معزول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جیسے وہ پہلے مسلمانوں کا امام تھا اب بھی ان کا امام رہے گا۔ لیکن اگر وہ ان احکام کے نفاذ کے لیے تیار نہ ہو اور حق کی طرف رجوع نہ کرے تو اس کا معزول کرنا اور اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو لے آنا جو حق کو قائم کرے ضروری ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"۔ شریعت کے واجبات میں سے کسی بھی واجب کو ضائع کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔" [1]

علامہ ابوبکر جصاص بھی امام ابن حزم کے ہم خیال ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"سلف اور خلف کے علماء و فقہاء میں سے کسی نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے وجوب کی مخالفت نہیں کی سوائے حشویہ کے ایک گروہ اور ناواقف اصحاب حدیث کے، ان لوگوں کو باغی گروہ سے جنگ اور ہتھیار کے ذریعہ امر بالمعروف

[1] الفصل فی الملل والاہواء والنحل ج ۴ ص ۱۶۹ تا ۱۷۰

نہی عن المنکر کی صحت سے اختلاف ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے اگر ہتھیار اٹھانا اور باغی گروہ سے لڑنا پڑے تو یہ اس کو فتنہ و فساد کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس سلسلے میں خدا کا یہ قول سن چکے ہیں فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ (تم باغی جماعت سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرلے) آیت کے الفاظ صاف تقاضا کرتے ہیں کہ باغی گروہ سے جنگ کرنا واجب ہے (بعر لعت ان کے سامنے ہے اس کے باوجود) وہ کہتے ہیں کہ حاکم وقت ظلم و جور اور قتل نفس، جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے، جیسے منکرات کا بھی ارتکاب کرے تو اس پر نکیر نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر غیر حاکم سے ان کا ارتکاب ہو تو زبان یا ہاتھ سے نکیر کا حق ہے۔ مگر اس صورت میں بھی ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ امت کے حق میں اس کے مخالفین سے زیادہ برے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے لوگوں کو باغی گروہ سے جنگ اور حاکم کے ظلم و جور پر نکیر کرنے سے روک دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ فاسق و فاجر بلکہ مجوس اور اسلام کے دشمن غالب آگئے ہیں، سرحدیں خراب ہو رہی ہیں، ظلم پھیل رہا ہے، شہر برباد ہو رہے ہیں۔ الحاد، غلو، مذاہب ثنویت اور خرمیہ اور مزدکیہ جیسے فرقے ظاہر ہو چکے ہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑنے اور سلطان جائر پر نکیر نہ کرنے کا۔[1]

امام الحرمین فرماتے ہیں :-

اِذَا جَارَ وَالِیُ الْوَقْتِ وَظَھَرَ	حاکم وقت اگر ظلم کرے اور اس کا ظلم و
ظُلْمُہٗ وَغَشْمُہٗ وَلَمْ یَنْزَجِرْ حِیْنَ	جور نمایاں ہو جائے، اس کے ساتھ زبان سے منع
زُجِرَ عَنْ سُوْءِ صَنِیْعِہٖ بِالْقَوْلِ فَلِاَھْلِ	کرنے کے باوجود وہ اپنے اس برے عمل سے باز
الْحَلِّ وَالْعَقْدِ التَّوَاطُؤُ عَلٰی خَلْعِہٖ	نہ آئے تو اہل حل و عقد کو اس کی معزولی پر اتفاق
وَلَوْ بِشَھْرِ الْاَسْلِحَۃِ وَنَصْبِ	کرنا چاہیے۔ خواہ اس کے لیے تلوار اٹھانا اور
الْحُرُوْبِ[2]	جنگ کرنا ہی کیوں نہ پڑے۔

امام نوویؒ اس خیال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

ھٰذَا الَّذِیْ ذَکَرَہٗ مِنْ خَلْعِہٖ	امام کی معزولی کی یہ بات جو امام الحرمین
غَرِیْبٌ وَمَعَ ھٰذَا فَھُوَ مَحْمُوْلٌ عَلٰی	نے کہی ہے عجیب ہے۔ اس کے باوجود وہ ایسی
مَا اِذَا لَمْ یَخَفْ مِنْہُ اِثَارَۃُ مَفْسَدَۃٍ	صورت حال پر محمول ہوگی جب کہ اس سے کسی

[1] احکام القرآن ج ۲ ص ۴۸　[2] شرح مسلم للنووی ج ۱۲ ص ۲۲۹

(باقی صفحہ پر ملاحظہ)

اللہ

(مولانا محمد یوسف اصلاحی)

اللہ کا وجود ایک ایسی روشن اور کھلی ہوئی حقیقت ہے جو کائنات کے ذرے ذرے سے عیاں ہے۔ غیر محدود کائنات میں انسان کا ننھا سا وجود، اور اس ننھے وجود میں کائنات کو مسخر کرنے کا عزم، دیکھنے، سننے، سوچنے سمجھنے اور غور و فکر سے زبردست نتائج نکالنے کی غیر معمولی صلاحیتیں، یہ حسین و جمیل کائنات، زمین و آسمان میں رزق رسانی اور پرورش کا یہ بے مثال نظام، یہ روشن سورج، یہ چمکتا ہوا چاند، یہ حسین تارے، یہ اتھاہ سمندر، یہ لہلہاتے کھیت، یہ پھلوں سے لدے باغ، یہ دن کی ہماہمی، یہ رات کا سکون، یہ صبح کی شگفتگی، یہ شام کی دلآویزی، ہر چیز پکار پکار کر اللہ کے وجود کی گواہی دے رہی ہے اور ایک ایک چیز اس حقیقت کی واضح نشانی ہے کہ اس کائنات کا ایک بہترین خالق اور بے مثال رب ہے۔

حسین و جمیل کائنات

أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ ۝ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝

(ق: ۶—۸)

کیا ان لوگوں نے کبھی نظر اٹھا کر اپنے اوپر آسمان پر غور نہیں کیا، ہم نے اسے کیسا بنایا ہے اور اس میں کہیں شگاف تک نہیں، اور اسی طرح زمین پر غور کرو۔ ہم نے اس کو فرش کی طرح پھیلا دیا ہے، اور اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے ہیں۔ پھر اس میں قسم قسم کی خوش منظر نباتات اگائیں، بصیرت و ہدایت اور یاد دہانی کا سامان ہے۔ یہ ہر اس بندے کے لیے جو حق کی طرف رجوع ہو۔

یعنی یہ آسمان جس کو خدا نے بغیر کسی ستون کے اتنا اونچا اٹھا رکھا ہے، اور جس کو ان گنت تاروں سے سجا دیا

اور یہ زمین جو انسانوں کی رہائش کے لیے فرش بنا کر بچھا دی گئی ہے اور جس میں خوش منظر لہلہاتے کھیت انسانوں کا رزق لیے اگتے ہیں ۔۔۔ یہ آدمی کی آنکھیں کھولنے اور اسے یہ یاد دلانے کے لیے بالکل کافی ہیں کہ اس کائنات کا ایک بہترین خالق ہے بشرطیکہ کہ سوچنے والا حق کا طالب ہو۔

خوش منظر آسمان

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ ۝ وَ لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ (الملک: ۳-۵)

اس نے سات آسمان تہ بہ تہ بنائے تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی خلل نہ دیکھو گے ایک بار نہیں بار بار دیکھو کیا تمہیں کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے۔ پھر یکے بعد دیگرے دیکھتے رہو تمہاری نظر اٹھے گی اور عاجز و درماندہ لوٹ آئے گی (لیکن کوئی نقص نہ نکال سکے گی) اور ہم نے آسمان دنیا (کرۂ ارضی کی فضا) کو تاروں کی قندیلوں سے خوش منظر بنا دیا ہے۔

یعنی اس کرۂ ارضی کی فضا پر غور کرو جس کی طرف بار بار تمہاری نگاہیں اٹھتی ہیں۔ دیکھو اور بار بار دیکھو لیکن تم اس میں کوئی خلل نہ پاؤ گے، تمہاری نگاہیں تھک تھک کر لوٹ آئیں گی لیکن کوئی کمی نہ پا سکیں گی ۔۔۔ قندیلوں سے سجا ہوا یہ خوش نما منظر دیکھ کر تم بے اختیار پکار اٹھو گے " صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ " یہ خدا ہی کی کاریگری ہے جس نے جو چیز بنائی خوب ہی مضبوط اور درست بنائی۔ وہ خالق ہی نہیں احسن الخالقین ہے، اس نے جو چیز بنائی ہے خوب ہی بنائی ہے۔

بے جان زمین

وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۖۚ اَحْیَیْنٰهَا وَ اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ ۝ وَ جَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّ فَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ ۝ لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَ مَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ (یٰس ۳۳-۳۵)

اور بے جان زمین ان کے لیے ایک نشانی ہے، ہم نے اس کو زندگی بخشی اور اس سے غلے اگائے جسے یہ لوگ کھاتے ہیں۔ ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور اس کے اندر سے چشمے پھوڑ نکالے تاکہ یہ اس کے پھل کھائیں یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھوں کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے پھر بھی کیا شکر گزار نہیں ہوتے

یہ بے جان خشک زمین کو بارش کے ذریعے کس نے زندگی بخشی کہ لہلہاتے کھیت کھیتوں میں غلہ بھرے نمودار ہو گئے۔ یہ پھلوں سے لدے پھندے باغ کس نے اگائے۔ یہ صاف شیریں چشمے کس نے نکالے کہ انسان زندگی کی لذتوں سے سیراب ہو گیا۔ یہ سب کچھ خود ہی ہو گیا۔ کیا یہ سب انسان نے خود پیدا کیا؟ یقیناً ایک محسن اور طاقتور خدا ہے جس کی یہ کاریگری ہے۔ یہ سب کچھ کھلی آنکھوں سے دیکھ کر بھی انسان اس کا شکرگزار نہ ہو تو اس سے بڑی نادانی اور کیا ہوگی؟

روشن سورج اور چمکتا چاند

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ۝ (الفرقان ٦١)

بڑا ہی برکت والا ہے وہ خدا جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور چمکتا ہوا چاند روشن کیا۔

چراغ سے مراد روشن آفتاب ہے اور بروج سے مراد عالمِ بالا کے وہ محفوظ خطے ہیں جن کو نہایت مضبوط سرحدوں نے ایک دوسرے سے علیحدہ کر رکھا ہے، اور ہر خطہ کسی نہ کسی روشن سیارے یا تارے کے ذریعہ سجایا گیا ہے:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝

یٰس ۳۸-۴۰

اور سورج وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے۔ یہ زبردست علم والے کا باندھا ہوا حساب ہے، اور چاند اس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات کے بس میں ہے کہ دن پر سبقت لے جائے سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔

سورج اور چاند ایک اٹل بندھے نظام کے تحت معلوم نہیں کب سے گردش کر رہے ہیں۔ چاند ہلال بن کر طلوع ہوتا ہے۔ دھیرے دھیرے بڑھتا ہے، یہاں تک کہ بدرِ کامل بن جاتا ہے۔ پھر روز بروز گھٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ پھر اپنی ابتدائی شکل پر واپس آ جاتا ہے ـــــ اور معلوم نہیں کب سے وہ پوری باقاعدگی کے ساتھ

ان مقررہ منزلیں پر دوڑ رہا ہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سورج نے چاند کو جا پکڑا ہو اور رات کی تاریکی میں جب چاند چھپ رہا ہو یکایک افق پر سورج نمودار ہو گیا ہو اور نہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ روشن دن کے مقررہ اوقات ختم ہونے سے پہلے یکایک رات اپنی تاریکیاں لیے آموجود ہو۔ اس زبردست نظام کو جو بھی آنکھیں کھول کر دیکھے اور عقل سے کام لے وہ بے اختیار پکار اٹھے گا کہ یقیناً اس منضبط اور حیرت میں ڈال دینے والے نظام کے پیچھے ایک زبردست دانا اور بینا خدا کی ہستی ہے جسے چاہے ماتھے کی آنکھیں نہ دیکھتی ہوں لیکن عقل و بصیرت کی آنکھیں اس کے دیدار سے ہر دم لذت اندوز ہو سکتی ہیں:۔

روشن دن اور تاریک رات

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ (النور ۴۴)

خدا ہی رات اور دن کی الٹ پھیر کر رہا ہے اس میں بڑی عبرت ہے نظر والوں کے لیے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ (یٰس : ۳۷)

اور ایک نشانی ان لوگوں کے لیے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا (الفرقان ۴۷)

اور وہ خدا ہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے لباس اور نیند کو سکون اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنایا۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (الفرقان ۶۲)

اور وہ خدا ہی ہے جس نے شب و روز کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا ہر اس شخص کے لیے جو اس سے کسی نتیجے تک پہنچنا چاہے یا شکر گزار ہونا چاہے۔

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے (تاریک) رات بنائی کہ یہ اس میں آرام و سکون حاصل کریں اور دن کو روشن (کہ دھوپ کریں) بلاشبہ رات دن کے اس آنے جانے میں بڑی نشانیاں ہیں

ایمان لانے والوں کے لیے ۔ (النمل : ۸۶)

ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ پوری آب و تاب کے ساتھ سورج چمک رہا ہے اور زمین کا ذرہ ذرہ روشن ہے لیکن چند ہی گھنٹے گزرے ہیں کہ حکم، سورج زمین کے سامنے سے ہٹا دیا گیا۔ یکا یک زمین کی فضا سے روشن دن کھینچ لیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری فضا پر رات اپنی تاریکیاں لیے مسلط ہوگئی۔ پھر چند مقررہ گھنٹے ہی گذرے تھے کہ سورج اسی آب و تاب کے ساتھ مشرق سے نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری فضا جگمگا اٹھی' پھر یہ عمل پوری باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ لاکھوں برس سے ہو رہا ہے کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ رات کے اوقات میں یکا یک دن نمودار ہو جائے یا دن کے اوقات میں یکا یک تاریک رات چھا جائے ۔

پھر رات اور دن کی یہ آمد و رفت انسان کی زندگی اور پرورش پر بھی بڑا گہرا اثر ڈالتی ہے ۔ دن کی روشنی میں آدمی اپنی معاش اور ضروریات کے حصول میں تن دہی کے ساتھ جٹا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اعضا اور قوتیں جواب دینے لگتی ہیں۔ اس وقت رات سکون و راحت کا گہوارہ بنکر نمودار ہوتی ہے اور آدمی اس کی پردہ پوش فضا میں سکون و راحت سے ہم آغوش ہو جاتا ہے اور دن نکلتے ہی وہ پھر تازہ دم ہو کر میدان عمل میں اتر پڑتا ہے ۔

اگر عقل کی آنکھیں بند نہ ہوں، تو سورج کی رفتار پر یہ زبردست کنٹرول' اور شب و روز کے اوقات میں یہ حیرت انگیز باقاعدگی اور مقصدیت دیکھ کر عقل و بصیرت کا ریشہ ریشہ پکار اٹھے گا کہ ضرور ایک قدیر و مدبر، دانا و بینا خدا ہے جس کا ارادہ ہر لمحہ اس نظام میں کارفرما ہے ـــــ اس خدا کا انکار وہی ہٹ دھرم کر سکتا ہے جو پہلے اپنے وجود کا انکار کر دے

پانی سے لدی ہوئی ہوائیں

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ○ (الحجر : ۲۲)

اور لدی ہوئی ہواؤں کو ہم ہی بھیجتے ہیں پھر (ان کے ذریعے) آسمان (کی طرف) سے پانی برساتے ہیں اور اس پانی سے تمہیں سیراب کرتے ہیں۔ اس دولت کے خازن تم نہیں ہو۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا

خدا ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے' اور وہ ہوائیں بادل اٹھاتی ہیں۔ پھر خدا ان بادلوں کو آسمان میں جس طرح چاہتا ہے پھیلاتا ہے اور انہیں ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکے چلے آتے

هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (الروم ۴۸)

ہیں ــــ پھر یہ بارش جب وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے برساتا ہے تو وہ خوش و خرم ہو جاتے ہیں ۔

یہ پانی کے خزانے سے لدی ہوئی ہوائیں کون چلاتا ہے ؟ ان ہواؤں سے پانی کون برساتا ہے، پھر جن کو چاہتا ہے سیراب کرتا ہے اور جن کو چاہتا ہے محروم رکھتا ہے، کیا انسان نے پانی کے یہ خزانے ہوا کے دوش پر جمع کر رکھے ہیں ؟ اگر ایسا ہے تو پھر ان پر انسان کا بس کیوں نہیں چلتا۔ کہیں خشک سالی اور کہیں سیلاب کیوں ہے۔ بلاشبہ یہ اسی کی ہستی ہے جس کے اشارے پر یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

دھوپ کی تپش محسوس کرنے کے باوجود سورج کے طلوع کا انکار وہی کر سکتا ہے جس کی عقل ماری گئی ہو۔

زمین کی پیداوار

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (الرعد)

اور زمین میں (الگ الگ طرح) کے قطعات ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے، انگور کے باغ ہیں کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں، جن میں سے کچھ شاخوں والے ہیں اور کچھ ایک ہی تنے والے، سیراب سب کو ایک ہی پانی کرتا ہے، مگر مزے میں ہم نے کسی کو کسی سے زیادہ بہتر بنا دیا ہے، ان میں بھی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں

ایک ہی زمین میں الگ الگ قطعے ہیں، بالکل ملے جلے واقع ہیں لیکن ان کی شکلوں، رنگوں اور خصوصیات میں زبردست فرق ہے ــــ ایک ہی پانی سب کو سیراب کر رہا ہے لیکن ہر قطعے کے پھلوں اور غلوں کا رنگ، روپ، جسامت، بناوٹ اور ذائقہ بالکل جدا ہے۔ ایک ہی جڑ زمین سے دو تنے نکل رہے ہیں لیکن دونوں کی خصوصیتیں بالکل مختلف، عقل سے کام لینے والا ان نشانیوں پر غور کرے گا تو وہ پائے گا کہ ایک زبردست قدرت اور حکمت والا خدا ہے جس کا مؤثر ارادہ ان تمام رنگا رنگ صناعیوں میں کام کر رہا ہے۔

آخرت کے حریف عقائد

قسط (۶)

جناب سلطان مبین صاحب، ایم اے

بہشت کی ویدک شہادت

رگ وید: ۹ : ۱۱۴ : ۷ - ۱۱ (۷) جہاں ہمیشہ روشنی رہتی جس دُنیا میں "سورگ" واقع ہے - اس غیر فانی عالم جاوداں میں مجھ کو جگہ دے - اے سوم! اندر کے لیے تیز تر بہہ - (۸) جہاں یم راج رہتے ہیں - جہاں آسمان کی وسعت ختم ہو جاتی ہے - جہاں بڑی بڑی ندیاں ہیں - وہاں مجھ کو لافانی بنا دے - سوم! اندر کے لیے بہہ - (۹) جہاں آسمان پر بہشت سوم اور فردوس ثالث میں حسب مرضی ٹہلنا ہوتا ہے - جہاں کے عالم پرنور ہیں - وہاں مجھ کو لافانی بنا دے - (۱۰) جہاں خواہشوں کی تکمیل ہو جاتی ہے - جہاں نامرادیوں پر قید و بند ہے - جہاں "سودھا" نذر آسودگی ہے وہاں مجھ کو لافانی بنا دے - (۱۱) جہاں مسرت کلی، فرحت، تفریح و تفرج موجود ہیں - جہاں تمناؤں کی تمنا پوری ہو جاتی ہے وہاں مجھ کو لافانی بنا دے - رگ وید: ۹ : ۱۱۴ : ۷ - ۱۱ دیگر

میں سطح زمین سے فضا میں چڑھ گیا اور فضا سے بہشت کو چڑھ گیا - اور بہشت بریں سے "سورگ جیوتی"، عالم انوار کو چلا گیا - اتھروید: ۴ : ۱۴ : ۳ دیگر - ایسا لافانی تو نہ مرے گا، نہ مرے گا - ڈرمت - وہاں نہ تو لوگ مرتے ہیں، نہ وہاں سے تاریک پستی میں گرتے ہیں - اتھروید: ۸ : ۲ : ۲۴ دیگر (۱۲) جنت میں کوئی خطرہ نہیں ہے نہ وہاں تم (موت) ہو - نہ ضعیفی کا ڈر ہے - آدمی بھوک و پیاس سے بے نیاز ہو کر (جنت) سورگ لوک میں لطف اندوز ہوتا ہے - (۱۳) اے یم راج! آپ جنت کے باعث (دلانے والی) آتش عرفان (اگنی) کو جانتے ہیں - مجھ اطاعت کیش و وفا شعار کو وہ (آتش عرفان) بتا دیجیے - لوگ سورگ لوک میں غیر فانی (امرت) ہو جاتے ہیں - یہ میری دوسری درخواست ہے - (۲۵) اے صاحب ثنا وید! آپ کیشی! عالم انسانیت کو تمنا

یں نایاب ہیں۔ان سب تمناؤں کو حسب مرضی مانگ لو۔ رتھ ساز و طرب کے ساتھ یہ نازنین ہیں۔ایسی حسیناؤں کو انسان نہیں پا سکتے ہیں۔ان دلبروں کے ساتھ زندگی گزارو۔مگر موت کی حقیقت کو نہ پوچھو۔ کٹھ اپنی شد ۱:۱: ۲۲
۲۵؛۱۳ دیگر

سورگ لوک کا خواہشمند ہزار منتر پڑھے (کیونکہ) یہاں سے سورگ لوک گھوڑے کی سواری سے ہزار دن کی مسافت پر ہے۔ سورگ لوک کے حصول کے لیے (ہزار منتر پڑھے جاتے ہیں) فراغت و تقرب (معیت) کے لیے بے حد و بے حساب پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ پرجاپتی بے حد و بے حساب ہیں۔ ایتریہ برہمن ۲:۲:۱۷ دیگر جو اس بات کو جانتا ہے وہ پر (بازو) والی، نور والی، چمک والی گایتری کے وسیلے سے سورگ لوک جاتا ہے۔ ایتریہ برہمن ۴:۴:۲۳ دیگر یہ سوکت (باب) رگ وید ۳۰:۸۴) بہشت بخش ہے۔اسی سوکت کے ذریعہ دیوتاؤں نے سورگ لوک کو فتح کر لیا۔اسی سوکت کے ذریعہ رشیوں نے (سورگ لوک کو فتح کر لیا) اسی طرح ندر کے مالک (یجمان) بھی اس سوکت سے سورگ لوک کو فتح کرتے ہیں۔ ۶:۴:۲۰ دیگر اگنی ہی پانچ طاقت الا وشوا نر پروہت ہے۔ وہ پروہت ان (پانچ طاقتوں) سے راجہ کو گھیرے میں لیکر حفاظت کرتا ہے۔ جس طرح سمندر زمین کی (گھیر کر حفاظت کرتا ہے) جس راجہ کے پاس ایسا عالم برہمن حکومت کا محافظ پروہت (کاہن) ہوتا ہے۔اس راجہ کی حکومت محفوظ رہتی ہے۔عمر (طبعی) سے پہلے وہ نہیں مرتا۔بڑھاپے تک زندہ رہتا ہے۔پوری عمر (سو سال) تک زندہ رہتا ہے اور نہ دوبارہ مرتا ہے۔ (مر کر امر ہو جاتا ہے) ایتریہ برہمن ۸:۵:۵:۸

جہنم کی ویدک شہادت جو برہمن پر تھوکتا ہے یا ناک چھنکتا ہے وہ خون کی نہر میں پڑا ہوا بال و پشم کھاتا رہتا ہے۔ اتھروید: ۵:۱۹:۳ دیگر جو من کو ناپاک کرتا ہے جو دوست کو نقصان پہنچاتا ہے جو ناطاقت بڑے کی توہین کرتا ہے اس کو "اسفل" میں گرنے والا بتلاتے ہیں۔ اتھروید ۱۲۰:۲:۱۰ دیگر وہ دنیائیں بغیر سورج کی ہیں ہر طرف سے تاریکی سے محیط ہیں۔ان دنیاؤں میں وہ جاتے ہیں جو خودکش ہوتے ہیں۔ یجروید: ۴۰:۳

فی الجملہ ویدک شہادت کی بنا پر یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ گنہگاروں کی دنیا تاریکی سے محیط جہاں ظلمات فوق ظلمات ہوتی ہے۔

جنت کی پورانک تفصیلات جنت سرچشمہ حیات جہنم عذاب ابدی۔ ... شہزادہ ...

دنیا میں وہاں جیسا معاملہ ہے ویسا یہاں نہیں ہے۔ جو نیکی کرتا ہے اور جو بدی کرتا ہے مرنے پر ان دونوں میں خاص فرق ہو جاتا ہے۔ (۲۶) نیکی کی دنیا شہد سے بھری ہوئی ہے، روغن ریز ہے۔ سنہری روشنی سے معمور ہے اور بقا کی منزل ہے۔ وہاں برہم چاری (غدا کی طرح زندگی گزارنے والا) مر کر عیش کرتا ہے۔ وہاں پیری اور تکلیف نہیں۔ (۲۷) بدی کی دنیا تاریک جہنم ہے وہاں "ابدی رنج" و عذاب عظیم ہے۔ گنہگار اپنے تئیں بچھتاتا ہے اور مدت مدید تک جلتا ہوا پڑا رہتا ہے۔ مہابھارت: شانتی: ۷۳: ۲۵ — ۲۷

شہید کے لیے حوریں: (۴۴) جنگ میں مرے ہوئے سورما کا سوگ نہیں کرنا چاہیے۔ (۴۵) کیونکہ مقتول سورما ماتم کے لائق نہیں ہے۔ وہ سورگ لوک میں بزرگی پاتا ہے۔ کشتۂ جنگ کے لیے، پنڈا پانی، غسل و نجاست کے احکام پر عمل نہیں کیا جاتا۔ (۴۶) مقتول جنگ کے استقبال کے لیے ہزار دل حسین اپسرائیں (پریاں) دوڑتی ہیں اور اس کی آرزو کرتی ہیں کہ یہ میرا شوہر ہو۔ مہابھارت: شانتی: ۹۸: ۴۴ - ۴۷۔ ازواج غیر مطہرہ فی الجنۃ۔ ارونیشی (نام پری) نے (ارجن سے) کہا۔ (۴۲) اندر کے صاحبزادے (ارجن)! ہم سب (اپسرائیں حورِ جنت) ننگی[1] (فاحشہ) ہیں۔ بہادر! تم کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ مجھ کو بزرگ قرار دو۔ (۴۳) یہاں جنت کو آئے ہوئے (پورو) کور پانڈو کے مورث اعلیٰ) خاندان کے لڑکے اور نواسے (تمہارے آبا و اجداد) کی وجہ سے ہم سے مباشرت کرتے ہیں اور اس میں وہ ہرج نہیں سمجھتے ہیں۔ مہابھارت: بن: ۴۶: ۴۲، ۴۳ دیگر۔

(۸) پہاڑوں کا راجہ سونے کا بنا ہوا "میرو" پہاڑ ۳۳ ہزار یوجن لمبا چوڑا ہے۔ مدگل! یہیں دیوتاؤں کے باغات ہیں۔ (۹) پاکیزہ نندن بن وغیرہ نیکوکاروں کی تفریح گاہیں ہیں۔ وہاں نہ بھوک پیاس ہے نہ تکان ہے نہ سردی گرمی اور خطرہ ہے۔ (۱۰) وہاں کوئی گندی اور منحوس چیز موجود نہیں۔ ہر اعتبار سے سکون بخش اور معطر اچھی ہوائیں چلتی ہیں۔ (۱۱) منی! (وہاں) نغمے لذت گوش اور ہر طرح سے دل پسند ہیں۔ (وہاں) نہ غم ہے نہ بڑھاپا ہے نہ مشقت اور رنج ہے۔ (۱۲) منی! یہ عالم اپنے اعمال کے نتیجے میں ملتا ہے۔ اپنی کی ہوئی نیکیوں کے سبب سے آدمی یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ (۱۳) موگلیہ! (یہاں) پیدا ہونے والے کے نورانی جسم اعمال کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں۔ والدین کے سبب سے نہیں پیدا ہوتے۔ (۱۴) انہیں پسینہ، بدبو، پیشاب پاخانہ نہیں ہوتا منی! ان کے کپڑے گرد میلے نہیں ہوتے۔ (۱۵) ان کے ملکوتی، خوشبو والے، دلکش گجرے کبھی مرجھاتے نہیں۔ برہمن! وہ اسی طرح کے

---

[1] جب برہمنوں نے اپنے خداوند کو بلا جھجک۔ زانی اور مغلوب الشہوت قرار دیا ہے تو پھر بھلا جنت کی پاکیزہ حوریں کس طرح ان کی کیچڑ سے بچ سکتی تھیں۔ قرآن مجید میں ازواج مطہرۃ، لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان، لؤلؤ مکنون وغیرہ نصوص ان برہمنی خیالات کے ابطال کے لیے ہیں

ہوائی جہاز (بمان) بھی جیتے ہیں۔ (۱۶) حسد و حزن اور تکان ان کے قریب نہیں آتے۔ حرص و بغض سے خالی ہوتے ہیں۔ مہاتمی! جنت کے مکین آرام سے زندگی گذارتے ہیں۔ (۱۷) مینوں کے گاؤں! اس طرح کی دنیاؤں کے اوپر برتفضیلت ملکوتی عالم ہیں۔ (۱۸) برہمن! ان کے آگے مبارک نورانی عالم ہیں۔ جہاں مبارک نفوس رشی اپنے مبارک اعمال کے سبب جاتے ہیں۔ مہابھارت: بن: ۲۶۱: ۸-۱۸ دیگر (۴۶) شری دیوی جی کی) بندگی کرنے والے سب ہی جاتے ہیں۔ جہاں خوشی بخشنے والی دیوی رہتی ہیں۔ جہاں گھی کی نہر دودھ کی نہر اور شہد کے چشمے ہیں۔ (۴۷) وہاں کی دوسری سب ندیوں میں آب حیات (امرت) بہتا ہے۔ کچھ ندیاں انگور کا شربت بہاتی ہیں اور دوسری جامن کا رس بہاتی ہیں۔ (۴۸) ہزاروں ندیوں میں آم اور گنے کا رس بہتا ہے۔ درخت پسندیدہ پھل والے ہیں اور اسی طرح سے کنوئیں اور باولیاں ہیں۔ (۴۹) وے حسب ارادہ پھل اور مشروب دینے والے ہیں وہاں کوئی کم و کاست نہیں ہے نہ وہاں کبھی مرض، ضعف اور پیری آتی ہے۔ (۵۰) وہاں نہ غم ہے نہ حسد ہے نہ حرص و غصہ ہے۔ وہاں سبھی نوجوان اور بیویوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور ہزار آفتاب کی مانند چمکتے ہیں۔ دیوی بھاگوت: ۱۲: ۱۲: ۴۶-۵۰

کہیں کہیں جنت کے ضمن میں یہ تذکرہ بھی آتا ہے کہ "بندہ خدا کا مقرب، ہم شکل، ہم ذات و ہم صفات ہو جاتا ہے" یہ بحث مستقلاً آگے آرہی ہے یہاں اب جہنم کی تفصیلات دی جارہی ہیں۔

جہنم کی پورانک تفصیل

(۱) کسی دن بھینسے پر بیٹھے ہوئے راجہ یم راج نے ہزاروں نالہ و شیون سے پر دوزخوں کو دیکھا۔ (وہ چوراسی لاکھ دوزخوں کے خداوند ہیں۔ ان دوزخوں میں اکیس بڑے ڈراونے ہیں۔ (۲۱) تامِتر (تاریکی) - ۲ لوہ سنکو (لوہے کی سلام) ۳ مرخ نیزہ) ۴۔ مہابھرو (خوفناک تر) ۴ شالملی ۵۔ رورو۔ ۶۔ کنڈلی۔ ۷۔ پیربتی' ۸۔ مرتیو' ۹۔ کال سوتر (کال کا دھاگہ) (۲۲)۔ ۱۰۔ سنگھات (چوٹ) ۱۱۔ لوہ تاڈ (ضرب سرخ) ۱۲۔ سبش۔ بازہر) ۱۳۔ سم پرپاتن (سزا) ۱۴۔ مہاٹک (کبیر) ۱۵۔ کرام۔ ۱۶۔ سم جیون۔ ۱۷۔ مہاپتھ (بڑا راستہ) (۲۳) ۱۸۔ اودھی چی۔ ۱۹۔ اندھ تامسر اندھی تاریکی۔ ۲۰)۔ کمبھی پاک (ہانڈی ابال) ۲۱۔ اسی پتر بن (دشت خنجر برگ) اور تپن (اشتعالگی) اکیس۔ گرڈ پران: پریت کلپ: ۵: ۱۹: ۲۳ دیگر

(۱۴) پھر میں یم راج کی دنیا کی حالت کو بیان کروں گا۔ (۱۵) جنوب اور گوشہ جنوب مغرب کے درمیان یم راج کا شہر ہے وہ شہر فولاد کا بنا ہے۔ وہ دیوتاؤں کے لیے بھی ناقابل تسخیر ہے۔ ۱۶۔ وہ چوکور اور چار پھاٹکوں والا ہے اور سات فصیلوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس شہر کے بیچ یم راج اپنے ہرکاروں کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں۔ ۱۷۔ وہ شہر ہزار

کوس وسیع و عریض ہے وہ سب کا سب لعل و گہر سے بنا ہوا ہے۔ اس میں سے بجلی کی طرح سے کرنیں پھوٹتی ہیں۔ (۱۸) یم راج کا محل لمبا چوڑا اور طلائی ہے اور پیمائش میں دو کوس اونچا ہے۔ (۱۹) ہیروں کے ہزار ستون پر وہ بنا ہوا ہے۔ اس کے روشن دان اور دریچے موتیوں کی سلاخوں سے بنے ہوئے ہیں۔ محل پر جھنڈے جھنڈیاں لہرایا کرتی ہیں۔ (۲۰) دیواروں پر مصوروں کے بنائے ہوئے نقوش ہیں اور جا بجا کپڑے کے پردے لٹکتے ہیں۔ سونے کے دستہ کے مورچھل جھلے جاتے ہیں (۲۱) سیکڑوں گھنٹوں کی آوازیں گونجتی ہیں اور محل پر سیکڑوں سائبان ہیں۔ فرش سونے کا ہے جو لعل و گہر سے جڑا ہوا ہے۔ (۲۲) وہاں بھگوان یم راج خوبصورت تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ تخت چالیس کوس لمبا چوڑا ہے اور بادل کی طرح نیلگوں ہے۔ (۲۳) یم راج انصاف والے، انصاف پرست، منصف مزاج اور خیر خواہ ہیں۔ گنہگاروں کے لیے وہ خوفناک ہیں اور نیکوکاروں کے لیے سکون بخش ہیں۔

(۲۴) شہر کے بیچ راستے میں "چترگپت" خازن اعمال کا محل ہے۔ جو سو کوس لمبا چوڑا ہے۔ (۲۵) یہ محل خوبصورت ہے اور آہنی دیواروں سے محیط ہے۔ اس کی گذرگاہیں سیکڑوں جھنڈیوں سے سجی ہوئی ہیں۔ (۲۶) محل سیکڑوں چراغوں سے چراغاں ہوتا ہے اور گانے کی آواز سے گونجتا رہتا ہے منقش برجیوں سے محل عجیب و غریب معلوم پڑتا ہے۔ یہی چترگپت کی جائے رہائش ہے۔ (۲۷) یہ محل آسمان میں چمکتا ہوا دکھائی پڑتا ہے۔ چترگپت آدمیوں کے اعمال پر ٹھیک ٹھیک غور کرتے ہیں۔ (۲۸) اور کسی بھی حال میں نیکیوں اور بدیوں کو نہیں بھولتے جس نے جس طرح نیکی اور بدی کیا ہے اس کو صحیح صحیح جانتے ہیں۔ (۲۹) چترگپت کے محل کے پورب بخار کا بڑا مکان ہے اور دکھن طرف درد اور پھوڑوں کا گھر ہے۔ (۳۰) پچھم طرف "دام اجل" بدہضمی اور قبض کا گھر ہے۔ اتر طرف "تاف" اور ہیضے کا گھر ہے۔ (۳۱) شمال مشرق میں درد سر اور جنوب مشرق میں بیہوشی کا گھر ہے۔ جنوب مغرب میں بچیش اور شمال مغرب میں ہوش کے مکانات ہیں۔ (۳۲) اس طرح امراض کی جماعت کے ساتھ چترگپت رہتے ہیں۔ جو کوئی جو کچھ کرتا ہے اس سب کام کو سدا لکھتے ہیں (۳۳) گرداگرد دھرم راج کے محل کے دکھن طرف مذموم گنہگار سزا کاٹتے ہوئے پڑے رہتے ہیں۔ (۳۴) یم راج کے ہرکارے بڑی خوفناک موگریوں سے بداعمالیوں کی وجہ سے ان کو پیٹتے ہیں وہ طرح طرح سے روتے دھوتے ہیں۔ (۳۵) گنہگار طرح طرح کے حربہ و ہتھیار سے کاٹے جاتے ہیں اور لکڑی کی طرح دو حصوں میں چیرے جاتے ہیں۔ (۳۶) کچھ گنہگار دہکتے ہوئے انگاروں سے ہمیشہ جلائے جاتے ہیں۔ پہلے کی گئی بدکاری کی وجہ سے لوہے کے ٹکڑے کی طرح پھونکے اور جلائے جاتے ہیں۔ (۳۷) کچھ گنہگار زمین پر لٹا کر کلہاڑے کاٹے جاتے ہیں اور وہ [illegible] بداعمالیوں کی وجہ سے روتے چلاتے دکھائی پڑتے ہیں۔ (۳۸) یم کے سپاہی [illegible]

جھونک دیتی ہیں ڈال ڈال کر سزا دیتے ہیں۔ (۳۹) دوسرے کروڑوں گنہگار روزانہ بھوک سے بے تاب ہو کر کھانا مانگتے رہتے ہیں۔ یم لوک کی سزا کو دیکھ کر اور یم راج کی ڈانٹ ڈپٹ کو سن کر گنہگار خوف زدہ رہتے ہیں۔ گرڈ

پران: ۲۱:۱۴: ۲۹-۱۴: ۱۴-۳۹

دیگر دیوی بھاگوت: ۸: ۲۱:۲۱-۸ (۲۱) دوزخوں کی تعداد اکیس[۲۱] بیان کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ان کو اٹھائیس (بیان کرتے ہیں) ان کو میں بالترتیب بتاتا ہوں۔ (۲۲) ۱۔ تامیسر (تاریک) ۲۔ اندھتامسر (تیرہ و تاریک) تیرے و ڈرڈ (ہرن والے۔ بعدہ ۴۔ کمبھی پاک (ہانڈی ابال)۔ (۲۳) ۵۔ کال سوتر (موت کی رسی) ۶۔ خنجر برگ کا جنگل۔ ۷۔ دہن خوک۔ ۸۔ اندھا کنوں۔ ۹۔ کری بھوجن (کرم خوردہ) (۲۴) ۱۰۔ سنڈسی۔ ۱۱۔ بت تپیدہ۔ ۱۲۔ درخت پرخار اور ۱۴۔ موسوم بہ بے ترنی (ڈبونے والی) اے دیورشی! (۲۵) ۱۲۔ پیپ کا پانی۔ ۱۶۔ حبس دم ۱۷۔ غضب ۱۸۔ لعاب خورندہ۔ ۱۹۔ سگ گیر۔ (۲۶) ۲۰۔ موج (نشیب) ۲۱۔ آہن نوش: نمک[۲۲] زرد ۲۳۔ انبوہ[۲۴] دیواں بعدہ نیزہ زن[۲۵] (۲۷) ۲۶۔ مار[۲۷]۔ خار گیر[۲۸]۔ دور دور شور (گردش در گردش)۔ سوزان[۲۸] دہن یہ اٹھائیس دوزخ کہے گئے ہیں۔ (۲۸) یہ دوزخ سزا کی بڑی جگہیں ہیں۔ پیدا ہونے والوں کے ایسے اعمال کی وجہ سے یہاں پڑنا پڑتا ہے۔ اے ابن برہما۔ دیوی بھاگوت: ۸: ۲۱: ۲۱-۸ ۲۸ مسلسل۔

دیوی بھاگوت: ۸: ۲۲: ۱-۲ ۵ نارد نے کہا (۱) راہب ازلی! اعمال کی کون کون سی قسمیں ہیں۔ عذاب کی ان دنیاؤں کو تفصیل سے سننا چاہتا ہوں۔ شری نارائن نے فرمایا۔ (۲) جو بد طینت دوسروں کی دولت، بیوی اور بچوں کو چراتا ہے۔ اس کو یم راج کے سپاہی پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ (۳) یم راج کے ڈراؤنے سپاہی اس کو دام موت سے باندھ کر سزا کی جگہ "دوزخ تامسر" (تاریک) میں ڈال دیتے ہیں۔ (۴) کندر کھنے والے یم راج کے سپاہی اس کو ڈانٹتے اور مارتے پیٹتے ہیں۔ اور وہ بد طینت بے ہوش ہو جاتا ہے۔ (۵) ابن برہما! نارد! بے بس دوزخ غش کھا کر گر پڑتا ہے۔ جو شوہر کو فریب دے کر اس کی بیوی سے استمتاع کرتا ہے۔ (۶) اس کو یم راج کے سپاہی "دوزخ تیرہ و تاریک (اندھ تامسر) میں ڈالتے ہیں۔ جہاں گر کر انسان صدمے کرا ہنے لگتا ہے۔ (۷) انسان نور اندھا [illegible] اس ہو جاتا ہے اور جیسے کٹے درخت کی طرح پڑا رہتا ہے (۸) اسی لیے قدما نے اس دوزخ کو اندھ تامسر کہا ہے۔ یہ میں ہوں اور یہ میرا ہے یہ سمجھتا ہوا جو شخص مخلوق سے حسد کرتا تھا۔ (۹) فریب کار [illegible] اپنے خاندان کی پرورش کرتا ہے وہ مرنے کے بعد اپنے برے اعمال سے یہاں آتا ہے۔ (۱۰) [illegible] کو [illegible] کیا جاتا ہے [illegible] دوزخ میں [illegible] جاتے ہیں [illegible] ان [illegible] کہلاتے ہیں۔

(۱۱) دے برن (رُدرُد) بن کر وہاں اس شخص کو تکلیف پہنچائیں گے ۔ اسی سبب سے اساطیر دان رشیوں نے اس دوزخ کو "رورو" برن وار" کہا ہے ۔ (۱۲) قدماء نے "رورو" کو سانپ سے زیادہ خطرناک جانور بتلایا ہے ۔ اسی دیئے دوزخ کو رورو کہا گیا ہے ۔ (۱۳) جہاں انسان سزا پانے کے لیے دوسرے جسم میں پیدا ہوتا ہے ۔ گوشت خور "رُورُو" اس کو گوشت کے لیے مارتے ہیں ۔ (۱۴) جو سخت سنگ دل و بے وقوف انسان پرندوں اور چرندوں کو پکاتا ہے ۔ یم راج کے سپاہی اس کو پکاتے ہیں ۔ (۱۵) "ہانڈی ابال" کمبھی پاک" دوزخ میں کھولتے ہوئے تیل میں جتنے جانور کے بال ہیں اتنے ہزار سال (پکاتے ہیں) (۱۶) والدین و برہمن سے حسد کرنے والا آگ کی قینچی سے جلایا جاتا ہوا دوزخ "دام مرگ" میں (داخل کیا جاتا ہے) (۱۷) یہاں داخل شدہ دوزخی سے بھوک پیاس سے ۔ اندر باہر جلتا ہوا بجھتا ہے، لیٹتا ہے، کروٹ بدلتا ہے، ٹھہرتا ہے اور دوڑتا ہے ۔ (۱۸) ویدیشی! حالت اس میں جو اپنے وید کے طریقے کو چھوڑ کر جعل کرتا ہے ۔ اس گنہگار شخص کو (۱۹) دوزخ کے سپاہی "دست خنجر برگ" "اسی پتر بن" میں داخل کرتے ہیں اور کوڑوں سے مارتے ہیں ۔ (۲۰) یہاں دوزخی تلوے اٹھا کر ادھر ادھر تیزی سے دوڑتا ہے ۔ دونوں طرف دھار والے پتوں سے کٹتا ہے ۔ (۲۱) سارے جسم میں زخم کھا کر ہائے میں مرا، کہہ کر غش کھا کر گر پڑتا ہے ۔ درد سے کراہتا ہوا قدم قدم پر گرتا ہے ۔

(صفحہ ۳۸ کا بقیہ) (صفحہ ۳۸ کا بقیہ)

اعظم منہ[۱] بڑے فتنے کے ابھرنے کا اندیشہ نہ ہو ۔

امام الحرمین نے اپنے اس اظہار تعجب کی کوئی دلیل نہیں دی ہے حالانکہ امام الحرمین اپنی اس رائے میں منفرد نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے، امام ابن حزم اور علامہ ابوبکر جصاص جیسے محققین ان کے ساتھ ہیں ۔ باقی رہی یہ بات کہ عزل امام کا اقدام اس وقت کیا جائے گا جب کہ کسی بڑے فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کی معقولیت سے کون انکار کرسکتا ہے؟

---

[۱] شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۱۲۵

رسائل و مسائل

سنِ ہجری سے ماقبل کے واقعات کی تاریخی تعین

سوال -

اسلامی تاریخ کا تعین چونکہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اتفاق رائے سے سنِ ہجری مقرر ہوا - اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کے واقعات کا تعین کس طرح کیا جائے گا اور بعض واقعات کے بارے میں دن اور تاریخ جو بیان کی جاتی ہے وہ کس طرح صحیح تسلیم کی جائے گی - مثلاً کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوم عاشورا میں فرعون سے نجات ملی تھی یعنی ۱۰ محرم کو - جب تاریخ کا تعین ہی حضرت عمر کے زمانے میں ہوا تو پھر کس بنیاد پر یہ معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ۱۰ محرم کو ہوا تھا -

جواب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سن ہجری کے تعین کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سے پہلے عرب میں کوئی سن اور تاریخ رائج نہ تھی - عرب میں اسلام سے پہلے بھی متعدد شمسی و قمری سن رائج تھے - سنِ عیسوی بھی دنیا کے ایک بڑے حصے میں بہت پہلے ہی سے رائج تھا - سوال یہ تھا کہ اسلامی تقویم کے لیے مسلمان انہیں سنین میں سے کوئی سن اپنے لیے منتخب کر لیں یا اپنا الگ سن رائج کریں اور اگر رائج کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا بعثت سے رائج کریں یا وفات یا ہجرت سے - اتفاق اس پر ہوا کہ ہجرت نبوی سے سن رائج کیا جائے - مہینے وہی رہے جو پہلے سے عرب میں رائج تھے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی -

سن ہجری کے پہلے کے واقعات کو سن ہجری سے بیان نہیں کیا جا سکتا بلکہ دوسرے سنین یا دوسرے بڑے واقعات سے تعین کی جاتی ہے - مثال کے طور اگر ہم یہ جاننا چاہیں کہ معراج کس سن میں ہوئی تھی تو

سن ہجری سے بیان نہیں کیا جائے گا بلکہ حضورؐ کی بعثت و نبوت سے اس کو ظاہر کیا جائے گا یا قبل ہجرت کہہ کر بیان کیا جائے گا۔ مثلاً ہم کہیں گے کہ ہجرت سے دو سال پہلے معراج ہوئی یا نبوت ملنے کے گیارہ سال بعد یہ واقعہ پیش آیا ۔۔۔۔ ابرہہ نے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ کعبہ پر جو حملہ کرنا چاہا تھا اس کے لیے عام الفیل کی اصطلاح بن گئی تھی اور بہت سے واقعات عام الفیل سے بیان کیے جاتے تھے۔ چنانچہ اصحاب السیر حضورؐ کی ولادت کو بھی عام الفیل کے حساب سے بیان کرتے ہیں۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ عیسائی مورخین حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے واقعات کو قبل مسیح کہہ کر بیان کرتے ہیں۔

جو واقعات بہت قدیم ہیں ان کے لیے کوئی سن بیان نہیں کیا جاتا۔ ۱۰ محرم کے جو غیر معمولی واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا فرعون سے نجات پانا تو اس کے لیے کوئی سن متعین نہیں کیا جاتا۔ تاریخ اس لیے بیان کی جاتی ہے کہ مہینے اور ان کے ایام پہلے سے رائج اور معلوم تھے۔ محرم پہلے بھی آتا تھا اور یکم سے لے کر ۲۹ یا ۳۰ تک کی تاریخیں معلوم تھیں۔ باقی رہی یہ بات کہ صحیح طور پر یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کو نجات ۱۰ محرم کو ملی تھی تو اس کے دو ذرائع ہیں۔ ایک یہ کہ عرب کے یہودیوں میں نسلاً بعد نسل یہ بات مشہور چلی آ رہی تھی اور اس دن وہ روزے بھی رکھتے تھے۔ دوسرا اس سے بڑا اور یقینی ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہے۔ صحیح احادیث سے یہ بات معلوم ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ یہودی یوم عاشورا کا روزہ اس لیے رکھتے ہیں کہ اس دن اللہ نے ان کو فرعون سے نجات بخشی تھی اور حضرت موسیٰ نے اس دن اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا تھا تو حضورؐ نے اس کی تصدیق فرمائی اور مسلمانوں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

باغ کے پھلوں کی خرید و فروخت

سوال

یہاں ۹۰ فی صد باغ پھول کی آمد ہی پر اور ۱۰۰ فی صد دو دو تین تین سال کے لیے قبل از وقت ہی فروخت ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ لوگ کسی باغ کی خرید و فروخت میں کس طرح حصہ لیں جن کا عقیدہ ہے کہ باغ کی بیع و شرا اس وقت ہونی چاہیے جب پھل قابل انتفاع ہو جائیں۔ آخر ان کا معاشی مسئلہ کس طرح حل ہو

جواب

"آخر ان کا معاشی مسئلہ کس طرح حل ہو؟" اس جملے کے پیچھے جو ذہن کام کر رہا ہے اس کو اپنے سوچنے کے ڈھنگ پر غور کرنا چاہیے اور اس کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ سائل کو معلوم ہونا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت دو دو تین تین سال کے لیے کسی باغ کی بیع و فروخت کو ناجائز قرار دیا تھا، اس وقت مدینہ منورہ میں زراعت برائے نام ہوتی تھی اور ان کی اقتصادیات کا انحصار کھجوروں کے باغوں ہی پر تھا اور اس طرح کی بیع و شراء بھی تھی لیکن جب آپ نے اسے ناجائز قرار دیا تو کسی ایک مسلمان نے بھی یہ عذر پیش نہیں کیا کہ آخر ہمارا معاشی مسئلہ کیسے حل ہوگا۔ آج سودی کاروبار وبا کی طرح پھیلا ہوا ہے اور اس سے منع کیجیے تو وہ لوگ بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر ہم اس کو چھوڑ دیں تو ہمارا معاشی معاملہ کیسے حل ہو۔ اگر یہ عذر تسلیم کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ شرعی احکام اصل نہیں ہیں بلکہ معاشی مسئلے کا حل اصل چیز ہے۔ جن معاملات سے بھی معاشی مسئلہ حل ہوتا ہو ان کو جائز ہونا چاہیے اور شریعت کو ہاتھ باندھ کر اس کی پیروی کرنی چاہیے۔ مخلص مسلمان کو اس طرز فکر سے پناہ مانگنا چاہیے۔

کسی باغ کو دو دو تین تین سال کے لیے فروخت کرنا ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے شریعت میں اس کے لیے کوئی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔ جس وقت آموں کے پھول پھل بن جائیں یعنی پھول بور میں تبدیل ہو جائیں اس وقت اس باغ کو بیچنا جائز ہے۔ اس سے پہلے جائز نہیں ہے۔ (سید احمد قادری)

کیا سادات کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے

سوال

فقہ حنفی کی رو سے سادات کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے لیکن بعض حنفی فقہاء کی طرف یہ رائے منسوب کی گئی ہے کہ وہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آلِ محمدؐ کو زکوٰۃ لینے کی اجازت دیتے ہیں اور اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ حضور خمس میں سے ان کو دیتے تھے۔ آپؐ کے بعد چونکہ خمس میں سے انہیں حصہ نہیں ملتا اس لیے آل محمد کے زکوٰۃ نہ لینے کی وجہ ختم ہوگئی اور اب وہ زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ براہ کرم اس مسئلہ پر اپنے علم و تحقیق کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ کلام کریں۔ باقی بر ص ۳۷

مغربی افریقہ کی مسلمان ریاستیں

اسلامک ریویو انگلینڈ میں G. Neville Bagot کے ایک مقالے کے بڑے حصے کا ترجمہ۔ (ادارہ)

یہ بات تعجب انگیز ہے کہ دنیائے اسلام میں مغربی افریقہ کے مسلمانوں کا چرچا بہت کم ہے۔ مشرق یا مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک، عالمی پریس میں اپنا متناسب حصہ حاصل کر رہے ہیں لیکن مغربی افریقہ کی مسلم حکومتوں کا ذکر مسلم حکومتوں کی حیثیت سے بہت کم سنا جاتا ہے۔

سینگال، گینیا اور مالی کی مشترکہ آبادی تقریباً گیارہ ملین ہے جس میں ساڑھے سات ملین سے کچھ زیادہ مسلمان ہیں۔ دوسرے لفظوں میں سینگال کی مسلم آبادی ۹۵ فی صدی، گینیا کی ۸۰ فی صدی اور مالی کی ۶۵ سے ۷۰ فی صدی کے درمیان ہے۔ ان ممالک کے مسلمانوں کی پوزیشن کی تعیین کے لیے ضروری ہے کہ اعداد و شمار کی تفصیلات پیش کی جائیں۔

سینیگال

جغرافیہ۔ سینیگال افریقہ کی بہت ہی ترقی یافتہ مسلم ریاستوں میں سے ایک ہے۔ سینیگال کا نام ایک قصبہ سنگین سے لیا گیا ہے جو ایک دریا کے دہانے پر آباد ہے۔ نسلی جہت سے یہاں کی اہم اور خاص جماعتیں یہ ہیں:۔ وولوفس (Wolofs) پولس (Peuls) سیر (Sere) ٹوکولرس (Tukuleurs) ڈولا (Dicla) مالنک (Malinke) سراکل (Sarakile) مورس (Moors)

وولوف اور پونڈریاں کی دو اہم دیسی زبانیں ہیں۔ مسلمان وولوف جو نسلی اعتبار سے اس ملک کا سب سے بڑا حصہ ہیں۔ ملک میں محنتی مزدوروں کی حیثیت سے ممتاز ہیں اور سیر (Sere) پی نٹ کی کاشتکاری

میں ماہر ہیں۔ (پی نٹ، ایک پھلی ہے جس سے تیل نکالا جاتا ہے) اس ملک سے برآمد کی جانے والی اشیاء میں ۸۰ فیصد حصہ پی نٹ ہی کا ہے جس کی قیمت ۲۵ ملین فرنچ افریقن فرانک ہوتی ہے۔ سینیگال کا مرکزی شہر ڈاکر ہے جس کی آبادی تین لاکھ ساٹھ ہزار ہے۔ سب سے اہم دریا سینیگال ایک ہزار چون میل لمبا ہے۔

تعلیم: تیس لاکھ کی آبادی میں صرف ایک لاکھ چھبیس ہزار مسلمان طلبہ (جن میں چالیس ہزار لڑکیوں کی تعداد بھی شامل ہے) نے ۱۹۶۱ء میں پرائمری اسکولوں میں تعلیم حاصل کی اور سکنڈری اسکولوں میں ۸۵۳۶ طلبہ نے تعلیم پائی۔ طلبہ کی یہ قلیل، غم انگیز تعداد صرف اسی اسلامی ملک میں نہیں ہے، بلکہ غالب اکثریت رکھنے بہت سے مسلم ممالک میں تعلیم کا یہی حال ہے۔ یہ حوصلہ افزا بات نوٹ کرنے کے لائق ہے کہ ۴ اپریل ۱۹۶۱ء کو حکومت کے شعبۂ نشر و اشاعت نے یہ خبر شائع کی ہے کہ موجودہ قابل ترجیح کاموں میں ایک کام عربی زبان اور اسلامی تہذیب کی تعلیم ہے۔ فرانسیسی قبضے کے دوران میں کیتھولک مشنری کی انتہائی منظم کوشش یہ رہی کہ مسلمانوں کو عیسائی بنایا جائے لیکن اس کے برخلاف آج ہر جگہ احیائے اسلام کی علامات نمایاں ہیں۔ ڈاکر اور دوسرے مقامات کی تعلیم گاہوں میں عربی زبان کی تعلیم جاری ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے طلبہ ادارۂ علوم اسلامی میں بھی باقاعدہ شرکت کر رہے ہیں۔

سینیگال میں اسلام کی ابتدائی تاریخ

اس ملک کے بارے میں قدیم ترین تاریخی بیان وہ ہے جو ابن حوقل نے دیا ہے۔ دسویں صدی عیسوی میں یہ غانہ کے اس وقت سینیگال کے نچلے حصے کی تکرور کی شاہی حکومت، غانہ کے ماتحت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن یاسین نے سینیگال کے ایک جزیرے میں ایک خاص اسلامی مسلک کی بنیاد رکھی اور انہیں کے ماننے والوں نے سینیگال کو غانہ کی ماتحتی سے آزاد کیا۔ چودھویں صدی عیسوی میں مشرقی سینیگال کے اندر سب سے پہلے مالی کے اثرات محسوس کیے گئے۔ پولس قبیلے نے تمام مغربی افریقہ میں بڑی تیزی سے اسلام کی اشاعت کی۔ چودھویں صدی کے بعد کی دو صدیوں میں ان کے ذریعہ اسلام بہت تیزی سے پھیلا لیکن سینیگال کی وادی میں تکروروں نے ان کو شکست دے دی ــــ ۱۸۵۴ سے ۱۸۶۵ تک نشیبی سینیگال پر مورس غالب رہے لیکن حصول طاقت کے لیے ملک کے اندرونی حصوں کے مختلف قبیلوں کی باہمی کش مکش نے ملک کے اتحاد کو بہت کمزور کر دیا۔ فرانسیسیوں نے بڑی تیزی سے اس کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور ان کے جنرل نے مسلمانوں کے [illegible] نے [illegible] کو شکست دے کر اس ملک پر قبضہ کر لیا۔

سینیگال میں فرانس کی پالیسی کا نمونہ وہی تھا جو الجزائر میں۔ اس نے ایک خاص مذہبی فرقے کی حمایت کی اور پھر ان کی مدد سے پورے ملک پر غالب آگیا۔ مفتوح ہونے کے بعد اس ملک کی تاریخ بتاتی ہے کہ فرانس اور برطانیہ دونوں نے اپنے سامراجی مقاصد کے لیے یہاں کے باشندوں کا بہت زیادہ استحصال کیا۔ دنیا کی دو بڑی جنگوں میں یہاں کے لوگوں کو کثیر تعداد میں بھرتی کیا گیا اور سابقہ سلطنت فرانس کے مختلف حصوں میں وہاں کی بغاوتوں کو کچلنے کے لیے انہیں بکثرت استعمال کیا گیا

آزادی کی کشمکش

۱۹۴۷ میں فرانس، سینیگالی فوجوں کو مدغاسکر میں استعمال کر رہا تھا۔ لیکن فرانس کے مشہور سوشلسٹ لیڈر میر لیمن گے نے اس کے خلاف سخت اعتراض کیا اس وقت وہ ڈاکر کے میئر تھے وہ ایک تجربہ کار سیاسی لیڈر اور فرنچ اسمبلی کے سابق ممبر بھی تھے۔ ان کے اس اختلافات کی وجہ سے فرانسیسی حکومت نے ان کو فرنچ اسمبلی کے الکشن میں شکست دینے کا نقشہ کار تیار کیا، حکومت کا جوڑ توڑ اتنا کامیاب ہوا کہ سینیگال کے خانقاہ نشین مشائخ اور ان کے ماننے والوں نے ان کے بجائے مشہور کیتھولک شاعر لیوپولڈ سیدر سنگھر کی حمایت کی اور آج یہ شاعر سینیگال کا صدر ہے۔

جون ۱۹۵۹ء میں مالی کا فیڈریشن بنانے کے لیے سینیگال نے اپنے آپ کو مغربی سوڈان کے ساتھ ضم کر دیا۔ مالی نے جون ۱۹۶۰ء میں فرانس سے آزادی حاصل کر لی تھی لیکن یہ انضمام صرف دو مہینے باقی رہا اگست میں اس نے اپنے آپ کو اس فیڈریشن سے الگ کر لیا اور ستمبر میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور سنگھر کو اپنا صدر منتخب کیا۔ دو دنوں کے بعد ممدو ڈائی وزیر اعظم بنائے گئے۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۶۰ کو سینیگال اقوام متحدہ کا ممبر بن گیا۔

ممدو ڈائی سینیگالی سوشلزم کے پرجوش وکیل تھے ان کا عقیدہ تھا کہ سینیگال افریقہ کا ایک لازمی حصہ ہے اس لیے اس کو افریقی سیاست کے ساتھ کامل اتفاق کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے فرنچ سوشلسٹ لیڈر منسر جین راؤس، صدر سنگھر کے سیاسی مشیر ہے۔ یہ مسلمان ریاستوں کی جنگ آزادی کے ممتاز حامیوں میں ہیں۔ اور اس سلسلے میں ان کا ریکارڈ بڑا شاندار ہے۔

۱۹۶۲ کے خاتمے پر وزیر اعظم ممدو ڈائی اور سینیگالی اسمبلی کے اسپیکر مسٹر لیمن گے کے درمیان سخت اختلاف ہو گیا۔ اس اختلاف رائے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مئی ۱۹۶۳ میں ممدو ڈائی کو حبس دوام کی سزا دی گئی اور ان کی وزارت کے چار دوسرے وزیروں کو ۲۰ سال قید کی سزا دی گئی۔ لیمن گے کو [illegible]

صدر اور لیو پولڈ سنگھر کو سکریٹری مقرر کیا گیا۔ موجودہ حکومت کے تعلقات، مالی کے ساتھ پہلے سے نمایاں طور پر بہتر ہو رہے ہیں۔

گینیا

گینیا نے جو فرانس کے قبضے میں تھا ستمبر ۱۹۵۸ء میں اپنی تاریخ آپ بنائی اس طرح کہ اس نے بطور خود یہ اعلان کر دیا کہ اب وہ فرنچ یونین سے الگ ہو گیا ہے۔ گینیا مغربی افریقہ کا تنہا وہ ملک ہے جس نے یہ مضبوط اور سخت قدم اٹھایا۔ باقی ملکوں نے بتدریج ۱۹۶۰ء تک آزادی حاصل کی۔ فرانس کے صدر ڈیگال نے جو اس اقدام سے غضب ناک ہو گئے تھے فوراً گینیا کی مالی امداد بند کر دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ گینیا کے سیاسی لیڈر سیکو تورے راتوں رات دنیا کے ایک مشہور آدمی بن گئے۔

گینیا سینیگال اور شمال میں اس حصے کے درمیان واقع ہے جو اب تک پرتگال کے قبضے میں ہے۔ شمال مغرب میں اس کی سرحد مالی سے اور دکھن میں سیرالیون سے اور دکھن پورب میں لائبیریا اور ایوری کوسٹ سے ملتی ہے۔ اس کا رقبہ دو لاکھ چون ہزار کیلومیٹر پر مشتمل ہے اور اس کی آبادی ۲۷ لاکھ ہے جیسا کہ اوپر کہا گیا۔ یہاں مسلمانوں کی تعداد ۸۰ فی صد ہے۔ مغربی افریقہ میں مسلمانوں کی ٹھیک ٹھیک بلا کم و کاست تعداد بتانا مشکل ہے۔ بعض مبصرین نے دکھایا ہے کہ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۴ء کے درمیان مغربی افریقہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھی ہے۔ افریقیوں کے لیے اسلام میں سب سے بڑی اپیل یہ ہے کہ وہ نسل پرستی کی نفی کرتا ہے اور اس کے ماننے والوں کے درمیان نسل کی بنیاد پر کوئی تفریق یا امتیاز نہیں برتا جاتا۔ اور یہ مساوات اب تک مسلمانوں کے اندر موجود ہے اور ان کے اندر عربی زبان اور اسلامی علوم کی تعلیم ترقی پذیر ہے۔

جب گینیا کو فرنچ ایڈ سے محروم کر دیا گیا تو وہ کمیونسٹ ملکوں سے مالی امداد لینے پر مجبور ہو گیا۔ ان حالات میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس ملک میں تمام ذرائع و وسائل قومی ملکیت میں لے لیے گئے لیکن قریب زمانے میں پھر از سر نو انفرادی ملکیت نے اپنا حق جتانا شروع کر دیا ہے۔

گینیا واقعی طور پر ۲ اکتوبر کو آزاد ہوا اور ۲۳ نومبر ۱۹۵۸ء کو غانا کے ڈاکٹر نکرومہ اور گینیا کے صدر سیکو تورے نے یونائیٹڈ اسٹیٹس آف افریقہ کی تحریک چلائی، اس کا مقصد یہ تھا کہ ایک متفقہ اقتصادی پالیسی اور مشترکہ سیاسی و دفاعی تنظیم عالم وجود میں آئے۔ غانا نے آگے بڑھ کر گینیا کو ایک بہت بڑی رقم بطور قرض دی۔ ان دونوں نے مالی کے صدر موڈیبو کیتا کے ساتھ تعاون کر کے ملاقات کی۔ مقصد یہ تھا کہ ان تینوں ملکوں کی مشترکہ

پالیسیوں میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ گینیا جنوری ۱۹۶۱ء میں افریقی ملکوں کے کاسابلنکا گروپ کا ممبر بن گیا
اس گروپ کے ممبر الجزائر، غانا، گینیا، مالی، مراکش اور متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) ہیں۔
سیکوتورے، افریقہ اور آزاد مسلم ممالک کی ایک بڑی شخصیت ہیں لیکن ان کا اثر پورے افریقہ میں
جس حیثیت سے محسوس کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ سیکوتورے افریقن مارکسزم کے ترجمان ہیں۔ یہ اجتماعی تنظیم کی
ایک ترقی یافتہ قسم ہے جو ماسکو یا مغرب سے آزاد ہے۔

جمہوریہ مالی

مالی ایک آزاد جمہوریہ ہے جس کی آبادی ۴۳ لاکھ ہے۔ اس میں مسلمانوں کی تعداد ۶۵ سے ۷۰ فیصد
تک ہے مسلمانوں میں ۹۰ فی صدی وہ لوگ ہیں جن کا نسلی تعلق نیگروز سے ہے اور کچھ عرب اور مور بھی ہیں
اس کی مشترکہ سرحدیں مغرب میں سینیگال سے، گینیا سے جنوب مغرب میں، آیوری کوسٹ سے جنوب میں اپر والٹا
سے جنوب مغرب میں، نائجر سے مشرق میں اور اسلامی جمہوریہ ماریطانیہ اور الجزائر سے شمال میں ملتی ہیں۔ اس کا رقبہ
بارہ لاکھ اکیانوے کیلومیٹر ہے۔
دوسری جنگ عظیم کے بعد آر ڈی اے (ڈیموکریٹک افریکن گروپ) مالی کے دارالحکومت بماکو میں منظم ہوئی
مالی کے صدر موبوکیٹا خود وزیر اعظم بھی ہیں اور حکومت پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہے۔ اس کے ممبر ہر پانچ
سال کے بعد چنے جاتے ہیں۔ یہ ملک چھ علاقوں میں تقسیم ہے۔ ہر علاقے کا اپنا گورنر اور اپنی علاقائی اسمبلی ہے

صدر موبوکیٹا

مسٹر موبوکیٹا افریقہ کی ایک ممتاز شخصیت ہیں۔ یہ افریقی اتحاد اور نیشنلزم پر بڑا پختہ
عقیدہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے لکھا گیا سینیگال سے مل کر مالی کا ایک فیڈریشن بنا تھا۔
جس کے وزیر اعظم موبوکیٹا اور اسمبلی کے صدر، سینیگال کے لیوپولڈ سنگھر تھے لیکن علاقائی اختلافات کی وجہ سے
بہت جلد یہ فیڈریشن ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد مالی نے اپنے قریبی تعلقات، غانا اور گینیا سے قائم کر لئے۔
مالی کے صدر نے الجزائر کی جنگ آزادی میں خلوص کے ساتھ وہاں کے قوم پروروں کی حمایت کی۔ ابھی قریب
زمانے میں جب الجزائر اور مراکش کی سرحد پر دونوں میں جنگ شروع ہوگئی تھی تو مالی کے صدر نے صدر احمد بن
اور مراکش کے بادشاہ، شاہ حسین کو قریب لانے میں سرگرم کوشش کی اور اسی کے نتیجے میں دونوں میں
جنگ بندی کا معاہدہ عمل میں آگیا۔

اس معاہدے کی وجہ سے الجزائر کے صدر خاص طور پر صدر مالی کے شکر گزار ہوئے ۔

ٹمبکٹو

گزشتہ زمانے میں ٹمبکٹو، مالی کا مرکز علم تھا۔ ۱۰۷۴ سے ۱۰۸۷ کے درمیان اس شہر کو تارگ قبیلہ نے بسایا تھا یعنی پانچویں صدی ہجری میں۔ ایک زمانے تک سنگھائی نیگروز نے ایک وسیع سلطنت پر حکومت کی جس میں ٹمبکٹو بھی داخل تھا۔ شمال میں تارگ تھے۔ مشرق میں سنگھائی اور مغرب میں منڈنگو قبیلہ (بمبارا قبیلہ) اسی آخری قبیلے نے ۱۲۳۶ عیسوی میں اس شہر کو مستحکم اسلامی تہذیب کا مرکز بنایا۔ منڈنگو قبیلے کے سلطان اعظم منساموسی نے ۱۳۰۷ عیسوی میں یہاں سب سے پہلی مسجد تعمیر کی۔ ۱۳۲۷ عیسوی میں اس نے فریضہ حج ادا کیا۔ ۱۳۵۳ عیسوی میں ابن بطوطہ نے ٹمبکٹو کا سفر کیا۔ ۱۴۳۴ میں تارگ قبیلہ نے پھر اس شہر کو فتح کر لیا ایک سونا ینک نیگرو اسکیا محمد نے پندرھویں صدی عیسوی میں ایک جابر و مستبد بربر سونی علی کی حکومت کا خاتمہ کیا۔ ۱۴۹۴ سے ۱۵۲۹ عیسوی تک سنکورا مسجد دنیائے اسلام میں اسلامی تہذیب کے مراکز میں ایک عظیم تہذیبی مرکز بن گئی ۔

بقیہ صفحہ ۱۴

جواب

سادات کے لیے زکوٰۃ کی حرمت صرف فقہ حنفی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ چاروں فقہوں کی رو سے ان کے لیے اخذ زکوٰۃ ناجائز ہے۔ البتہ فقہ مالکیہ میں (جیسا کہ الفقہ علی المذاہب الاربعہ سے معلوم ہوتا ہے) یہ ہے کہ اگر بیت المال سے ان کی ضرورت کے مطابق ان کو رقم نہ مل رہی ہو تو ان کے لیے اخذ زکوٰۃ جائز ہے ایسی صورت میں وہ زکوٰۃ لے سکتے ہیں اور ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک غیر معروف روایت یہی ہے لیکن فقہ حنفی کا مشہور اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ سادات کے لیے اخذ زکوٰۃ مطلقاً ناجائز ہے خمس سے، یا بیت المال سے انہیں کچھ مل رہا ہو یا نہ مل رہا ہو۔ فقہ شافعی اور فقہ حنبلی میں بھی (جیسا کہ الفقہ علی المذاہب الاربعہ سے معلوم ہوتا ہے) ان کے لیے مطلقاً اخذ زکوٰۃ ناجائز ہے۔ سادات کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ اس مسئلے میں جو صحیح ترین احادیث آئی ہیں ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سادات کے لیے زکوٰۃ مطلقاً ممنوع ہے۔ اس وقت اس مسئلے پر اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھنے کی فرصت نہیں۔

سید احمد قادری

سفید امریکہ کے کالے باشندے

(مختصر تاریخ)

اقوامِ یورپ ترکوں سے بچ کر مشرق کے دولت و تجارت کے روایتی اور افسانوی خزینوں تک پہنچنے کے لیے عالمی سمندروں میں بھٹکی پھر رہی تھیں کہ ایک لغزش پا نے انہیں امریکہ کی وسیع و عریض اور تہذیب ناآشنا دنیا تک پہنچا دیا۔ ان قوموں کو علوم فطرت کے جدید انکشافات نے جس ولولۂ عمل سے سرشار کر دیا تھا اس کے زور پر ان کا غلبہ اطراف و اکناف میں پھیل رہا تھا۔ تہذیب کا جو لغچہ یہ قومیں اپنے کندھوں پر اٹھائے اپنے گھروں سے نکلیں ان میں ایسے تخم بکثرت موجود تھے جو جا بجا بکھر گئے اور صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان کی فصل خبیث پوری طرح کاٹی نہیں جا سکی۔ یہ کہنا ابھی قبل از وقت ہے کہ کشت انسانیت ان کے اثرات قبیح سے پوری طرح کب آزاد ہو سکے گی۔

حبشی غلاموں کا کاروبار

اس قسم کا ایک تخم غلاموں کا تھا جو امریکہ کی زمین میں بے دریغ بویا گیا۔ امریکہ جس نسلی مسئلے کا شکار رہے اور جس نے اسے خانہ جنگی کی سی صورت سے دوچار کر رکھا ہے وہ اسی کا شاخسانہ ہے۔ اقوام یورپ مشرق سے حدود امریکہ میں داخل ہوئیں اور بتدریج مغرب کی طرف بڑھتی اور پھیلتی گئیں وہ وسطی علاقوں سے آگے بڑھیں تو جنوب مغرب میں انہیں روئی، تمباکو وغیرہ کی کاشت کے لیے بڑی موزوں زمین میسر آئی۔ اس پُرمنافع لیکن حقیر کام کے لیے انھوں نے افریقہ سے غلام اغوا کر کے امریکہ کے بازاروں میں بیچ بیچ کے کسان اور مزدور مہیا کرنے شروع کیے۔ یورپ میں کارخانوں کی روز افزوں تعداد نے روئی کی مانگ خصوصیت سے غیر معمولی حد تک بڑھا دی تھی۔ اسی تناسب سے غلاموں کے کاروبار کو فروغ ہوا۔ حبشی غلاموں کی پہلی کھیپ ولندیزیوں کی وساطت سے ۱۶۱۹ء میں لائی گئی اور اس کے بعد ان کی خرید و فروخت کم و بیش ڈھائی سو سال تک تجارتی معمول کے طور پر امریکہ کے طول و عرض میں جاری

رہی ـــــ حبشی غلاموں کو افریقہ سے پکڑ کر لانا اور نئی دنیا میں انہیں بیچنا تہذیب یورپ کے ظلم پرور دل کا کم حیثیت فعل نہیں تھا۔ لیکن یورپی آبادکاروں کا ان غلاموں سے سلوک کہیں زیادہ بہیمانہ تھا۔

شمال اور جنوب میں خانہ جنگی

حبشی غلاموں کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھتی رہی اور بالآخر ایک ایسے معاشرتی مسئلے کی تخلیق کی ذمہ دار بن گئی جس کی نظیر یورپ کے کسی ملک میں بھی نہیں ملتی۔ ۱۸۵۰ء میں ان کی تعداد چالیس لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ یہ تقریباً سارے کے سارے جنوبی ریاستوں میں تھے۔ شمال کی تیرہ ریاستیں غلامی کے حق میں نہیں تھیں لیکن غلام رکھنے کی اجازت انہیں بھی از روئے آئین حاصل تھی۔ ۱۸۰۸ء میں کہیں جا کے کانگرس نے غلاموں کی درآمد پر پابندی لگائی اس سے امریکہ میں باہر سے غلام آنا تو بند ہو گئے لیکن اندرون ملک ان کی خرید و فروخت پر کوئی اثر نہ پڑا۔ ۱۸۲۰ء میں ایک معاہدہ شمالی اور جنوبی ریاستوں کے مابین طے پایا جس کی رو سے غلامی کی سرحد ٹیکساس ریاست کے بیچوں بیچ کھینچی گئی۔ یعنی اس کے شمال میں غلامی ممنوع تھی اور جنوب میں روا ـــ ۱۸۴۹ء میں ریاست کیلی فورنیا میں سونے کے غیر معمولی ذخائر دریافت ہوئے تو وہاں تک پہنچنے کے لیے ریلوے لائن کی فوری توسیع کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جنوبی ریاستوں نے اس کی اجازت اس شرط پر دی کہ غلامی کی سرحد او رشمال کی طرف کر دی جائے۔ شمال نے یہ شرط منظور تو کر لی لیکن غلامی کا مسئلہ اس سے نازک صورت اختیار کر گیا اور دونوں میں کشیدگی اس حد تک بڑھ گئی کہ امریکہ میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور گیارہ ریاستیں مرکز سے کٹ کر ایک جداگانہ نظام وفاق میں منسلک ہو گئیں۔

اصول کچھ عمل کچھ

اس جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۶۳ء میں ایک اعلان کے ذریعہ غلامی کو ممنوع قرار دیا گیا۔ دو سال بعد اس اعلان کو دستور میں بھی شامل کر لیا گیا۔ ۱۸۶۸ء میں حبشیوں کو شہری تسلیم کر لیا گیا اور ۱۸۷۰ء میں انہیں رائے دہی کا حق بھی دے دیا گیا۔ اصولاً یہ اقدامات قابل قدر تھے لیکن عملاً اس سے اصلاح احوال نہیں ہوئی بلکہ خرابی کی ایک نئی صورت پیدا ہو گئی۔ جنوب کی گیارہ ریاستیں بدستور ان اقدامات کے خلاف رہیں اور ان کی یہی کوشش رہی کہ ان کو غیر موثر اور بے معنی بنا کے رکھا جائے انہوں نے چالیس لاکھ حبشی غلاموں کو آزاد کر دیا اور اس طرح انہیں روزگار اور رہائش وغیرہ کی سہولتوں سے محروم کر کے قانون کی اس غیر انسانی خامی کا پول کھول دیا کہ معاشرتی تحفظ کے بغیر آزادی خطرناک اقدام ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس رسوائے عالم دہشت پسند جماعت کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا نام کو کلکس کلین (KKK)

ور جس کا کام حبشیوں کو جلانے کا زار کرنا اور زندگی کے گھاٹ اتارنا تھا۔ اس طرح اصلاحات کو ناکام بنا دیا گیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۰ء میں یہ حال تھا کہ جنوب کی سات ریاستوں میں جہاں حبشیوں کے رائے دہندوں کا اندازہ ساڑھے سینتیس لاکھ کا تھا۔ وہاں زیادہ سے زیادہ آٹھ لاکھ کو درج کیا جا سکا اور یہ آٹھ سال پہلے کی بات ہے آج ۱۹۶۵ء میں یہ حال ہے کہ حبشیوں نے الاباما ریاست میں ایک جلوس منظم کیا۔ اس مظاہرے کا مطلب یہ جتانا تھا کہ وہ اپنے کو بطور رائے شمار درج کرانے جا رہے ہیں۔ یہ پُرامن جلوس تھا اور اس نیک مقصد کی خاطر منظم کیا گیا تھا جو تقاضائے آئین کے عین مطابق تھا لیکن ریاستی حکام نے یہ جلوس روک دیا۔ ایک وفاقی جج کی عدالتی رائے کے مطابق ایسا بڑے ظالمانہ طریق سے کیا گیا۔ حکام اور پولس نے تخویف اور وحشیانہ بدسلوکی کا مظاہرہ کیا۔ جلوس کو منتشر نہیں کیا گیا بلکہ حبشی مظاہرین کو زبردستی میلوں تک بھگایا گیا اور ان کو بھگانے کے لیے ڈنڈے ہی استعمال نہیں کیے گئے بلکہ ان بجلی بھری تاروں کو کام میں لایا گیا جن کے جھٹکے سے جانوروں کو تیز چلایا جاتا ہے

دانا دشمن

صاف ظاہر ہے کہ سفید فاموں کے دلوں کی کدورت بالکل دھل نہیں سکی۔ یہ کدورت دھل سکتی بھی نہیں تھی۔ یہ حق ہے بہت دور رس، عصری تقاضوں کے زیر اثر امریکہ میں نسلی مساوات کی باتیں ضرور ہونے لگیں لیکن ساتھ ہی ساتھ منافرت کے جذبے کا بڑی دیدہ دلیری سے مظاہرہ ہوتا رہا ہے — ٹامس جیفرسن نے جو امریکی اعلان آزادی کا مصنف ہے ۱۸۲۱ء میں کہا: "جیسے کتاب تقدیر میں صاف لکھا دکھائی دیتا ہے کہ حبشی بالآخر آزاد ہوں گے۔ یہ امر بھی اسی طرح یقینی ہے کہ دونوں نسلیں (سفید اور سیاہ) ایک حکومت کے تابع نہیں رہ سکیں۔ ان میں واضح امتیازات ہیں ابھی ہمارے بس میں ہے کہ ہم ان کی آزادی اور اخراج کا سلسلہ شروع کر دیں" گویا جیفرسن کا خیال تھا کہ سیاہ فام امریکیوں کو افریقہ بھیج دینا چاہیے۔ ابراہیم لنکن کو حبشیوں کا نجات دہندہ سمجھا جاتا ہے لیکن وہ بھی جیفرسن کی طرح دونوں کی علیحدگی کا قائل تھا اور حبشیوں کو افریقہ یا جزائر غرب الہند میں آباد کرنے کے حق میں تھا۔ اس نے ۱۸۵۸ء میں کہا: "میں سفید و سیاہ میں مساوات کا حامی نہ پہلے تھا اور نہ اب ہوں۔ میں کہوں گا کہ کالوں اور گوروں میں ایسے طبعی امتیازات ہیں جو میرے خیال میں کبھی ان میں معاشرتی اور سیاسی مساوات پیدا نہیں ہونے دیں گے۔" چوٹی کے ان دو لیڈروں کے علاوہ قومی لیڈر اور اصحاب قلم اسی قسم کے خیالات کا اظہار برابر کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ۱۹۰۰ء میں بی۔ ٹی۔ واشنگٹن نے لکھا کہ دانا سفید فام جانتے ہیں کہ معاشرتی مساوات کا مسئلہ انتہائی احمقانہ [illegible] ہے

ریاست مسی سپی کا گورنر ورڈیمان تھا۔ اس کے نزدیک یہ حقیقت مسلم تھی کہ سفید فام اور سیاہ فام مختلف ہیں۔
لہٰذا ان میں مساوات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ سٹوارٹ لینڈری کے قول کے مطابق امریکی یہ سمجھتے ہیں
کہ نسلی ادغام سفید فام کے لیے نسلی خودکشی کے مترادف ہے۔ ایک جج بریڈی نے ۱۹۵۷ء میں ایک تقریر میں
کہا: "نسلی حدبندی باقی ہے تو محض اس لیے نہیں کہ ہم اسے ترجیح دیتے ہیں
بلکہ اس لیے کہ ہم اسے برقرار رکھنا چاہتے ہیں" اور ابھی حال ہی میں یعنی ۱۹۵۹ء کے لگ بھگ ایک
امریکی جان منس (John Manas) نے کہا: "حبشی جانور کی طرح ہیں ان کا جنگ آزادی لڑنا
ایسا ہی ہے جیسے بھینسیں انسانی اور سیاسی حقوق کے لیے لڑ رہی ہوں۔

سیاہ دل رائے عامہ

نسل اور رنگ کا تعصب اہل رائے یا اہل قلم طبقوں تک محدود نہیں۔ امریکہ کی
رائے عامہ اس رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ امریکہ نسلی تصویر کا یہی تاریک پہلو ہے
جس نے اس آئینی جدوجہد کے رخِ روشن کو ماند کر رکھا ہے جس کی رو سے حبشیوں کو برابر کا شہری اور مساوی
حقوق کا مستحق تسلیم کیا جاتا ہے۔ رائے عامہ کے جو جائزے لیے گئے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں
عام سفید فام زبانی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عام حبشی کی زندگی قابل رشک نہیں ہے اور اس کی اصلاح ہونی
چاہیے لیکن وہ اس کے لیے ہرگز تیار نہیں کہ کوئی سیاہ فام ان کے پڑوس میں آ کے رہے۔ اس حقارت کا اظہار
کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو برملا کہتے ہیں کہ عام زندگی میں انہیں جن حبشیوں سے واسطہ پڑتا ہے
ان سے انہیں کوئی شکایت نہیں۔ اسی طرح یہ خیال دل میں لانے کے روادار نہیں ہوسکتے کہ ان کی اولاد حبشیوں
سے شادی کرنا تو ایک طرف رہا ان سے بے تکلفانہ اختلاط ہی رکھے۔

امید کی کرن

ان حالات میں حبشیوں کی کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ وہ جس معاشرے
سے متعلق ہیں اس میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ کہنے کو ان کی بحالی کے منصوبے
بنتے ہیں اور انہیں قانون کی پشت پناہی تک حاصل ہوتی ہے لیکن عملاً انہیں ناخواندہ سمجھ کر دھتکارا جاتا
ہے وہ اپنے جائز شہری حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس کے منوانے کے لیے پرامن مظاہرے کرتے ہیں تو
ان سے وحشیانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ آگ بجھانے والے موٹے موٹے پائپوں سے ان پر پانی برسایا جاتا ہے
اور خونخوار کتے ان پر چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ سفید فام امریکیوں کی نازک مزاجی کا عالم یہ ہے کہ حبشیوں کے
مطالبات کی معقولیت تسلیم کرنے اور ان کی تسکین کی ضرورت کا اعتراف کرنے کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ حبشی

مظاہرے کرکے اپنا مقدمہ خراب کررہے ہیں۔ انہیں قانون اور وقت پر اعتبار کرنا چاہیے۔ حبشی اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ انہوں نے صدیوں سفید فاموں کا منہ دیکھا ہے اب وہ انتظار نہیں کرسکتے۔ اس صورت حال نے قدرتی طور پر شکستہ خاطر امریکیوں کے لیے گہری دل برداشتگی کا عالم برپا کردیا لیکن بظاہر نہ جانے مادرِ دہر نہ پلٹے رفتن کی شب تار کے سینے سے امید کی ایسی کرن پھوٹ نکلی ہے جس نے ان کے مستقبل کو نمایاں خدو خال عطا کردیے ہیں اور وہ اپنے آپ کو تاریخ اور تقدیر کے فیصلہ کن دوراہے پر کھڑا پاتے ہیں۔ روشنی کی یہ کرن کرشمہ ہے آفتاب اسلام کی ضیا پاشی کا۔ اس کرن کو پھوٹے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا لیکن اس نے حبشی امریکیوں کی تاریک دنیا کو نمایاں طور پر منور کردیا ہے۔ اس عقدے کو مشیت ایزدی کی منطق ہی حل کرسکتی ہے کہ یہ کرن پھوٹی کس طرح؟

سیارہ ڈائجسٹ ۔ مئی ۱۹۶۵ء

شرائط ایجنسی

۱۔ ایجنسی کم سے کم پانچ رسائل پر دی جائے گی۔

۲۔ -/5 ایڈوانس جمع کرنے ہوں گے۔

۳۔ ۵ سے ۵۰ پرچوں تک %25 کمیشن دیا جائے گا۔ البتہ ۵۰ سے زائد رسائل پر %33 کمیشن دیا جائے گا

۴۔ رسائل کی روانگی کا خرچ دفتر برداشت کرے گا۔ رجسٹری اور وی پی کا خرچ ایجنٹ صاحبان کے ذمہ ہوگا۔

۵۔ ہر مہینے کا بل باقاعدگی سے ادا کرنا چاہیے۔

منیجر رسالہ زندگی رامپور یوپی

مسٹر چھاگلہ کس کے آورده ہیں

مسٹر علی کریم بھائی چھاگلہ نے مرکزی وزارت تعلیم کے اہم منصب پر براجمان ہوتے ہوئے جس کردار کا مظاہرہ کیا ہے وہ حیرت انگیز تو نہیں لیکن تکلیف دہ ضرور ہے۔ بھارت میں مسلمانوں کی اسلامی انفرادیت پر ان کے مسلسل حملوں نے مسلم اقلیت میں سخت بے چینی پیدا کر دی ہے۔ ہندوستان بھر کے مسلمان اخبارات اور رسائل نے اپنی سیاسی بے چینی اور روحانی کرب کا اظہار اس کثرت سے کیا ہے کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہو جائے۔ ہر ایسا مسلمان جس کو اپنی اسلامی انفرادیت اور اپنے دینی و مذہبی تشخص سے محبت ہے ان کے بیانات اور اقدامات پر تلملا رہا ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ پر ان کے "تازہ کرم" نے مسلمانوں کے اضطراب کو بے حد بڑھا دیا ہے۔ ان کی موجودہ روش سے جن سنگھی اور مہاسبھائی ذہنیت رکھنے والوں کے سوا اور کوئی خوش نہیں ہے۔ مسٹر چھاگلہ مسلمانوں کے اضطراب و احتجاج کو نہ صرف یہ کہ نظر انداز کر رہے ہیں بلکہ فی الواقع انہیں اس کی پروا بھی نہیں ہے۔ وہ شاید یہ سمجھ رہے ہیں کہ جب تک بھارت کے وزیر اعظم شری لال بہادر شاستری کا رخ نہیں بدلتا مسلمانوں کا احتجاج ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ انھوں نے جمعیۃ علمائے ہند کے ناظم اعلیٰ کے خط کا جو جواب دیا ہے وہ اسی کا غماز ہے۔ اخبار الجمعیۃ لکھتا ہے :-

"مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے حالیہ ہنگامے اور اس پر حکومت کے اقدامات کے سلسلہ میں ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا اسعد مدنی نے مرکزی وزیر تعلیم مسٹر چھاگلہ کو جو مکتوب ارسال کیا تھا اس کا جواب وزیر تعلیم کی طرف سے موصول ہو گیا ہے۔ اس خط کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کا ہو سکتا ہے جو اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتا ہو یا جس کو قانون اور ضابطوں کی ہوا بھی لگی ہو۔"

الجمعیۃ بحوالہ ناظم رامپور ۲ جون ۱۹۶۵

آگے الجمعیۃ مزید رقمطراز ہے :-

"جو شخص بانیِ پاکستان مسٹر جناح کا کارندہ رہ چکا ہو اور جس نے عین اس وقت بمبئی کی عدالت عالیہ کی کرسی سنبھالی ہو جبکہ محبانِ وطن جیلوں میں بند کیے جا رہے ہوں وہ مسلم یونیورسٹی کے تمام سابقہ وائس چانسلروں کو فرقہ پرست ٹھہرائے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے تاریک ماضی پر پردہ ڈالے اور قوم پرستوں کو فرقہ پرست قرار دے کر سرخ رو ہونے کی کوشش کرے۔

الجمعیۃ کے علاوہ دوسرے اخبارات اور مسلمانوں کے نمایاں قوم پرور لیڈروں نے بھی بھائی چھاگلہ کے تاریک ماضی کی پردہ کشائی کی ہے۔ انصاف پسند برادرانِ وطن بھی ان کی موجودہ روش سے مطمئن نہیں ہیں۔ کیونکہ مسٹر چھاگلہ کی یہ روش حکومت پر سے مسلمانوں کے رہے سہے اعتماد کو بھی ختم کر رہی ہے۔ مسلم یونیورسٹی پر ان کا یہ حملہ باہر کے ملکوں کو بھی بدگمان کرے گا۔ ان سب باتوں کے باوجود ذہن میں جو ایک سوال ابھرتا ہے اس کا جواب کسی قوم پرور کی طرف سے اب تک نہیں دیا گیا ہے۔

مسٹر چھاگلہ کس کے آوردہ ہیں؟ اور اب بھی کون ان کی پرورش کر رہا ہے؟

یہ بات تو سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ اخبارات کے اڈیٹروں اور مسلمان قوم پرور لیڈروں کو بھائی چھاگلہ کا تاریک ماضی معلوم ہو مگر وہ لوگ اس سے ناواقف ہوں جو انہیں مرکزی کیبنٹ میں لائے۔ جس منصب کو مولانا ابوالکلام آزاد جیسی شخصیت نے زینت بخشی ہو اس پر بھائی چھاگلہ جیسے شخص کو براجمان کرنا "رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند" کا مصداق معلوم ہوتا ہے۔ اسی رمزِ مملکت نے ہم جیسے عامیوں کو الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ حکومت ہند اس راز پر سے تھوڑا سا پردہ سرکا کر مسلمانوں کو مطمئن کر دیتی۔

بھائی چھاگلہ کے بیانات و اقدامات سے تو کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت نے ان کے ذمے جو اصل خدمت لگائی ہے وہ یہ ہے کہ بھائی چھاگلہ بھارت میں مسلمانوں کے انفرادی تشخص کو ختم کرنے کی سعی کریں اور اس خدمت کی انجام دہی میں اپنے اختیارات بے روک ٹوک استعمال کریں۔ لیکن بہرحال یہ ایک قیاس ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ اپنے واضح اعلان سے اس قیاس کو غلط ثابت کر دے۔

مدیر

۲ر جون [illegible]ء

تنقید و تبصرہ

یسوع مسیح انجیل کے آئینے میں مولانا سید حامد علی، صفحات ۹۶۔ کاغذ کتابت، طباعت بہتر۔ قیمت بہتر پیسے۔ ملنے کا پتہ: منیجر ادارہ شہادت حق (وقف) خیر نگر گیٹ، میرٹھ، یوپی۔

اس کتاب کے بارے میں فاضل مصنف لکھتے ہیں۔

"اعلان کے مطابق "موجودہ انجیلیں اور تثلیث" کی ترتیب تسوید شروع کر دی گئی تھی لیکن موضوع کو چھیڑنے کے بعد اندازہ ہوا کہ متعلقہ مواد ایک جلد میں نہ آسکے گا۔ مجبوراً کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ پہلا حصہ "یسوع مسیح انجیل کے آئینے میں" آپ کے پیش نظر ہے۔ دوسرا حصہ "انجیلیں اور تثلیث" آئندہ ماہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔ انشاء اللہ ۔۔۔ کتاب کا موضوع یہ نہیں ہے کہ یسوع مسیح فی الواقع کیا تھے بلکہ صرف یہ ہے کہ وہ انجیل میں کیسے نظر آتے ہیں۔"

فاضل مصنف نے انجیلوں کا گہرا مطالعہ کر کے اپنے موضوع کا حق ادا کیا ہے۔ ۹۶ صفحات کی مختصر کتاب میں انھوں نے بڑی جامعیت کے ساتھ یسوع مسیح کا وہ نقشہ پیش کیا ہے جو موجودہ انجیلوں کے صفحات میں بکھرا ہوا ہے۔ اس کتاب کے مضامین ۲۷ عنوانات کے تحت جمع کیے گئے ہیں۔ مصنف کی ترتیب اور ان کی دیدہ ریزی نے ایک بڑی کتاب کا مواد ایک مختصر کتاب میں سمیٹ لیا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ جن لوگوں نے خود اپنے ہاتھوں یسوع مسیح کا اتنا گھٹیا خاکہ کھینچا ہے وہ ان کو خدا کا بیٹا کس طرح قرار دیتے ہیں۔

فاضل مصنف پیش لفظ میں لکھتے ہیں:۔

"ان انجیلوں میں یسوع مسیح کی زندگی کے ہر واقعہ کے سلسلے میں شدید اختلافات ہیں۔ مصنف نے چاروں انجیلوں کا گہرا مطالعہ کیا اور اختلافات کو ہر موقع واضح کرتا گیا ہے۔ کتاب تحقیقی ہونے کے باوجود دلچسپ ہے اور مسلمانوں کے علاوہ عیسائیوں کے لیے بھی انشاء اللہ بصیرت افروز ثابت ہوگی۔"

عام طور پر تو یہ کتاب مفید ہے ہی بالخصوص ان مقامات میں اسے بکثرت پھیلانے کی ضرورت ہے جہاں مسیحیت نے پاؤں پھیلا رہی ہی امید ہے کہ لوگ اس مفید کتاب سے استفادہ کریں گے اور اس کی کثیر اشاعت میں حصہ لیں گے۔ (ع - ق)

اُردو ڈائجسٹ لاہور کا سالنامہ ۱۹۶۵ء مدیر مسئول الطاف حسن قریشی۔ صفحات ۲۴۰۔ دیدہ زیب ٹائٹل قیمت:۔ دو روپیہ۔ ملنے کا پتہ:۔ منیجر اردو ڈائجسٹ ۵ یونین سمن آباد۔ لاہور۔

آج کل اردو زبان میں بھی ڈائجسٹوں کی فضا پیدا ہو گئی ہے بالخصوص پاکستان میں۔ اردو ڈائجسٹ، آرٹ پیپر پر اچھی کتابت اور آفسٹ طباعت کے ساتھ متنوع مضامین کا گلدستہ بن کر ایک عرصے سے شائع ہو رہا ہے اور اس نے کافی مقبولیت حاصل کر لی ہے۔ اس دفعہ بھی اس نے حسب دستور اپنا شاندار سالنامہ شائع کیا ہے۔ اس رسالے کی بخصوصیں اور مفید چیز وہ انٹرویو ہے جو قریشی صاحب مشاہیر سے لیا کرتے ہیں۔ یہ مفید چیز اس سالنامہ میں بھی موجود ہے۔ ۱۴ مشہور اشخاص و افراد سے انٹرویو لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں چند مخصوص سوالات پر وبال کی ۶ مشہور خواتین کے خیالات بھی مرتب کر کے شائع کیے گئے ہیں۔ درج ذیل مضامین دلچسپ اور مفید معلوم ہوئے اسلامی زندگی کی چند جھلکیاں۔ بڑے آدمیوں کی دلچسپ عادتیں۔ پربت کے بیٹے، ثریا۔ باگو نے شکار کھیلا۔ ٹرنٹولا۔ جب روس نے یو ٹو گرایا۔

اس سالنامے میں کوئی ایک مضمون بھی ایسا نہیں ہے جس کو پڑھنے میں دماغ پر زور ڈالنے یا غور و فکر کی ضرورت پڑے۔ ایک چیز اور جو اردو ڈائجسٹ پڑھتے ہوئے ہمیشہ کھٹکتی رہتی ہے وہ اس کے اشتہارات ہیں جن میں عورتوں کی تصویریں ہوتی ہیں۔ معلوم نہیں اس رسالے کے اسلام پسند مدیر مسئول اور دوسرے ذمہ دار حضرات کس طرح اس چیز کو گوارا کرتے ہیں۔ (ع - ق)

قافلہ سخت جاں اسعد گیلانی۔ صفحات ۴۰۰۔ قیمت اعلیٰ اڈیشن چھ روپیہ۔ سستا اڈیشن چار روپے۔ ناشر:۔ ادارۂ ادب اسلامی ۲۳ سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔ مغربی پاکستان۔

یہ مجموعہ ان ۷۰ مکتوبات نما مضامین پر مشتمل ہے جو اسعد گیلانی صاحب نے جیل میں جنوری ۱۹۶۴ء سے

اکتوبر [illegible] تک نو ماہ کے درمیانی عرصے میں مجھے۔ اس کتاب کے دو اہم تر مضامین ہیں: "رفقار زنداں" اور "روداد چمن" "رفقاء زنداں" میں انھوں نے اپنے ساتھ اسیر رفقاء کا تعارف کرایا ہے۔ اور "روداد چمن" جماعت اسلامی پاکستان کے اجتماع لاہور کی روداد پیش کی گئی ہے۔ آخر میں "پھاٹک کھلتے ہیں" کے عنوان سے رہائی کے کچھ حالات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ تعارف کے سلسلے میں اسعد صاحب خود لکھتے ہیں :-

اس تعارف کی نوعیت مورخانہ نہیں بلکہ دوستانہ اور رفیقانہ ہے۔ اس تعارف میں میرے ذاتی معلومات اور شخصی تاثرات ہیں۔ اگر کہیں افراط و تفریط ہوگئی ہو تو میں اپنے احباب سے معذرت خواہ ہوں۔"

جو لوگ اقامت دین کے نصب العین اور اس کے لیے کام کرنے والوں کی جدوجہد اور ان کے خیالات و جذبات سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لیے یہ کتاب خاصی دلچسپ اور مفید ہے۔ اسعد صاحب کے منجھے ہوئے قلم اور ان کے اندرونی جذبات نے جگہ جگہ بڑی موثر گل کاریاں کی ہیں۔ یہ کتاب قاری کے سامنے ان کے دماغ اور ان کے دل دونوں ہی کو پیش کرتی ہے۔ اور بحیثیت مجموعی جماعت اسلامی پاکستان کے مقصد و تحریک پر اچھی روشنی ڈالتی ہے۔

الجمال و الکمال تفسیر سورۂ یوسف

تصنیف علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔ صفحات ۲۵۰۔ قیمت مجلد گرد پوش کے ساتھ چھ روپیے۔ ناشر: المکتبۃ الرحمانیہ ۱۲ اے شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور۔ ملنے کا پتہ :- پاک اکیڈمی ۱۷/۱ وحید آباد کراچی ۱۸

"رحمۃ للعالمین" کے مصنف مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری کوئی غیر معروف عالم نہیں ہیں۔ اپنے وقت کے مشہور عالم دین اور مشہور مصنف تھے اور آج بھی ان کی تصنیفات سے استفادہ جاری ہے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی انہیں کی تصنیف ہے۔ چالیس سال پہلے یہ تفسیر شائع ہوئی تھی اور اب تقریباً نایاب تھی۔ المکتبۃ الرحمانیہ نے اس کو دوبارہ شائع کر کے مفید علمی خدمت انجام دی ہے۔

اس اشاعت پر جناب غلام رسول مہر نے ایک مختصر مقدمہ تحریر کیا ہے۔ بلاشبہ یہ تفسیر اہل علم کے مطالعہ کے لائق ہے۔ مولانا منصور پوری علیہ الرحمۃ کی عام تصنیفات کی طرح یہ کتاب بھی معلومات سے بھری ہوئی ہے۔ سورۂ یوسف کی آیات کی تفسیر میں مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے ان سب سے اتفاق ضروری نہیں ہے۔ بعض آیات کی تفسیر میں قدیم [illegible] مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ مولانا منصور پوری نے اپنی تحقیق پیش کی ہے۔ [illegible] پوری کتاب

کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کے مطالعے سے کچھ ایسا اندازہ ہوا کہ مولانا کو اس تفسیر پر نظر ثانی کی مہلت نہیں ملی۔ ورنہ متضاد باتیں اس میں جگہ نہ پاسکتیں۔ مثال کے طور پر سورۂ یوسف کی آیت ۹۴ میں قال ابوھم کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ " ھم " سے مراد پوتے ہیں کیونکہ بیٹے تو سب مصر چلے گئے تھے۔ لیکن آیت ۹۵ میں قالوا کا فاعل انھوں نے بیٹوں کو قرار دیا ہے اور اس پر "بیٹوں کا گستاخانہ جواب" کا عنوان لگایا ہے حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ آیت ۹۴ میں حضرت یعقوبؑ نے جن لوگوں کو مخاطب کیا ہے آیت ۹۵ میں انہیں لوگوں کا جواب مذکور ہے۔ اسی طرح مولانا نے صفحہ ۱۹۶ میں لکھا ہے کہ اولین شریعت شریعت موسوی تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے عہد تک کوئی شریعت نازل نہ ہوئی تھی جس میں تفصیلی احکام ہوں اور پھر مصنف ہی صفحہ ۲۲۲ میں لکھتے ہیں کہ شریعت کا آغاز آدم علیہ السلام سے ہوا۔ شریعت مجموعہ امر و نہی کا ہے۔ مختصر یا مفصل ہونا اس کلیہ میں کچھ تفاوت نہیں پیدا کرتا۔

بعض باتیں اور اسی طرح کی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کو اپنی کتاب پر غور کرنے کا موقع نہیں ملا۔ صفحہ ۹۷ میں لکھتے ہیں۔ " اعطا اور ایتا ر دونوں کے معنی دینے کے ہیں مگر استعمال میں یہ فرق ہے کہ اعطا کسی مادی اور مجسم شے کے دینے پر بولا جاتا ہے اور ایتار کا غیر مادی اور غیر جسمانی شے پر اطلاق ہوتا ہے " مولانا کو شاید یاد نہ رہا کہ زکوٰۃ کے لیے قرآن میں ایتاء ہی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے اور زکوٰۃ میں غیر مادی اور غیر جسمانی شے نہیں دی جاتی ـــــ صفحہ ۹۴ پر تبنیت یعنی متبنیٰ بنانے کی رسم پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں بہت غلو پایا جاتا ہے ـــــ حضرت یوسف کو کنوئیں میں گرانے کی جو بات آخر کار ان کے بھائیوں نے طے کی تھی اس کے بارے میں مصنف کے لکھا ہے کہ اس سے بھی ان کا مقصد حضرت یوسف کو ہلاک کرنا تھا لیکن قرآن کے الفاظ اس خیال کا ساتھ نہیں دیتے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے " تصدق علینا " کہہ کر جس صدقے کا سوال کیا تھا وہ صدقہ واجبہ نہ تھا اس لیے اس سلسلے میں جو بحث مصنف نے کی ہے وہ بھی دل کو کھٹکتی ہے۔ کتاب میں کتابت کی غلطیاں بھی اچھی خاصی رہ گئی ہیں۔

ع ۔ ق

باپ کے خطوط بیٹی کے نام
سیرت فاطمۃ الزہرا بطرز خطوط

مؤلفہ سید خواجہ معین الدین ام۔ اے۔ بی ایڈ صفحات ۲۰۰ قیمت دو روپیہ
ملنے کا پتہ۔ سید خواجہ معین محلہ چنچل گوڑہ مکان نمبر ۱۹-۴-۱۶
حیدرآباد۔ اے۔ پی

فاضل مؤلف نے اپنی صاحب زادی کے نام خطوط لکھے ہیں جن میں فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی سیرت پیش کی گئی ہے۔ اس سے پہلے مؤلف خطوط ہی کے طرز میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیرت پیش کر چکے۔ اس کتاب میں حیدرآباد کے چند مشاہیر نے تعارف تقریظا ور پیش لفظ تحریر کیا ہے۔ جناب ڈاکٹر میر ولی الدین ایم۔ اے۔ پی، ایچ، ڈی اپنے پیش لفظ میں تحریر کرتے ہیں۔

پیش نظر رسالہ نافعہ" باپ کے خطوط اپنی بیٹی کے نام یعنی سیرت حضرت فاطمۃ الزہراء بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" میرے محترم دوست مولوی سید خواجہ معین الدین صاحب کی ایک دل چسپ مفید اور قیمتی تالیف ہے۔ مولف نے نہایت سادہ اور دلکش زبان میں سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کی زندگی کو پیش کرکے اپنی لڑکی کو ترغیب دی ہے کہ وہ بھی اپنی زندگی کو سیدہ کے نمونے پر ڈھالے اور دنیا و دین میں فوز و فلاح حاصل کرے۔

تبصرہ نگار پوری کتاب تو نہیں پڑھ سکا لیکن جو کچھ پڑھ سکا ہے اس سے اندازہ ہوا کہ لڑکیوں کے مطالعہ کے لیے یہ ایک اچھی کتاب ہے۔ بعض واقعات پر نگاہ رکی ضرور لیکن توقع ہے کہ مولف نے مستند ماخذوں کو اپنے سامنے رکھا ہوگا۔ پیش لفظ میں جناب میر ولی الدین صاحب نے بتول کی وجہ تسمیہ میں جو حدیث نقل کی ہے، معلوم نہیں وہ حدیث کس کتاب میں ہے اور صحیح ہے بھی یا نہیں؟

بحیثیت مجموعی یہ کتاب لڑکیوں کے لیے قابل مطالعہ ہے۔   (ع ق)

حج و زیارت

مولفہ مولانا شاہ عون احمد قادری پھلواروی۔ صفحات ۱۱۲۔ کاغذ، کتابت، طباعت بہتر۔ قیمت ۱۲؍۔ ناشر:۔ دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف ضلع پٹنہ۔ بہار۔

خانقاہ مجیبیہ، صوبہ بہار کی مشہور و معروف اور قدیم خانقاہ ہے۔ سیکڑوں سال سے اس خانقاہ کو دوسری تمام خانقاہوں کے مقابلے میں یہ خاص امتیاز حاصل رہا ہے کہ حضرت پیر مجیب قدس سرہ سے لے کر اس وقت تک اس کے تمام سجادہ نشین اور ان کے قریب ترین اعزہ علم و تقوی دونوں میں ممتاز رہے ہیں۔ مولانا شاہ عون احمد قادری بھی اسی خانقاہ کے رکن رکین اور ہونہار نوجوان لوگوں میں اپنی علمی صلاحیت کے لحاظ سے ممتاز ترین ہیں۔ خانقاہ کا دارالاشاعت اب تک متعدد کتابیں شائع کر چکا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ کتاب [illegible] صلاۃ" حج کے اور اس کے احکام و مسائل سے متعلق "زیارت

اور اس کے آداب و شرائط" تیسرا "حجۃ الوداع" اور چوتھے حصے میں سفر حج کے متعلق ضروری ہدایات کے عنوان سے حضرت اقدس مولانا شاہ بدر الدین قدس سرہ کے چند مکتوبات شائع کیے گئے ہیں۔ اخیر میں "تمنائے حاضری اور شوق لقا کے چند معروضات" کے عنوان سے فارسی و اردو کی چند جذب انگیز غزلیں ہیں۔ "حجۃ الوداع" ایک مستقل علمی رسالہ ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔ ہر موقع کی دعائیں بھی التزام کے ساتھ اس کتاب میں موجود ہیں۔ زیارت حرمین شریفین پر اردو میں جو ذخیرہ تیار ہو گیا ہے اس میں یہ کتاب ایک مفید اضافہ ہے۔ اس کتاب کے پیش لفظ سے معلوم ہوا کہ لوگ غیر مطبوعہ شکل میں بھی اس سے استفادہ کرتے رہے اور رسائل اور دعاؤں کی نقلیں لیتے رہے اب چھپ جانے کے بعد اس سے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔ (ع۔ ق)

ISLAMIC AND EDUCATIONAL STUDIES

اسلامی اور تعلیماتی درسیات

از:۔ ایم۔ ایم شریف صاحب۔ صفحات ۱۲۶ مجلد مع سبز گرد پوش۔ قیمت 5/00

شائع کردہ:۔ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کلچر۔ کلب روڈ۔ لاہور۔

پروفیسر شریف نے جو ایک عالمی شہرت رکھنے والے ملنے ہوئے ماہر تعلیم اور فلسفی ہیں اور جو ان باقیات الصالحات میں سے ایک ہیں جنھوں نے ڈاکٹر اقبال مرحوم سے خاص فیض صحبت اٹھایا ہے۔ اس کتاب میں اس بنیادی ٹھوس اور بے حد ضروری مسئلے پر قلم اٹھایا ہے کہ تعلیمی نظام اور اسلامی نظام فکر کا حیات انگیز" دو آتشہ" کس طرح تیار ہونا چاہیے اور کیوں؟ یہ کتاب سات بیش قیمت ابواب، ایک ضمیمے اور ایک انڈکس پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں اس کا ہوشمندانہ جائزہ لیا گیا ہے کہ کس طرح سائنسی اور صنعتی انقلاب کے بحرانی دور میں آدمی نے غلطی سے زندگی کو دو نیم کر کے اس کی دنیا اور دین کو دو الگ الگ خانوں میں رکھا۔ کس طرح مذہبی تعلیم کو علمی اور صنعتی ارتقا کی راہ میں رکاوٹ سمجھ کر اس کو تعلیمی نظام سے باہر نکالا گیا۔ لیکن پھر کس طرح اس تقسیم کے نتیجے میں انسان کو ہولناک اخلاقی خسران اور روحانی زوال سے دوچار ہوتے ہوئے دیکھ کر خود ہی مغرب کے اہل فکر اور دانشور اس خوفناک تقسیم پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں اور اب صالح ذہنوں سے یہ پکار سنی جانے لگی کہ

اپنے بچوں کو تمام مذہب سے محروم کر کے ہم ان کا رشتہ ا... کو ... [illegible]

کے امکان حصول ہی سے کاٹ دیتے ہیں۔

لیکن بقول مصنف موصوف حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ ٹھیک اس وقت جب مغرب سائنس اور صنعت کے محاذ سے اخلاقی تقاضوں کی پیاس لیے ہوئے کھوئے "مذہب" کو ڈھونڈھتا پھر رہا ہے۔ مغرب کی اندھی تقلید کرنے والا مشرق سائنسی اور صنعتی ترقی کی خیریت اسی میں سمجھتا ہے کہ مذہب کے وجود سے اور اس کی تمام افادیت سے ہاتھ دھولیے جائیں۔

کتاب کے پہلے باب میں مصنف نے مغرب پرستوں کی اس حماقت پرست حجاب پر حجاب اٹھانے کی سعی مشکور کی ہے۔ مثلاً:۔

• انگریزوں نے اپنا مذہبی نصاب اسکولوں میں ہندوستانیوں پر نہیں ٹھونسا۔ اس کی تعریف کرتے ہوئے کچھ اس کا کریڈٹ انگریزوں کی عالی ظرفی کو دیتے ہیں تو کچھ یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب اور اس کی تعلیم کے پاس موجودہ ارتقاء کو تیز کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے ورنہ یورپ کی یہ "روشن خیال" قومیں اس کو آدمی کی پرائیوٹ زندگی کے خانے میں بند نہ کرتیں۔ اس کتاب کا یہ باب بتاتا ہے کہ درحقیقت مغربی قومیں اور خود انگریزوں کے اس ترک مذہب کی وجہ اور ہی کچھ تھی۔ اور وہ یہ کہ سولھویں صدی میں خود مذہب کا چراغ یورپ کے نشاۃ ثانیہ اور سائنسی انقلاب نے گل کر دیا تھا۔ اس لیے انگریزوں میں مذہب کو مذہب کے طور پر استعمال کرنے کا داعیہ ہی کہاں سے آتا؟ اس کے علاوہ وہاں کے مذہب اور اسلام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جو مذہب وہاں تھا وہ مذہب کی واقعی بگڑی ہوئی شکل تھی اور وہ بیچ بیچ علم و فکر کے بال و پر کاٹ دینا چاہتا تھا۔ اسلام مذہب کی نکھری ہوئی اصل شکل ہے جو علم و فکر کی اڑان تیز کرنے پر ابھارتا ہے۔

• مسیحیت میں کلیسا اور ریاست کی تقسیم کرنا پڑی اور اس کے نتیجے میں مذہبی اور لادینی ریاست کی دو اصطلاحیں ابھریں۔ اسلام میں خدا اور قیصر کی دوعملی سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس لیے درحقیقت پاکستان کو اسلامی ریاست بنانا ٹھیک وہی معنی رکھتا ہے جو مسیحی یورپ میں لادینی ریاست بنانے سے آخر کار نکلتا ہے۔ اس نزاع لفظی کو سمجھنے کے بجائے سطحیت اور تقلید مغرب کے مارے ہوئے لوگ نزاع لفظی کے پھیر میں پھنس گئے اور اس کو اصولی نزاع کی شکل دے بیٹھے۔ اور مغرب کے لادینی ریاست کے نعرے کو سنتے ہی اسلامی ریاست کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

پروفیسر شریف علمی حیثیت سے "مجمع البحرین" قسم کی شخصیت معلوم ہوتے ہیں جو ایک طرف اسلام کے ماخذ اصلی کتاب و سنت سے براہ راست واقف ہیں تو دوسری طرف یونان و روم کے افکار اور جدید فلسفہ و سائنس سے بھی براہ راست خوب آگاہ ہیں۔ یہ ذو جہتین آگاہی بھی بے کیف ہو جاتی ہے اگر ان کے علم میں صحیح نا فراست اور صالح اعتدال نہ پایا جاتا۔ لیکن خدا نے ان کو یہ دولت توازن بھی دی ہے۔ اور یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔

یوں تو پوری کتاب کا مواد مصنف نے خون دل و جگر سے سینچا ہے اور جو لوگ اس سے استفادے سے محروم رہیں گے ان کی محرومی میں کوئی شک نہیں لیکن یہ افادیت کچھ اور سہل الحصول اور دو رس ہو جاتی اگر کہیں کہیں فلسفہ کا رنگ ضرورت سے زیادہ غالب نہ آ جاتا۔ اس دور میں بات کرتے ہوئے فلسفیانہ آہنگ اختیار کرنے میں جہاں فائدے ہیں وہاں یہ مضرت بھی ہے کہ فلسفیانہ اصطلاحیں دل کے بجائے شدت کے ساتھ دماغ کو چھیڑنے لگتی ہیں۔ فلسفہ سوچنے کی چیز ہے اور یہ کتاب ایک عملی انقلاب کا پیغام ہے اس لیے اس کی زبان کو "پیچ و تاب رازی" کے مقابلے میں "سوز و ساز رومی" سے زیادہ قریب ہونا چاہیے تھا۔ مصنف ان کی اس کتاب اور اس کے وقیع ناشرین کے حق میں دعائے خیر و برکت کے بعد چند باتیں "تبادلۂ خیال" کے طور پر عرض کی جاتی ہیں۔

صفحہ ۶ پر مصنف کا یہ خیال کہ عیسائیت اور اسلام دونوں کا تعلیمی آدرش ایک ہے حقیقت امری کے طور پر بجا ہی مگر موجودہ صورت حال میں اس کا اظہار صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ موجودہ مسیحیت جب پوری زندگی کے لیے کوئی ہمہ گیر نظام ہی نہیں رکھتی تو اس کے اس تعلیمی آدرش میں کون سی عملی اپیل رہ جاتی ہے؟ ــــ اسلام زندگی کا نظام رکھتا ہے اور پھر یہ آئیڈیل پیش کرتا ہے۔ اس لیے دونوں کو ایک صف میں کھڑا کرنے سے اندیشہ ہوتا ہے کہ دونوں کے دعوے کو برابر کا وزن نہ دے دیا جائے۔

صفحہ ۱۹ پر کچھ اس قسم کا خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام کرنے والے اہل ایمان صرف مسلمانوں ہی میں نہیں پائے جاتے بلکہ وہ غیر مسلموں میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ یہ بات اس طرح نہیں ہے۔ قرآن نے اہل کتاب کے اس خاص گروہ کے متعلق یہ بات کہی تھی جو اسلام کی اشاعت اور مسیحیت کی تحریف کے درمیان عبوری دور میں حق کی تلاش اور انتظار میں جی رہا تھا۔ لیکن اب جبکہ اسلام پھیل چکا ہے اور کتنی تحریف عیسائیت اپنے تحریف پر جامد ہو گئی ہے اس لیے حق کا علم رکھنے کے باوجود جو قبول حق سے محروم ہے وہ اب حق سے باہر ہے اس لیے جو خود امر و نواہی کو نہیں جانتا وہ اس کے امر و نہی کا کام کیا کرے گا۔ ([illegible])

سرسید اور اصلاحِ معاشرہ مرتبہ شاہد حسین رزاقی، ایم اے (عثمانیہ) صفحات ۲۵۶ کاغذ معمولی کتابت و طباعت اوسط۔ قیمت مجلد گرد پوش کے ساتھ چار روپے ۲۵ پیسے

ناشر :- ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور۔

سرسید احمد خاں مرحوم و مغفور مسلمانوں کے ان بلند رتبہ رہنماؤں میں سے ایک ہیں جن کے افکار و خیالات اور جن کی سعی اصلاح ان کی زندگی سے لے کر آج تک زیر بحث ہے۔ جس طرح یہ بات غلط ہے کہ ان کی خدمات سے انکار کیا جائے اسی طرح یہ روش بھی نادرست ہے کہ ان کے تمام افکار و خیالات اور ان کی سعی اصلاح کے تمام گوشوں کی تصویب و تائید کی جائے۔ ان کی سب سے بڑی کمزوری مغربی تہذیب سے وہ مرعوبیت تھی جو اس کے اقتدار اور اس کی چکاچوند نے ان کے دماغ میں پیدا کر دی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے بعض ایسے دینی احکام کو غلط تاویل کی خراد پر چڑھا دیا جو دینِ اسلام میں تو مسلم تھے لیکن مغربی تہذیب میں ان کی اجازت نہ تھی۔ مسلمان معاشرے کی اصلاح میں بھی اس مرعوبیت نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ فاضل مرتب نے بڑی محنت اور کوشش سے اس کتاب میں سرسید کی اصلاح معاشرے کے اصول و افکار اور ان کے کارناموں کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو لوگ ان کے اصلاحی کارناموں کو جاننے کے خواہش مند ہوں ان کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔ (ع۔ ق)

بقیہ اشارات

ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا تھا اور وہ نیابت یہی تھی کہ وہ اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایات پر خود عمل کریں اور دوسروں سے عمل کرائیں۔ کیا اس نیابت کے دائرے سے حکومت خارج ہے؟ یقیناً خارج نہیں ہے۔ ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ وہ اس دنیا سے اپنا فریضۂ نیابت پوری طرح ادا کر کے تشریف لے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ عالمِ انسانی کے نہ صرف سب سے پہلے انسان، سب سے پہلے نبی بلکہ سب سے پہلے حکمراں بھی تھے لیکن اگر کوئی شخص ان کی حکومت کے حدودِ اربعہ کی تعیین اور اس کے باشندوں کی مردم شماری شروع کر دے تو کیا اس کی یہ روش صحیح ہوگی؟ اسلامی حکومت کا رقبہ اور اس کے باشندوں کی تعداد اپنے زمانے کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی رہی ہے اس لیے مساحت اور مردم شماری کے کسی خاص [illegible] سے اس کا ناپنا ممکن نہیں ہے جس طرح حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور سب [illegible]

والسلام کو اللہ نے حکومت عطا کی تھی۔ حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو بھی اس نے حکومت عطا کی تھی۔ رقبہ اور تعداد کا جزوی فرق، حکومت کی حقیقت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔

ممکن ہے میرا یہ جواب لوگوں کو نیا معلوم ہو لیکن قرآن نے رسولوں کے بارے میں اللہ کی جس سنت کا ذکر کیا ہے ان کو غالب کرنے کے جو صریح وعدے کیے گئے ہیں اور ایفائے وعدہ کے جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان کو سامنے رکھ لیا جائے تو اس جواب کی صحت میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا۔

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بوجھ اتنا ہی ڈالا ہے جو ان کی قوت استطاعت کے اندر ہو اس نے کسی کو بھی تکلیف مالایطاق نہیں دی ہے۔ فریضۂ اقامت صلوٰۃ ہو یا فریضۂ اقامت دین، بندے کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کو انجام دینے اور اس کو بروئے کار لانے میں اپنی پوری قوت اور تمام صلاحیت صرف کر دے اور اس کی جدوجہد میں کوتاہی نہ کرے اگر اس نے یہ کر لیا تو کامیاب ہے۔ اس صورت میں بھی کہ اس نے بالفعل اس فریضے کو انجام دے دیا ہو اور اس صورت میں بھی کہ وہ بالفعل اس کو انجام دینے پر قادر نہ ہو سکا ہو۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر کسی نبی و رسول کی شہادت حق کو ناقص اسی وقت قرار دیا جا سکتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ ان میں سے کسی نے جدوجہد میں کمی کی تھی یا کوتاہی برتی تھی لیکن ہمیں کتاب و سنت نے یہ یقینی علم عطا کیا ہے کہ کسی نبی نے بھی شہادت حق یا فریضۂ اقامت دین میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی اس لیے کسی نبی کی شہادت حق کو ناقص قرار دینے کی ادنیٰ ترین وجہ بھی موجود نہیں ہے — یہ جواب بھی اپنی جگہ بالکل صحیح ہے لیکن جیسا کہ میں نے پہلے جواب میں عرض کیا واقعہ کے طور پر یہ کہنا ہی صحیح نہیں ہے کہ بہت سے رسولوں نے اسلامی حکومت قائم نہیں کی ہے۔ الجھن اس لیے پیش آتی ہے کہ لوگ لفظ حکومت بول کر اس سے موجودہ دور کی کسی حکومت کے لوازمات مراد لیتے ہیں۔

Monthly 'ZINDGI' Rampur, July 1965 Regd. No. L-688

Only Title printed at Shauker Press, Rampur

رام پور، یوپی

سالانہ چھ روپے

فی پرچہ ۶۰ پیسے

ماہنامہ

زندگی رامپور

جلد ۳۵
شمارہ ۲

ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ
اگست ۱۹۶۵ء

مدیر:- سید احمد قادری

- خط و کتابت و ارسالِ زر کا پتہ
- زرِ سالانہ:- چھ روپیہ — ششماہی: ساڑھے تین روپیہ — فی پرچہ:- ۶۰ پیسے

ممالکِ غیر سے بارہ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

مالک: جماعت اسلامی ہند۔ ایڈیٹر: سید احمد عروج قادری۔ پرنٹر پبلشر: احمد حسن۔ مطبع: دہلی پرنٹنگ ورکس محلہ بنگلہ کار...

مقامِ اشاعت:- دفترِ زندگی، رامپور یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

سید احمد قادری

۱۹ر جون ۶۵ء کو اچانک یہ اطلاع آئی کہ الجزائر میں فوج نے احمد بن باللہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا، اور اب حکومت کے سربراہ حواری بومدیان ہیں۔ بومدیان، ابومحی الدین کا بگڑا ہوا فرانسیسی تلفظ ہے۔ کرنل ابومحی الدین کی مدد سے بن باللہ نے اپنی آمریت کا تخت بچھایا تھا اور آخر کار اسی شخص نے ان کا تخت آمریت الٹ دیا۔ ماہنامہ زندگی، دسمبر ۶۳ء کے اشارات میں لکھا گیا تھا۔

> اسلامی ممالک کے عوام نے بیرونی طاقتوں کی غلامی سے آزاد ہونے کے لیے بڑی قربانیاں دی ہیں، انھوں نے اس کے لیے مسلسل اور انتھک محنت کی ہے۔ سخت مشقتیں برداشت کی ہیں اور مثال کے طور پر الجزائر کے عوام نے جان و مال کی ایسی قربانی دی ہے کہ آزادیِ وطن کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ لیکن آزادی ملنے کے بعد بہت جلد ان پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ جس آرزو اور جس تمنا میں انھوں نے یہ قربانیاں دی تھیں اس کا حصول اب پہلے سے زیادہ مشکل ہوگیا ہے۔ انھوں نے سمجھا تھا کہ وہ اپنے دین و مذہب اور قومی و ملی انفرادیت کی آزادی کے لیے قربانیاں پیش کر رہے ہیں اور جب ان کا ملک بیرونی جوے سے آزاد ہوگا اور وہ خود اس خاردار اور بے رحم ڈنڈے سے نجات پائیں گے جو انہیں دینی و اخلاقی تباہی کی طرف ہانک رہا ہے تو ان کا دین آزاد ہو جائے گا، ان کی تہذیب آزاد ہو جائے گی، ان کی اخلاقی قدریں آزاد ہو جائیں گی اور ان کے ملک میں ایک ایسی حکومت قائم ہوگی جو خلافت راشدہ نہ سہی، اس کا عکس اور پرتو ضرور ہوگی لیکن آج ثریا سے [illegible] ہر جگہ کے عوام زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ وہ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ بیرونی طاقتوں نے اپنا خاردار اور بے رحم ڈنڈا [illegible]

کے ہاتھوں میں تھما دیا ہے اور وہ انہیں ٹھیک ایسی تباہی کی طرف ہانک رہے ہیں جس کی طرف بیرونی ہاتھ ہانک رہے تھے اور ستم یہ ہے کہ ان اندرونی ہاتھوں نے اس ڈنڈے پر اسلام اور قومی وطنی محبت کا غلاف بھی چڑھا لیا ہے۔

مغربی تہذیب کے وقت کی جڑ آخرت فراموشی اور اس کا پھل دنیا پرستی ہے۔ آخرت فراموشی اور دنیا پرستی نے منطقی نتیجے کے طور پر انسانوں کے سامنے ان کی زندگی کا صرف ایک ہی نصب العین پیش کیا ہے اور وہ ہے مادی ترقی۔ یہی نصب العین اشتراکیت کے نمائندوں کے سامنے بھی ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کے نمائندوں کے سامنے بھی، ایک کا آئیڈیل ماسکو ہے اور دوسرے کا واشنگٹن ۔ اس نصب العین نے ملحد وغیر ملحد دونوں کی منزل مقصود ایک کر دی ہے مسلمان حکومتوں میں سے چند کے سامنے واشنگٹن ہے اور چند کے سامنے ماسکو۔ عہد رسالت کا مدینہ ہر ایک کی نگاہ سے اوجھل ہے۔

الجزائر کے سابق صدر احمد بن بالا نے مصر کے جمال عبد الناصر کی شاگردی میں سوشلزم کو اپنے ملک کی منزل مقصود قرار دیا تھا اور اپنی آمریت کے مطلق العنان ڈنڈے سے وہاں کے عوام کو اسی منزل کی طرف ہانک رہے تھے جس منزل کی طرف مصر کے عوام کو ہانکا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو کمیونسٹ ممالک، اور ان میں بالخصوص روس کی حمایت حاصل تھی۔ مراکش کے ساتھ کش مکش کے وقت زندگی میں لکھا گیا تھا۔

ابھی فرانس کا اقتدار ان ملکوں سے پوری طرح ختم بھی نہیں ہوا ہے کہ یہ دونوں آپس ہی میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگے ہیں کل تک وہاں کے مسلمان فرانسیسیوں کی گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے اور آج مراکش اور الجزائر کے مسلمان خود ایک دوسرے کو گولی کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ مراکش کی پشت پر فرانس، امریکہ اور سپین کا ہاتھ ہے اور الجزائر کی پشت پر جمال عبد الناصر کے واسطے سے روس کا دست شفقت۔

زندگی دسمبر ۱۹۶۳ء

اب اس تازہ انقلاب نے روس کے دست شفقت کو خودی جھٹک دیا ہے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جون کے پہلے عشرے میں الجزائر کی جمعیۃ العلماء کے صدر علامہ شیخ محمد البشیر الابراہیمی نے اپنے گھر پر حالت نظر بندی میں وفات پائی اور اسی ماہ کے دوسرے عشرے میں وہ شخص خود ایک لاعلم جگہ نظر بند ہوا جس نے [illegible] علامہ مرحوم کو نظر بند کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ علامہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ ایک طرف وہ علم دین کے بلند و بالا اساطین میں ایک ستون تھے اور دوسری طرف عربی زبان کے بہترین خطیب و ادیب۔ انھوں نے اپنے ملک کے عوام میں فرانس کی جابر و ظالم حکومت کے خلاف جہاد کی روح پھونکی۔ انہیں احیائے اسلام کی جدوجہد کے لیے تیار کیا اور ایک بلند مقصد کے حصول کے لیے سرفروشی سکھائی۔ جب باشندگانِ الجزائر کے خلاف فرانس کا تشدد بہت بڑھ گیا تو وہ اپنے ملک سے نکلے اور دس سال تک مسلسل اسلامی ملکوں میں گھومتے اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے تڑپتے رہے۔ وہ ضعیف ہوچکے تھے۔ ایک پاؤں بے کار تھا، لنگڑا کر چلتے تھے لیکن ان کی قوت کار اور ان کی عزیمت جوانوں کو بھی شرمندہ کرتی تھی۔

انھوں نے اپنی تقریروں میں یہ بات صاف کر دی تھی کہ الجزائر کی جنگِ آزادی، ملک کو صرف فرانس کی باطل حکومت سے آزاد کرانے کی جنگ نہیں ہے بلکہ یہ آزادیٔ اسلام کی جنگ ہے۔ ہم فرانسیسی دستور کے تحت نہیں بلکہ اسلامی شریعت کے تحت زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ یہی آرزو تھی جس نے پورے الجزائر کو متحرک جانباز اور مجاہد بنا دیا تھا لیکن جب فرانس بوریا بستر سمیٹ کر نکل گیا تو نتیجہ کیا نکلا؟ بن باللہ کی ڈکٹیرشپ، سوشلزم کی منزل مقصود، ایک پارٹی کی اجارہ داری اور علامہ بشیر الابراہیمی کی نظر بندی۔

کرنل ابو مجی الدین کی حکومت نے سابق صدر پر جو الزامات لگائے ہیں ان میں کتنے صحیح اور کتنے غلط ہیں؟ یہ ابھی معلوم نہیں لیکن ایک الزام ناقابلِ تردید ہے اور وہ ہے جناب باللہ کی مطلق العنان آمریت۔ بلاشبہ وہ الجزائر کے سرگرم مجاہد اور ممتاز رہنما تھے لیکن انھوں نے اپنے آپ کو تولنے میں غلطی کی۔ انھوں نے اپنے آپ کو صدر جمال عبد الناصر کا ہم پلہ سمجھ لیا حالانکہ مصر پر کرنل عبد الناصر کے غلبہ اور الجزائر میں بن باللہ کی صدارت میں کئی نمایاں فرق موجود تھے۔ سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ جس فوج نے مصر میں شاہ فاروق کا تختہ الٹا تھا۔ کرنل ناصر خود اس کے نمایاں ترین فرد تھے اور وہاں جو انقلابی فوجی کونسل بنی تھی وہ اس کے "دماغ" اور تمام دوسرے ممبروں پر چھائے ہوئے تھے کچھ دنوں کے لیے مصلحۃً انھوں نے جنرل نجیب کو آگے کر دیا تھا لیکن جب کام نکل گیا تو انہیں دودھ کی مکھی کی طرح باہر پھینک دیا اس کے بعد کوئی نہ تھا جو ان کی دیو قامتی کے مقابلے میں آسکتا۔ الجزائر میں صورت حال یہ نہ تھی وہاں کی سب سے منظم اور مسلح فوج کے سربراہ کرنل ابو مجی الدین تھے اور انہیں کی مدد سے ان کی صدارت کا تخت جما تھا۔ انھوں نے اپنے ان ممتاز ساتھیوں کو جن کی خدمات جنگ آزادی میں ان سے کم نہ تھیں ایک ایک کر کے میدان سے ہٹا دیا اور اب آخر میں کرنل ابو مجی الدین کی باری تھی لیکن

اس سے پہلے کہ ان پر ہاتھ ڈالنے کا موقع ملے۔ ابومحی الدین نے انہیں گرفتار کرکے لامعلوم قید خانے میں پہنچا دیا۔

الجزائر کا یہ تازہ انقلاب پوری طرح کامیاب ہو گا یا نہیں اور اس کی پالیسی کیا ہوگی؟ اس کے بارے میں ابھی کوئی بات اطمینان کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ اب تک اخبارات کے ذریعے جو اطلاعات ملی ہیں ان سے اتنی بات واضح ہو گئی ہے کہ موجودہ حکومت الجزائر کو کمیونزم کا اڈہ نہیں بننے دے گی۔ اب یہ ملک ماسکو کے حلقۂ اثر سے باہر نکل آیا ہے۔ انقلاب کے فوراً بعد اٹلی کے کمیونسٹ اخبار لونیتا نے جو رپورٹ شائع کی ہے وہ خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ الجزیرہ میں اس کے نامہ نگار نے جو رپورٹ بھیجی وہ سنسر سے بچ کر اخبار تک پہنچ گئی۔ کمیونسٹ ممالک کو چوکنا کرنے کے لیے　　اس رپورٹ کی روشنی میں اخبار لکھتا ہے :-

"الجزائر کی نئی حکومت نے کمیونسٹوں کو حکومت، حکمراں قومی محاذ آزادی اور اخبارات سے نکال دیا ہے اور نئی حکومت کمیونسٹ اور سوشلسٹ دشمن ہے۔ الجزائر کے وزیر خارجہ مسٹر عبدالعزیز کے متعلق الجزیرہ کے ڈپلومیٹک حلقوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ انھوں نے امریکہ نواز نقطۂ نظر اور رویہ اختیار کر رکھا ہے جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا ہے ان میں وزیر صحت، قومی اسمبلی کے صدر اور محمد آیت حسین شامل ہیں جو قومی محاذ آزادی کے وفد کے سربراہ کی حیثیت سے اطالوی کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں سے ملے تھے"

۲۲ جون کو کمیونسٹ کیوبا ریڈیو سے سرکاری بیان نشر کیا گیا کہ :-

"ہم الجزائر میں اس رجعت پسند فوجی انقلاب کی مذمت کرتے ہیں معزول صدر بن بیلا نے دنیا کا احترام اور تعریف حاصل کی ہے اور ان کو ہٹانے سے ان عوام میں ناراضی پھیلی ہے جو امن اور آزادی سے محبت کرتے ہیں"

ریڈیو کے اس سرکاری بیان سے بھی تسلی نہیں ہوئی تو ۲۶ جون کو خود کیوبا کے وزیر اعظم فیڈل کاسٹرو نے کھل کر بن بیلا کی حمایت اور تازہ انقلاب کی مذمت کی اور کہا :-

جو لوگ الجزائر کی نئی حکومت اور نئے نظم ونسق کو تسلیم کر رہے ہیں وہ بدترین قسم کی سیاسی نادہ سازی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ ہم موقع پرست نہیں بلکہ مارکس اور لینن کے پیرو ہیں۔ انھوں نے کرنل ابومحی الدین اور مسٹر عبدالعزیز پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ "بومدین نے بن بیلا کے خلاف جو اقدام کیا ہے جمال عبدالناصر کی

میں ان کے کردار کو جانچنا نہیں چاہتا بلکہ ان کے سابقہ رویہ اور ان کے سابقہ طرزِ عمل کی روشنی میں ان کی شخصیت کا جائزہ لینا چاہتا ہوں وہ ہمیشہ فوجی اقتدار پسندی اور سیاسی رجعت پسندی کے حامی رہے ہیں...... الجزائر کے وزیر خارجہ عبد العزیز بھی انقلاب پسند نہیں بلکہ رجعت پسند ہیں۔

خود کرنل ابو مجی الدین نے اپنے ایک بیان میں واضح اشارہ کیا ہے کہ وہ الجزائر کو ماسکو اور متحدہ عرب جمہوریہ کے پروپگنڈے کا مقام نہیں بننے دیں گے۔ چینی حکومت کا سب سے پہلے الجزائر کی نئی حکومت کو تسلیم کر لینا بھی اس رقابت کی علامت ہے جو ماسکو اور پیکنگ کے درمیان ہے۔ روس نے آج ۷ جولائی تک نئی حکومت کو تسلیم نہیں کیا ہے

ہمارے نزدیک سب سے اہم سوال یہ ہے کہ اس تازہ انقلاب کے کرتا دھرتا الجزائر کو کس طرف لے جائیں گے اور دین اسلام کے ساتھ ان کا رویہ کیا ہوگا ؟ اس سوال کا صحیح جواب تو وہاں کے آئندہ حالات ہی دیں گے لیکن چند قرائن ایسے ضرور ہیں جن سے امید بندھتی ہے کہ نئی حکومت اس معاملے میں سابق حکومت سے بہتر ثابت ہوگی سب سے پہلا قرینہ خود کرنل ابو مجی الدین کی شخصیت ہے۔ یہ سابق صدر کی طرح علم دین سے کورے نہیں ہیں بلکہ انھوں نے دین کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے اور کچھ عرصے تک تعلیم دی بھی ہے۔ عملی لحاظ سے وہ ایک کٹر مسلمان کہے جا رہے ہیں۔ فرانس کی تہذیب انھیں اپنا شکار نہیں بنا سکی ہے اس لیے توقع ہے کہ وہ اسلام کو اپنی خواہشات کا خادم بنانے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اسلام صرف ان کی زبان پر نہ ہوگا بلکہ حکومت میں بھی اس کے اثرات نمایاں ہوں گے۔ اور الجزائر کے عوام کی دینی آرزو کسی حد تک پوری ہوگی۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ الجزائر کے علماء نے بھی موجودہ انقلاب کی حمایت کی ہے اور سابق صدر کو اسلام کے لیے نقصان دہ قرار دیا ہے۔ تیسرا قرینہ ان کا وہ تازہ بیان ہے جو انھوں نے قاہرہ کے کثیر الاشاعت اخبار "الاخبار" کے نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے دیا ہے۔ انھوں نے کہا:۔

"جس تحریک نے بن بالا کو معزول کیا ہے وہی تحریک الجزائر میں ایک ایسی سوشلزم کے قیام کی سعی کرے گی جو اس ملک کے مناسب حال اور جو ہمارے تجربات، ہمارے طریق زندگی، ہمارے عادات اور ہمارے مذہب کے مطابق ہوگی۔ انھوں نے کہا، حکومت کی اس نئی تنظیم کے لیے یہ بات بالکل ضروری تھی کہ اس کے خلاف ذہن رکھنے والوں کو بدلا جائے چنانچہ بن بالا کو اس منصب سے معزول کرنے کے لیے معزول

کیا گیا ہے :- (اسٹیٹس مین، ۷ جولائی ۱۹۶۵ء)

کرنل ابومدین کے اس بیان میں الجزائر کے مسلمان عوام کا دل دھڑک رہا ہے اور یہ بیان ان تمام لوگوں کے لیے بڑا خوش آیند ہے جو اسلامی ملکوں میں اسلامی طریق زندگی کو سربلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ الجزائر کے انقلابی لیڈر نے بار بار بھی شدت سے یہ اعلان بھی کیا ہے کہ وہ فوجی ڈکٹیٹرشپ قائم کرنا نہیں چاہتے خارجہ پالیسی کے بارے میں انھوں نے کہا ہے کہ ان کی حکومت مشرق و مغرب کے درمیان معاملات و تعلقات میں ناطرف داری کے راستے پر چلے گی اور عرب ممالک کے درمیان اتحاد کو ایک خاص مقام دے گی۔ نئے لیڈر کے یہ بیانات و اعلانات اس بات کا واضح قرینہ ہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان کی حکومت سابق سے بہتر ہوگی۔

ہم یہاں ایک اور خاص پہلو کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، اس کی بنیاد قیاس پر ہے اور خدا کرے کہ ہمارا یہ قیاس درست ہو۔ وہ خاص پہلو یہ ہے کہ الجزائر کی وہ منظم فوج جس نے فرنچ فوجوں کے چھکے چھڑائے اور جو آج اس ملک کا سب سے طاقتور عنصر ہے۔ اس کی تربیت، یورپ اور امریکہ کے کسی بے دین جنرل نے نہیں بلکہ خود کرنل ابومدین نے کی ہے۔ اس لیے وہ اسلامی طریق زندگی سے اس درجہ بے بہرہ و بے زار نہ ہوگی جس درجہ (سعودی عرب کو چھوڑ کر) دوسرے اسلامی ملکوں کی فوجیں ہیں۔ کیونکہ ان کی تربیت یا تو یورپ کے جنرلوں نے کی ہے یا ان کے مسلمان شاگردان رشید نے اور یہی فوجیں ان ملکوں میں اسلام کی راہ میں روڑے بنی ہوئی ہیں۔ اگر ہمارا یہ قیاس درست ہو تو الجزائر کی فوج کا یہ دینی پہلو ہماری توقعات کو بہت بڑھا دیتا ہے۔

الجزائر کی نئی حکومت کے سامنے بہت سی مشکلات ہیں جنھیں حل کرنا ہے۔ مثال کے طور پر پہلی مشکل یہ ہے کہ بن بالا نے ملک کو مادہ پرستی کی جس راہ پر لگا دیا تھا اب اس سے اس کا رخ موڑنے میں وقت بھی لگے گا اور مادہ پرستوں کے قلیل عنصر کا مقابلہ بھی کرنا ہوگا۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ بے دین حکومتیں اسلام کے خلاف سازشیں کریں گی اور ان کی کوشش یہ ہوگی کہ اسلام پسند حکومت کو ناکام بنا دیں اور یہ سازشیں شروع بھی ہو چکی ہیں نئی حکومت سازش کرنے والوں کو بار بار تنبیہ کر رہی ہے۔ تیسری بڑی مشکل فرانس کے تباہ کردہ الجزائر کی مالیات اور حکومت کے نظم و نسق کو درست کرنا ہے۔

آخر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نئی حکومت کو اسلام کا مخلص خادم بنائے، اس کی مشکلات کو دور کرے اور بے دین حکومتوں کے مقابلے میں اس کی مدد فرمائے۔ آمین

بھارت میں ملت اسلامیہ کے ملی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے حکومت سے کوئی بھی مطالبہ کیا جائے اس کے حصول اور اس کی کامیابی کے لیے سب سے زیادہ جو چیز ضروری ہے وہ مسلمانوں کا باہمی اتحاد اور طریق عمل میں ہم آہنگی ہے کسی جائز حقوق کے حصول کے لیے جب تک پوری ملت ہم آواز ہو کر مطالبہ نہ کرے اور اس کے لیے جو سعی کرنی ہے اس میں ہم رنگی اور ہم آہنگی نہ ہو اس وقت تک اس کے حصول کا خیال، خیال خام کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مسلم مجلس مشاورت کے قیام کی غرض یہی ہے کہ مشترک ملی مسائل کے حل کے لیے ایک متحدہ پلیٹ فارم وجود میں آجائے۔ بڑے انتظار اور کافی جد وجہد کے بعد ایک ایسی مجلس بن سکی ہے۔ اب اس کو قائم رکھنا، اس کو تقویت پہنچانا اور اس کو انتشار سے بچانا ان تمام افراد اور جماعتوں کا کام ہے جو اس میں شریک ہیں اور عام مسلمانوں کو بھی یہ دیکھتے رہنا چاہیے کہ کوئی شخص محض اپنے ذاتی مفاد اور ذاتی شہرت طلبی کے لیے اس کو نقصان نہ پہنچائے۔

مسلم مجلس مشاورت سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے مجلس نے اپنے ارکان سے مشورہ کرکے یہ مسئلہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس طرح اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے تمام آئینی و قانونی چارہ جوئی اس کے سپرد ہوگئی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ مجلس اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوگی اور اس سلسلے میں کسی جائز سعی سے دریغ نہ کرے گی۔

ہندستان میں کچھ ایسے مسلمان بھی پائے جاتے ہیں جن کی آنکھوں میں یہ متحدہ پلیٹ فارم کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے ان کی کوشش یہ ہے کہ یہ اتحاد ختم ہو۔ مسلم عوام کو اپنی تائید و حمایت کا پورا وزن مجلس مشاورت کے پلڑے میں ڈال کر افتراق کرنے والوں کی سعی کو ناکام بنا دینا چاہیے۔ مسئلہ مسلمانوں کی واحد نمائندگی کا نہیں ہے بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ انہیں اپنے مشترک ملی مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک متحدہ پلیٹ فارم کی ضرورت ہے اور مسلم مجلس مشاورت یہی ضرورت پوری کرتی ہے۔

بقیہ مضمون "اللہ"

تو لوگ کس بے کسی اور بے بسی کے عالم میں مرنے والے کو تکتے رہتے ہیں۔ اگر یہ جان کسی قدرت والی ہستی کے قبضہ و اختیار میں نہیں ہے تو یہ تکنے والے اسے لوٹا کیوں نہیں لیتے۔ یہی اللہ ہے جس کی مٹھی میں نہ صرف انسان بلکہ تمام مخلوقات بے اختیار اور بے بس ہے

اقامت دین کے اہل کون لوگ ہیں

سید احمد قادری

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ
اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا
الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ
اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ
لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

(ترجمہ) تم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو یہ انفال تو اللہ اور اس کے رسول کے ہیں۔ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں قصوروں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔

یہ بات ہم سب کو معلوم ہے کہ سورۂ انفال میں غزوۂ بدر پر تبصرہ کیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ غزوۂ بدر سب سے پہلی باضابطہ جنگ ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ یا اقامت دین کے لئے لڑی گئی۔ نیز یہ بات بھی ہمیں معلوم ہے کہ یہ پہلا موقع تھا جب مسلمانوں کو ان کی جانی و مالی قربانیوں کے صلے میں اجتماعی طور پر کچھ مال غنیمت ہاتھ لگا

تھا۔ مال کی محبت، انسان کی طبیعت میں داخل ہے اور غنیمت کے بارے میں ابھی اسلامی قانون نازل نہیں ہوا تھا
اس لئے بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے صحابہ کرام کے درمیان اختلاف پیدا ہوا اور اس میں اتنی شدت پیدا ہوئی کہ
باہمی تعلقات کی خوش گواری پر اس کا برا اثر پڑنے لگا۔ اس موقع پر سورۂ انفال نازل ہوئی اور اس کی ان
ابتدائی چند آیتوں میں مسلمانوں کی داخلی اصلاح کے لئے بالخصوص، بہترین ہدایات دی گئیں۔ اس وقت یہ آیتیں
غزوۂ بدر کی تفصیلات پیش کرنے کے لئے منتخب نہیں کی گئی ہیں بلکہ یہی وہ ہدایات ہیں جنھیں یاد کرنا اور یاد
دلانا مقصود ہے۔

ان آیتوں میں تین بہت ہی بنیادی باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ایک یہ کہ اقامت دین کی جدوجہد
کا اس کے ہر مرحلہ میں۔ اصل محرک کیا ہونا چاہیئے! دوسری یہ کہ وہ کون لوگ ہیں جو دین کو سربلند کرنے کی اہلیت
رکھتے ہیں؟ اور تیسری یہ کہ ایسے لوگوں کا حقیقی اجر کیا ہے؟

محرک کیا ہونا چاہیئے

اس سوال کا جواب آیت کے پہلے ٹکڑے میں ہے ——————
اس ٹکڑے میں مال غنیمت کے بارے میں جو سوال و جواب مذکور ہے
اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا اس کے استحقاق کے بارے میں صحابہ کرام کے
تین گروہوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ ایک گروہ وہ تھا جس نے مال غنیمت جمع کیا تھا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ ہم نے محنت
کرکے یہ مال اکٹھا کیا ہے اس لئے اس کے مستحق ہم ہی ہیں، کسی دوسرے کا اس میں حصہ نہیں ہے۔ دوسرا گروہ
وہ تھا جس نے دشمنوں کا تعاقب کیا تھا اور انھیں مار بھگایا تھا۔ اس گروہ نے پہلے گروہ سے کہا کہ تم اس مال کے
ہم سے زیادہ مستحق نہیں ہو اس لئے کہ دشمن کی فوج کو بھگانے والے ہم ہیں۔ اگر ہم تعاقب نہ کرتے اور دشمن
پلٹ پڑتا تو یہ مال ہمیں ملتا ہی نہیں۔ تیسرا گروہ، وہ تھا جو سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہا
تھا اور حضور کو اپنے حلقے میں لئے ہوئے تھا۔ اس گروہ کا خیال یہ تھا کہ جس ذات کے طفیل میں یہ مال ہمیں ملا ہے
اس کی حفاظت ہم نے کی اگر خدانخواستہ اس ذات کو چشم زخم پہنچ جاتا تو پھر مال غنیمت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا
یہ اختلاف اپنی حد سے کچھ آگے بڑھ گیا۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں۔

اختلفنا فی النفل وساءت — مال غنیمت میں ہم نے اختلاف کیا اور اس
فیہ اخلاقنا (ابن کثیر) — میں ہمارے اخلاق پر برا اثر پڑا۔

یہ تھا وہ نازک موقع جس میں یہ آیت نازل ہوئی کہ تم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ

یہ انفال اللہ اور اس کے رسول کے ہیں" ایک جملے میں، سارے اختلافات ختم کر دیئے گئے اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کو یہ اخلاقی تعلیم بھی دی گئی کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جد وجہد اور جہاد و قتال کا محرک، رضائے الٰہی اور اجر آخرت کا حصول ہونا چاہیئے نہ کہ مال غنیمت، تنہا اصل اجر تو اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ یہ مال غنیمت تو محض نفل (حق واجب سے زیادہ) ہے جو اللہ کی طرف سے مزید انعام کے طور پر تمہیں عطا کیا گیا ہے۔ اور انعام دینے والا ہی یہ فیصلہ کرے گا کہ یہ کس کو دیا جائے اور کتنا دیا جائے۔ یہ حقیقت جانتے ہی صحابہ کے اختلافات ختم ہو گئے اور تاریخ گواہ ہے کہ اس مسئلے میں پھر کبھی ان کے درمیان اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ ایک جملے میں اختلاف ختم کرنے کے بعد تین مستقل احکام و ہدایات عطا کئے گئے۔ تقویٰ اللہ۔ اصلاح ذات البین اور اطاعت خدا اور رسول۔

اللہ کا تقویٰ

"پس تم لوگ اللہ سے ڈرو"۔ یہ حکم دوسرے تمام احکام پر عمل کرنے کی اصل اور اس کا حقیقی وسیلہ ہے، دل میں اگر خدا کا خوف اور اپنے آخری انجام کی فکر نہ ہو تو پھر کچھ نہیں ہو سکتا۔ نہ امر کی تعمیل اور نہ نہی سے اجتناب۔ اللہ کا تقویٰ وہ برقی رو ہے جو انسانی جسم کی مشین کو صحیح سمت میں متحرک رکھتی ہے اگر یہ برقی رو ختم ہو جائے تو پھر شیطان اس مشین پر قبضہ جمالیتا اور اسے غلط سمت میں متحرک کر دیتا ہے۔

اصلاح ذات البین

"اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو"۔ یہ حکم کسی امت، کسی گروہ اور کسی جماعت کے داخلی استحکام کے لئے بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر خود آپس میں پھوٹ پڑی ہوئی ہو تو پھر کسی خارجی دشمن کے مقابلے میں استحکام کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اگر افراد کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہوں تو ایسے افراد کے مجموعے کو جماعت کہنا ہی صحیح نہیں ہے، ایسی جماعت تحسبہم جمیعا وقلوبہم شتی کی مصداق ہوگی۔ اصلاح ذات البین، باہمی ربط اور آپس کے تعلقات کی درستگی کو کہتے ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ امت مسلمہ کو باہم جوڑنے والا رابطہ، اسلام کا رابطہ ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ اسلامی ربط کمزور پڑ جائے تو امت انتشار سے بچ نہیں سکتی یہی وجہ ہے کہ کتاب و سنت میں اصلاح ذات البین کی بڑی تاکید آئی ہے۔ اس پر امت کی عزت اور قوت موقوف ہے اور یہ وحدت امت کی بقا کا بنیادی وسیلہ ہے۔ اسی لئے اصلاح تعلقات کی سعی کرنا واجب اور امت کا ایک اہم فریضہ ہے اور اسی لیے آپس کی صلح کو نفل روزہ، نماز اور صدقے سے اونچا درجہ عطا کیا گیا ہے۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَفَعَهُ - أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلٰوةِ وَالصَّدَقَةِ قَالُوا بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُولُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّينَ (جمع الفوائد)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں روزے، نماز اور صدقہ سے بھی افضل درجہ کی خبر دوں، صحابہ نے کہا، ہاں یا رسول اللہ (ضرور آگاہ فرمایئے) آپ نے فرمایا یہ چیز آپس کے تعلقات کی درستگی ہے اس لئے کہ باہمی تعلقات کا بگاڑ، مونڈنے والی چیز ہے میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بال مونڈتی ہے بلکہ وہ دین کو مونڈ ڈالتی ہے۔

اس حدیث نے باہمی تعلقات کی درستگی کو جو حیثیت دی ہے وہ اس کے اپنے الفاظ سے ظاہر ہے۔ مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔ سوال یہ ہے کہ باہمی تعلقات کو درست رکھنے اور اگر بگڑ جائیں تو انہیں درست کرنے کی تدابیر کیا ہیں؟ اس کے لئے کم سے کم چھ چیزوں کی ضرورت ہے۔ ان پر عمل کئے بغیر نہ تعلقات درست رہ سکتے ہیں اور نہ بگڑنے کے بعد درست ہو سکتے ہیں، سب سے پہلی چیز وفاق و اتفاق ہے۔ یعنی کسی جماعت کو جس چیز نے جوڑ کر ایک جماعت بنایا ہے۔ اس چیز پر تمام افراد جماعت کا اتفاق ضروری ہے مثال کے طور پر، ہم نے اقامت دین کو اپنا نصب العین اور رضائے الٰہی کے حصول کو اپنا مقصد حیات قرار دیا ہے۔ اسی چیز نے ہمیں جوڑ کر ایک جماعت بنایا ہے۔ یہی ہمارے باہمی ربط و تعلق کی اساس ہے اس لئے جماعتی ربط و تعلق کو درست رکھنے کے لئے اس پر تمام افراد جماعت کا اتفاق لازمی ہے۔ دوسری چیز تعاون ہے۔ اگر اس عظیم الشان مہم میں ہم ایک دوسرے کی مدد نہ کریں اور ایک ٹیم بن کر کام کرنے کی صلاحیت کھو دیں تو صرف یہی نہیں کہ یہ مہم سر نہ ہوگی بلکہ باہمی ربط بھی ٹوٹ جائے گا۔ تیسری چیز مرحمت و مواسات ہے یعنی آپس میں ہمدردی اور شفقت کا برتاؤ، ایک دوسرے کے رنج و راحت میں عملی شرکت۔ چوتھی چیز ایثار ہے۔ یہ مرحمت و مواسات سے بھی آگے کی چیز ہے۔ پانچویں چیز تواضع ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیت و منصب رکھنے کے باوجود کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے آپ کو اونچا اور دوسرے رفیق کو اپنے سے نیچا خیال کرے، اس طرح کی تعلّی سے تعلقات بگڑتے ہیں سنورتے نہیں ہیں۔ چھٹی چیز عفو و درگزر ہے۔ ہم میں سے کوئی شخص معصوم نہیں ہے۔ ہر ایک سے غلطی ہو سکتی

ہیں اور ہوتی بھی ہیں، تعلقات کو درست کرنے کے لئے اور درست رکھنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف کیا جائے اور پورے معاشرے میں عفو و درگزر کی فضا چھائی رہے۔ ذاتی معاملات میں کسی کی غلطی یا ایذا رسانی کے بدلے میں انتقام اور نفرت کی روش، تعلقات میں سخت خرابی پیدا کرتی ہے۔

اللہ اور رسول کی اطاعت

"اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو"

یہ حکم، تمام احکام کا جامع ہے اس موقع پر خصوصیت سے اس کے ذکر کی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اجتماعی امور اور جماعتی اموال کی تقسیم میں بالخصوص اس کی ضرورت ہے کیوں کہ ان مواقع پر اطاعت سے انحراف، نظم اور ڈسپلن کی کمزوری اور انتشار کا بہت بڑا عامل بن جاتا ہے۔ "اگر تم مومن ہو" کے جملے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ اوامر الٰہی کی تعمیل تقاضائے ایمان ہے اور دوسری یہ کہ اوامر کی تعمیل میں کمی ضعف ایمان کی علامت ہے۔

ان تین بنیادی احکام کے بعد سچے مومنوں کی پانچ صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس پس منظر میں ان کا ذکر ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دین کو سربلند کرنے کے اہل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ان صفات سے متصف ہوں۔

پہلی صفت

وہ لوگ جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں۔

اللہ کا ذکر سن کر دلوں کا خوف خدا سے لرز اٹھنا ایک کیفیت ہے جو اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اللہ کے جلال و جبروت اور اس کی بے نیازی کا خیال دل و دماغ پر چھایا ہوا ہو اور ساتھ ہی ساتھ قبر کی سختیاں، قیامت کی ہولناکیاں اور اپنی کوتاہیاں بھی مستحضر ہوں سچے مومنوں کی اس صفت کا ذکر قرآن کی متعدد آیتوں میں آیا ہے۔ سورۂ حج رکوع پانچ میں ٹھیک یہی الفاظ ہیں جو سورۂ انفال میں ہیں بَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ خدا کے سامنے عاجزی کے ساتھ جھک جانے والوں کو خوشخبری سنا دو یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں اسی کیفیت کی دوسری تعبیر ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ	اللہ نے بہترین کلام اتارا، ایک کتاب جس کی
کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ	آیتیں ملتی جلتی ہیں بار بار دہرائی گئی ہیں اس سے
جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ	ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے
(زمر: ۲۳)	رب سے ڈرتے ہیں۔

قرآن سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جانے کی کیفیت خوف خدا کا ایک محسوس اثر ہے۔ سورۂ انفال میں سچے مومنوں کی صفات میں سب سے پہلے اس صفت کا ذکر قابل غور ہے سچے مومن ہی اقامت دین کے سپاہی ہوتے ہیں اس لئے اس مہم کے سپاہیوں کو اپنا جائزہ لے کر دیکھنا چاہیئے کہ ان کے دلوں کا حال کیا ہے اور وہ اس صفت سے کس حد تک متصف ہیں۔

دوسری صفت "اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے"

یہ بات ہر اختلاف سے بلند ہے کہ ایمان کی کیفیات میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ ہمارے دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ قرآن پڑھ کر یا سن کر ہماری ایمانی کیفیت میں اضافہ ہوتا ہے یا نہیں۔ خدا کے وعدہ و وعید پر یقین بڑھتا ہے یا نہیں، یہ جذبہ ابھرتا ہے یا نہیں کہ خدا کی خوشنودی کے لئے ہم اپنے نفس کی ہر ناروا خواہش کو کچل دیں اور اس کی اطاعت میں سرگرم ہو جائیں۔ اگر جواب اثبات میں ہو تو ہم زَادَتْهُمْ إِيمَانًا کے مصداق بنے ورنہ نہیں۔

تیسری صفت اور اپنے رب پر اعتماد کرتے ہیں۔"

"توکل علی اللہ" سچے مومنوں کی تیسری صفت ہے۔ وہ کوششیں کرتے ہیں اور جان لڑا کر کرتے ہیں لیکن انہیں بھروسہ اپنی کوششوں پر نہیں ہوتا بلکہ خدا پر ہوتا ہے دوسری بات یہ کہ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کسی کام کی دنیوی کامیابی کی توقعات کیا ہیں بلکہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ خدا نے اس کام کی انجام دہی کا حکم دیا ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ انہیں اعتماد خدا کی قدرت پر ہوتا ہے موجودہ حالات اور توقعات وامکانات پر نہیں، کسی کام کو انجام دینے کی سعی ہمارے ذمہ ہے اس کا اتمام ہمارے ذمہ نہیں،

چوتھی صفت "جو نماز قایم کرتے ہیں۔"

پہلی تین صفتوں کا تعلق ایمان سے تھا اور چوتھی صفت کا تعلق عمل سے ہے۔ جس کا دل اللہ کے ذکر سے لرز اٹھتا ہو، جس کا ایمان اللہ کی آیتیں سن سن کر ترقی کے مدارج طے کر رہا ہو یہاں تک کہ اللہ کی ذات ہی اس کا تنہا سہارا بن گئی ہو، ایسا شخص بالیقین اپنے پورے وجود کے ساتھ خدا کے سامنے جھک جائے گا۔ اس کے قلب اور اس کے قالب، اس کی روح اور اس کے جسم کی تمام توانائیاں صرف اسی کی عبادت و اطاعت کے لئے وقف ہو جائیں گی اور اس کا عمل، اس کے ایمان کا ثبوت مہیا کرے گا۔ چنانچہ فرمایا کہ سچے مومن وہ لوگ ہیں جو نماز قایم کرتے ہیں۔ (باقی صفحہ پر)

اللہ

قسط (۲)

(مولانا محمد یوسف اصلاحی)

انسان کی غذا

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ
طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ
صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝
فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝
وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝
وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۝ (عبس)

انسان کو اپنی غذا پر غور کرنا چاہیے۔ ہم
ہی نے پانی برسایا، پھر زمین کو (بیجوں کے لیے) پھاڑا
پھر ہم ہی نے اس میں اناج کے دانے اگائے۔ انگور
ترکاری، زیتون، کھجور پیدا کیے اور گھنے گھنے باغ
اگائے میوے اور چارہ اگایا — یہ سب کچھ
تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لیے

یہ نوع بنوع غلے، رنگ برنگ کے پھل اور میوے، طرح طرح کی ترکاریاں، قسم قسم کی سبزیاں اور چارہ
یہ گھنے باغ، درختوں کے جھنڈ، سرسبز کھیت کس نے اگائے؟ کون ہے جس نے ان پھلوں غلوں اور سبزیوں کو اگانے
پکانے اور قابل استعمال بنانے کے لیے پانی سورج، زمین اور ہوا کو ایک زبردست نظام کے تحت سرگرم کار رکھا
کیا اس رحمٰن و رحیم پروردگار کو جھٹلا کر بھی کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائے۔

دودھ دینے والے جانور

وَإِنَّ لَكُمْ فِي
الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ
نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ
فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا
لِّلشَّارِبِينَ ۝ (النحل: ۶۶)

اور تمہارے لیے مویشیوں میں بھی عبرت
کا سامان موجود ہے۔ ان کے پیٹ سے گوبر
اور خون کے درمیان سے ہم تمہیں خالص دودھ
پلاتے ہیں۔ جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار
ہے۔

چوپایوں کی سخت اور ثقیل غذا انسان کی لطیف اور پر تکلف غذا سے کس قدر مختلف ہے، لیکن اسی
گھاس بھوسے سے چوپایے کے پیٹ میں گوبر اور خون کے ساتھ ساتھ وہ خالص دودھ بھی تیار ہوتا ہے جو
انسان کے لیے انتہائی قوت بخش اور خوش گوار غذا ہے۔ جانور کے اندھیرے پیٹ میں گھاس پھونس سے یہ
خوش گوار دودھ نکالنے کی صلاحیت کس نے پیدا کی، اور کس کی رہنمائی میں یہ خون اور دودھ ٹھیک ٹھیک
انھیں رگوں میں دوڑتا ہے جو اس کے لیے مقرر ہیں۔ پھر یہ دودھ صرف مادہ جانوروں ہی میں کیوں پیدا
ہوتا ہے حالانکہ نر جانور بھی یہی گھاس بھوسہ کھاتے ہیں۔

شہد کی مکھی

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ
اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ○
ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ
سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا
شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ
لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○
(النحل - ۶۹)

اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی
کو یہ فطری تعلیم دے رکھی ہے کہ پہاڑوں، درختوں
اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے
بنا اور طرح طرح کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے
رب کی (بنائی ہوئی فطری) راہوں پر فرماں برداری
کے ساتھ چلتی رہ۔ اس مکھی کے اندر سے رنگ
رنگ کا رس نکلتا ہے جس میں شفا ہے لوگوں کے
لیے۔ بلاشبہ اس میں ایک نشانی ہے ان لوگوں
کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

رب کی بنائی ہوئی راہوں سے اشارہ ہے اس پورے طریق کار اور نظام عمل کی طرف جس کے تحت ننھی
مکھیاں حیرت انگیز طریقے پر سرگرم عمل ہیں۔ ایک زبردست نظم اور ڈسپلن کے تحت ان بے شعور مکھیوں کا چھتہ
بنانا، کارکنوں کو تقسیم کرنا اور پوری یک جہتی اور ہم آہنگی کے ساتھ ایک ناظمہ کی سرکردگی میں پاک اور
نفیس رس چوس چوس کر لانا — یہ وہ فطری راستے ہیں جن پر چلنے کی اپنے رب نے ان کو تعلیم دی ہے اور
یہ ننھی مکھیاں لاکھوں برس سے اسی راہ عمل پر پوری فرماں برداری کے ساتھ ٹھیک ٹھیک چلتی رہتی ہیں۔ کیا مجال کہ
ان میں سے کوئی بھی اس فطری طریق عمل کی ذرہ بھر خلاف ورزی کرے۔ یہ ایک بصیرت افروز نشان ہے
اس خدا کی ہستی کی جو رب العلمین ہے۔ مگر انہی کے لیے جو غور و فکر کریں۔

ہرے بھرے کھیت

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○

اچھا تم نے یہ بھی دیکھا کہ جو کچھ تم بوتے ہو

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ (الواقعہ: ۶۳-۶۷)

تو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کردیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ (افسوس) ہم تو مفت تاوان میں پھنس گئے بلکہ ہم تو بالکل ہی نامراد رہ گئے۔

مٹی کے دانے خاک میں ملا دینے کے بعد کسان کن کن اندیشوں اور امیدوں کے ساتھ تکتا رہتا ہے کون ان ننھے ننھے بیجوں کے انکھووں سے زمین کو پھاڑتا ہے اور مٹی میں رلے ملے بیجوں سے ہرے بھرے خوشنما کھیت پیدا فرماتا ہے۔

شیریں پانی

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝ (الواقعہ ۶۸-۷۰)

اچھا تم نے یہ بھی دیکھا کہ جو پانی تمہارے پینے کے کام آتا ہے اسے بادل سے تم نے برسایا یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو کھاری بنا دیں، پھر تم شکر گزار کیوں نہیں ہوتے۔

میٹھا پانی کیسی مرغوب نعمت ہے۔ اس کے بغیر کیا انسان اس زمین پر زندہ رہ سکتا تھا۔ اگر یہ کھاری ہوجائے یا اس کا برسنا ہی بند ہوجائے تو انسان کا کیا حال ہوگا۔ ایسا صاف شیریں پانی پینے اور زندگی سے لطف اندوز ہونے کے بعد بھی اگر کوئی اس کا انکار کرے تو اس کا سینہ شرافت کے جذبات سے خالی ہے

آگ جو تم سلگاتے ہو

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝ (الواقعہ: ۷۱-۷۲)

اچھا تم نے یہ بھی دیکھا کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو، اس کا درخت تم نے اگایا یا ہم ہیں اگانے والے؟

سبز اور تر درختوں سے کٹی ہوئی لکڑیوں میں یہ آگ کیونکر سلگ اٹھتی ہے اور کیوں کر یہ لکڑیاں آنچ دینے لگتی ہیں پھر بعض ایسے ہرے درخت بھی ہوتے ہیں کہ اگر ان کی تر و تازہ ٹہنیاں باہم رگڑ کھا جائیں تو آگ بھڑک اٹھے ــــ ہرے درختوں کے جگر میں یہ آگ جس ہستی کا پتہ دے رہی ہے وہی خدا ہے۔

خدا کی نعمت یاد دہانی کا سامان

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝ (الواقعہ ۷۳)

ہم نے بنایا ہے اس کو یاد دہانی کا ذریعہ اور مسافروں کے لیے برتنے کا سامان

خدا کی نعمتیں اس لیے بھی ہیں کہ لوگ انہیں برتیں اور اُن سے فائدہ اٹھائیں۔ لیکن ایک اہم ترین مقصد یہ بھی ہے کہ یہ لوگوں کے لیے یاد دہانی کا ذریعہ ہیں۔ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں تو ان کے پیدا کرنے والے کا تصور کریں۔ اس کے احسانات کا اعتراف کریں اور اس پر ایمان لائیں

حقیر بوند سے کارنامۂ تخلیق

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ (الواقعہ ۵۸-۵۹)

اچھا تم نے اس پر بھی غور کیا کہ تم جو بوند ٹپکاتے ہو اس سے انسان کی صورت گری تم کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں۔

ایک حقیر بوند سے انسان جیسی مخلوق پیدا کرنا کس کا کام ہے۔ کیا یہ انسان کا اپنا کارنامہ ہے وہی خدا ہے جس کا یہ عظیم کارنامہ ہے۔

انسان کی تخلیق اور اس کے بصیرت افروز مراحل

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۝ (المومنون: ۱۲-۱۴)

ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے بنایا۔ پھر اسے ایک محفوظ قرار گاہ میں ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا۔ پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا۔ پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنا کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی برکت والا ہے خدا بہترین خالق۔

مٹی کے جوہر کا نطفہ میں تبدیل ہونا۔ پھر اس حقیر بوند کا تخلیق کے مختلف مراحل سے گزر کر روح حیات پانا اور انسان جیسی عظیم ہستی کا نمودار ہونا کس کا کارنامہ ہے۔ کیا اس میں انسان کی خواہش، ارادے یا اختیار کا ذرہ بھر دخل بھی ہے۔

پھر اس کو ایک دوسری مخلوق بنا کھڑا کیا۔ یہ جملہ خاص طور پر قابل غور ہے۔ شعور اور تمیز سے خالی ایک بے جان ڈھانچہ ہے۔ اور پھر یہی کمزور ڈھانچہ جیتا جاگتا انسان اٹھ کھڑا ہوا، جو شعور، تمیز اور بے شمار صلاحیتوں سے آراستہ ہے کس نے اس بے جان ڈھانچے کو روح بخشی اور کس نے تمیز و عقل اور [illegible] عظیم صلاحیتوں سے آراستہ کیا ــــ یہ بہترین صورت گری کرنے والا ہی کائنات کا خدا ہے۔

مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (الدہر ۲)
اس کو سننے اور دیکھنے والا بنایا۔

پانی کے بے حقیقت قطرے سے سننے اور دیکھنے کی قوتیں رکھنے والا وجود پیدا کرنا ایک بصیرت افروز نشانی ہے خدا کے وجود کی۔ نیز یہ صلاحیتیں بخشی ہی اس لیے گئی ہیں کہ یہ شعور والی ہستی اپنے خالق محسن اور پروردگار کو پہچان کر اس کی اطاعت گزار رہتی ہے، یا ناشکروں کی روش اختیار کر کے اس کی طرف سے غفلت برتتی ہے۔

رنگوں اور زبانوں کا اختلاف

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝ (الروم ۲۲)

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ بلاشبہ اس میں بہت نشانیاں ہیں سمجھ بوجھ والوں کے لیے۔

روئے زمین پر پھیلے ہوئے انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ سب کی قوت گویائی، دماغ منہ اور زبان کی ساخت یکساں ہے لیکن پھر بھی زمین کے مختلف خطوں میں رہنے والوں کی زبانیں مختلف ہیں ان کے رنگ، روپ اور شکلیں مختلف ہیں۔ ایک خطہ کا رہنے والا دوسرے خطہ میں ایسا اجنبی کہ گویا قوت گویائی سے محروم ہے۔ پھر ایک ہی زبان بولنے والوں کے لہجے "تلفظ" اور زبان میں بھی زبردست فرق ہے۔ ایک ہی منہ کے خلا میں حرکت کرنے والی زبان سب کے پاس ہے لیکن کوئی وقت کا بہترین خطیب ہے اور کوئی اپنے دل کی بات بھی بہ مشکل کہہ پاتا ہے۔ اگر آدمی سمجھ بوجھ سے کام لے تو اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔ ایک ایسے خدا کے وجود کی جو زبردست قدرت اور حکمت کا مالک ہے۔

انسان کی بے چارگی

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۝ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (الواقعہ ۸۳ - ۸۷)

پھر جب جان حلق تک آپہنچتی ہے اور اس وقت تم تکتے رہ جاتے ہو، اس وقت ہم تمہارے مقابلے میں اس مرنے والے سے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں پاتے پس اگر تم کسی کے بس میں نہیں ہو تو اس جان کو لوٹا کیوں نہیں لیتے اگر تم سچے ہو۔

جسم کے ڈھانچے کو چھوڑ کر جانے والی جان کس کے قبضے میں ہے۔ اور جب جان حلق میں گھٹنے لگتی ہے تو

باقی صفحہ پر

حضرت یوسف نے اپنا رب کس کو کہا تھا؟

(جناب عبد الباری ایم اے)

سورۂ یوسف کے سلسلے میں شاہ رفیع الدین دہلوی و مولانا اشرف علی تھانوی نے "قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ" کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ یوسف نے کہا اللہ بچائے۔ وہ (یعنی تیرا شوہر) میرا مربی (اور محسن) ہے کہ مجھ کو ایسی اچھی طرح رکھا۔ ایسے حق فراموشوں کی فلاح نہیں ہوا کرتی۔

ایک دوسرے نسخے میں بھی اس طرح پایا۔" زلیخا نے ان سے اپنی ناجائز مراد چاہی۔ انھوں نے کہا۔ توبہ۔ توبہ۔ میں بھلا اپنے آقائے محسن (اَلَّذِیْ اشْتَرٰىہُ) کے حرم میں خیانت کر سکتا ہوں؟"

مولانا ابو الکلام کے ترجمان القرآن جلد دوم میں ترجمہ و تفسیر اس طرح درج ہے: " یوسف نے کہا۔ معاذ اللہ: (مجھ سے ایسی بات کبھی نہیں ہو سکتی) تیرا شوہر میرا آقا ہے۔ اس نے مجھے عزت کے ساتھ (گھر میں) جگہ دی ہے۔ (میں اس کی امانت میں خیانت نہیں کروں گا) اور حد سے گزرنے والے کبھی فلاح نہیں پا سکتے" یوسف کے کچھ دنوں تک قید خانہ میں رہنے کے بعد جب ان کے معاملہ کی صفائی بادشاہ کے روبرو آئی تو قرآن کریم میں یہ الفاظ آئے ہیں: " ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" جن کا ترجمہ و تشریح اس طرح دیا ہے: یہ میں نے اس لئے کہا کہ اسے معلوم ہو جائے (یعنی یوسف کو معلوم ہو جائے) میں نے اس کے پیٹھ پیچھے اس معاملہ میں خیانت نہیں کی۔ نیز اس لئے کہ واضح ہو جائے، اللہ خیانت کرنے والوں کی مکاریوں پر کبھی (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا۔ میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتی۔ آدمی کا نفس تو برائی کے لئے بڑا ہی ابھارنے والا ہے (اس کے غلبہ سے بچنا آسان نہیں) مگر ہاں اسی حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے

بلاشبہ میرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا۔ بڑا ہی رحم کرنے والا ہے!"۔ مولانا مرحوم کے ذہن میں گویا یہ مفہوم تھا کہ عزیز مصر کی عورت یہ سب کچھ کہہ رہی ہے! اگر ایسا تھا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہی عورت جس نے کمرے کے دروازے بند کر کے یوسف کو "ھیت لک" کہہ کر شہوت رانی کی دعوت دی تھی اپنا رب "اللہ" کو بنائے۔ دوسری طرف مندرجہ بالا تراجم و تفاسیر کی روشنی میں یوسف جیسے پیغمبر عزیز مصر کو اپنا رب تصور کریں!"

ایک پیغمبر کے کردار کو پیش کرنے میں آیت کی یہ تاویل ناقابل قبول معلوم ہوتی ہے! قابل قبول تاویل کیا ہو سکتی ہے؟ اور حضرت یوسفؑ کے رب کی تعیین کس طرح کی جائے؟ ان دونوں کا انحصار سورۂ یوسف کے غائر مطالعہ پر ہے۔ لغوی اعتبار سے رب کا ابتدائی و اساسی مفہوم پرورش ہے۔ پھر اسی سے تصرف۔ خبرگیری۔ اصلاح حال اور اتمام و تکمیل کا مفہوم پیدا ہوا پھر اسی بنیاد پر فوقیت۔ سیادت مالکیت اور آقائی کے مفہومات اس میں پیدا ہو گئے (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں۔ از مولانا مودودی) لیکن جس ہستی کی فوقیت و بالا دستی حضرت یوسف کے نزدیک مسلم تھی وہ پوری سورۂ یوسف سے عیاں ہے بلکہ دوسروں کے رب کی تفریق سے حضرت یوسف کے رب کی تعیین ہوتی چلی جاتی ہے۔

۱۔ عام مفسرین کی رو سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ اگر عزیز مصر حضرت یوسف کو اچھی طرح نہ رکھتا اور وہ ان کا آقا و محسن نہ ہوتا تو شاید وہ لغزش میں مبتلا ہو جاتے۔ برخلاف اس کے ایسا کیوں نہ سمجھا جائے کہ میں جس اللہ کی پناہ چاہتا ہوں وہی میرا رب ہے جس نے میرے لئے اچھی جائے قرار بخشی۔ کیونکہ خرید سئے جانے کے بعد حالاں کہ عزیز مصر اپنی عورت کو تاکید کرتا ہے کہ اسے ٹھکانے سے رکھے تاہم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۔۔۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ ۔۔۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗۤ اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا

(۲) اگر یہ سمجھا جائے کہ یوسف عزیز مصر ہی کو اپنا رب کہتے ہیں تو پھر اس [illegible] یوسف [illegible] الگ رہتے ہیں بلکہ ایک دوسرے سے خطاب بھی کرتے ہیں تو ایک دوسرے کو "رب" "ربی" کے ساتھ کیوں نہیں پکارتے؟ مثلاً شروع ہی میں اپنی عورت کو سپرد کرتے وقت وہی [illegible] ظاہر کرتا ہے "او ولداً" کی نہ کہ عبداً کی۔ یہ تالمود کا بیان بھی ایسا ہی ہے کہ یہ لڑکا غلام نہیں معلوم ہوتا۔ پھر جب دونوں دروازے پر عزیز سے مل جاتے ہیں اور عورت اپنا بیان ختم کر چکی ہے۔ تو یوسف بلا "ربی" کہے ہوئے اپنا بیان شروع کر دیتے ہیں ھی راودتنی عن نفسی۔ جب معاملہ کی تحقیق کا بیان ہو رہا ہے تو

عزیز بھی تھا عبد کیسے ہوسکتے؟ سمجھانا شروع کر دیتا ہے کہ "یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا" بلکہ اسی مقام
پر قرآن کریم کی احتیاط ملاحظہ ہو کہ یوسفؑ اور عورت دونوں مسابقت میں دروازے کی طرف بھاگے
ہیں اور دونوں ایک ہی شخص یعنی 'العزیز' سے جا ملتے ہیں۔ چنانچہ تثنیہ کے مشترک صیغے (اسْتَبَقَا دونوں
مسابقت میں بھاگے اور اَلْفَيَا دونوں پاگئے) استعمال کئے گئے۔ مگر اسی مقام پر مشترک شخص کا نام
'العزیز' نہیں کہا گیا۔ بلکہ فقط 'سَيِّدَهَا' (اس عورت کا خاوند و سردار) کہا گیا نہ کہ 'سَيِّدَهُمَا' (ان
دونوں کا سردار) جیسے العزیز یوسف کا کوئی بھی نہ تھا۔ نہ ان دونوں کا رشتہ 'رب' و 'عبد' کا تھا! ——
برخلاف اس کے اسی سورۃ سے ثابت ہوجاتا ہے کہ اللہ ہی کے ساتھ کا رشتہ 'رب' اور 'عبد' کا اصلی تھا۔

۳۔ وہ اپنے رب کی برہان دیکھ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ ہی ان سے برائی و بے حیائی کی باتیں دور
رکھنا چاہتا ہے کیونکہ وہ اس کے مخلص بندوں میں سے تھے "اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ" —— دیکھئے وہاں
یوسفؑ کہتے ہیں: "اِنَّهٗ رَبِّيْ" یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ" دونوں طرف
کے دعووں سے 'رب' اور 'عبد' کا رشتہ ظاہر ہوجاتا ہے اور دوسرا پہلے کا جواب ہے۔ شروع ہی میں
ان کے خواب دیکھنے کے بعد ان کے والد کے یہ الفاظ تھے "وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ ..... اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ"
اس کے جواب کے طور پر یوسفؑ کے وہ الفاظ ملاحظہ ہوں جو انھوں نے آخر میں مصر میں اپنے والد کو خطاب
کرتے ہوئے نکالے: "يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا" (ابا جان وہ جو میں نے
خواب دیکھا تھا یہ اس کی تعبیر ہے۔ میرے رب نے اس کو سچ کر دکھایا) پھر یہ الفاظ سنئے "اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ
لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ"

۴۔ مختلف عورتوں کی فرمائش کے بعد جب امرأۃ العزیز کی محبت کی حالت ہے تو پریشان
ہوکر یوسفؑ جس ہستی سے دعا کرتے ہیں اور جو 'رب' ان کی دعا قبول کر لیتا ہے وہ کون ہے؟
حقیقت کیا ہے؟ قرآن کے الفاظ ہی بتا سکتے ہیں "رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ" —— "فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ
اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" —— دیکھئے علیم و حکیم، سمیع و علیم کس ہستی کی صفات ہیں؟

۵۔ جیل میں ان کے یہ الفاظ ہیں: "مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ" —— "ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّ
قُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ" ..... "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ" —— "اِرْجِعْ
اِلٰى رَبِّكَ" —— "اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ" "ہم کو شایان نہیں کہ خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک بنائیں"

متفرق ارباب اچھے ہیں یا زبردست خدائے یگانہ ... حکومت تو بس اللہ ہی کی ہے۔ اس نے حکم دیا ہے صرف اسی کی عبادت کرو۔ ... اپنے رب کے پاس لوٹ جا ـــ بیشک میرا رب ان عورتوں کے کید سے خوب واقف ہے)

۶۔ مراودہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوسفؑ کہتے ہیں "اِنِّی لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ـــ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" (میں نے غیب میں اس کی خیانت نہیں کی اور اللہ خیانت کرنے والوں کے کید کو چلنے نہیں دیتا ـــ میرا رب ہی اپنا رحم کرے۔ بیشک میرا رب غفور رحیم ہے)۔

۷۔ جب ان کی حقیقت ان کے بھائیوں پر عیاں ہو جاتی ہے تو یوسفؑ کہتے ہیں: "قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ"۔ بیشک ہم پر اللہ نے احسان کیا جو اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا)۔

۸۔ پھر آخر میں یوسفؑ اسی رب سے دعا کرتے ہیں: "رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ" (اے میرے رب تو نے مجھکو حکومت میں سے بھی حصہ دیا اور معاملہ فہمی بھی سکھائی۔ اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا و آخرت میں۔ مجھکو اپنی فرمانبرداری کی حالت میں اٹھا لے اور مجھکو صالحین میں لے جا کر ملا دے)۔ اکیلی یہ دعا ان کی پیغمبری کے ثبوت میں کافی ہے۔ اور اگر دوسرے قرائن نہ بھی موجود ہوتے تو یہ دعا ہی ثابت کر رہی ہے کہ ان کا رب کون ہو سکتا ہے اور وہ کس کے عبد ہو سکتے ہیں؟

(۹) قرآنِ کریم کے علاوہ اس حقیقت پر تالمود کے بیان سے بھی روشنی پڑتی ہے

فوطیفار کی عورت حسنِ یوسف کی تعریف کرتے ہوئے کہتی ہے:" تو تو دنیا کی تمام چیزوں سے بڑھکر خوبصورت ہے!"

یوسفؑ: "جس نے مجھے پیدا کیا اسی نے تو سارے انسان کو بھی پیدا کیا ہے"

عورت اس کی آنکھوں کی تعریف کرنے لگی تو یوسفؑ نے کہا: "یہ میرے کسی کام آئیں گی! قبر میں تو یہ نہ حرکت کریں گی نہ روشن ہوں گی! جب عورت کی دھمکی مراودہ میں بڑھ گئی اور ذمت و قید کی حد تک

آخرت کے حریف عقائد

(آخری قسط)

(جناب سلطان مبین صاحب ایم اے)

جہنم کی پوراتک تفصیل (۲۲) بیوقوف اپنی کرتوت کے مطابق جہل و فریب کا نتیجہ بھگتتا ہے جو راجہ یا راجہ کا اہل کار۔ خلاف مذہب۔ برہمن کو جسمانی سزا دیتا ہے وہ (۲۳) گنہگار دوزخی ہے۔ اس کو یم راج کے سپاہی دوزخ "دہن خوک" میں ڈالتے ہیں (۲۴) یم کے سپاہی گنے کی طرح دوزخی کے اعضاء کو بیلن تلے لیتے ہیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے اور بیہوش ہو ہو جاتا ہے۔ (۲۵) وہ سزا پاتا ہوا بڑی تکلیف جھیلتا ہے۔ دوسروں کی تکلیف کو نہ جاننے والا (۲۶) جو تنخواہ دینے والے مالک کو علانیہ خود ہی تکلیف پہونچاتا ہے وہ حسد کی سزاگاہ "اندھے کنوئیں" میں گرتا ہے۔ (۲۷) اندھے کنوئیں میں درندے جانور مویشی، وحشی، پرندے، کیڑے، مکوڑے، مچھر، جوئیں، کٹھل (۲۸) مکھیاں۔ پسو (دندشوک) دوزخی کو ایذا پہونچاتے ہیں۔ اور اس عالم میں بدصورت ہو کر جانور کی طرح گھومتا ہے۔ (۲۹) جو دھوکہ باز پیشہ ور پروہت سے تحریفیں کرا کر نذر کو بغیر تقسیم کیے ہوئے کھاتا ہے (۳۰) وہ گنہگار سنگدل سپاہیوں کے ذریعے سے دوزخ "کرم خورندہ" میں ڈالا جاتا ہے (۳۱) کیڑوں کا دوزخ چار ہزار کوس وسیع ہے اس میں انسان کیڑے کی شکل میں کیڑوں کے ذریعے کھایا جاتا ہے (۳۲) جو نذر کو بغیر تقسیم کیے کھاتا ہے وہ اس میں پہونچتا ہے (۳۳) جو شخص۔ بغیر آفت پڑے۔ برہمن کا یا دوسرے کا سونا یا جواہر چوری یا زبردستی چرا لیتا ہے اس کو یم راج کے سپاہی دوسری دنیا میں (۳۴) لوہے کے انگاروں اور "سنڈسیوں" (دستپناہوں) سے نوچتے ہیں (۳۵) جو مرد یا عورت نامحرم عورت یا مرد سے مباشرت کرتے ہیں۔ یم راج کے سپاہی ان دونوں کو وہاں کوڑوں سے مارتے ہوئے مرد کو دہکتی ہوئی لوہے کی

بنی ہوئی عورت سے گلے لگواتے ہیں اور عورت کو لوہے سے بنے ہوئے مرد سے گلے لگواتے ہیں۔ (۳۶) جو گنہگار شخص زنا کا ارتکاب کرتا ہے اس کو یم راج کے سپاہی دوزخ میں "خار دار" درخت پر چڑھاتے ہیں (۳۷) درخت آہنی اور فولاد کے کانٹوں سے پر ہوتا ہے۔ (۳۸) جو حاکم، پولیس یا دھرم کے بازو دھرم کے راستہ کو توڑتے ہیں۔ وے مرجانے کے بعد (۳۹) حد سے تجاوز کرنے والے لوگ "بے ترنی" (ڈبونے والی) ندی میں گرتے ہیں۔ نارد! یہ ندی دوزخ کے قلعہ کی خندق ہے۔ (۴۰) ان [illegible] ہر طرف سے آبی جاندار کھاتے ہیں۔ نارد! نہ ان کی جان نکلتی ہے نہ دم ٹوٹتا ہے۔ (۴۱) اپنے اعمال کے [illegible] میں وے یہاں گرتے ہیں۔ جہاں ہر طرف پیشاب، پاخانہ۔ پیپ، خون۔ بال۔ ہڈی۔ گوشت بھرا رہتا ہے (۴۲) وے چربی، روغن سے بھری ہوئی ندی میں گرتے ہیں۔ جو بے حیا نجس لوگ شودر عورتوں سے زنا کرتے ہیں (۴۳) قانون اخلاق کو ترک کرنے والے، جانوروں کی طرح زندگی گذارنے والے لوگ یہاں پیشاب پاخانہ، بلغم، خون سے لت پت تکلیف کی حالت میں پڑے رہتے ہیں (۴۴) بدکار۔ بلغم پاخانہ سے پر مقام میں گرتے ہیں اور یم راج کے سپاہی ان کو پاخانہ و بلغم کھانے کے لیے مجبور کرتے ہیں (۴۵) جو شکار کے شوقین برہمن کتے اور گدھے پالتے ہیں اور ہمیشہ غیر متبرک مقام پر شکار کو مارتے ہیں۔ (۴۶) مرنے کے بعد یم راج کے سپاہی ان گنہگاروں کو دوزخ میں نشانہ بنا بنا کر تیروں سے چھید ڈالتے ہیں (۴۷) جو ریاکار گنہگار ریا کی نذر دیکر بے بس مویشیوں کو قتل کرتا ہے۔ ان کو وہاں یم راج کے سپاہی دوزخ "غضب" میں (۴۸) ڈال کر تکلیف دہ کوڑوں سے پیٹتے ہیں (۴۹) جو بیوقوف برہمن شہوت سے دیوانہ ہوکر ہم قوم بیوی میں تخم ریزی کرتا ہے اس کو دوسری دنیا میں یم راج منی کے حوض میں ڈھکیل دیتے ہیں اور منی [illegible] مجبور کرتے ہیں (۵۰) جو ڈاکو آگ لگاتے ہیں، زہر دیتے ہیں اور قافلے لوٹتے ہیں۔ جو حکام اور سپاہی گاؤں اور قافلوں کو تباہ و برباد کرتے ہیں (۵۱) یم راج کے سپاہی ان کو مرنے کے بعد دوزخ "سگ گرفت" میں لے جاتے ہیں۔ وہاں [illegible] عجیب و غریب کتے آپہونچتے ہیں (۵۲) وہ [illegible] تیزی سے ان کو کھانے لگتے ہیں۔ [illegible] سگ گرفت نام کا دوزخ بڑا پر خطر ہے۔ [illegible] سلسل دیوی بھاگوت ۲۲، ۲۳ ۔ (۱) جو بد نیت شخص ہمیشہ گواہی، [illegible] جھوٹ بولتے ہیں (۲) وے مرکر وہاں پر پرخطر دوزخ "بے موج" "نشیب" [illegible] چوٹی سے نیچے گرتے ہیں۔ (۳) دوزخی دوزخ "نشیب" (بے موج) میں اوندھے [illegible] رہتے ہیں۔ ان کو

ط تسکین شہوت کے لیے مباشرت کرنا گناہ [illegible]

آسمان نظر نہیں آتا۔ اور زمین پانی کی طرح بہ مشرق دکھائی پڑتی ہے (۳) چونکہ وہاں دو اصل لہریں
نہیں ہوتیں اس لئے وہ دوزخ "بے طاقت" ہے جو یہاں (چوٹی سے گرکر) [illegible] ہو جاتے
ہیں۔ دیورشی! دوزخی مرتے نہیں ہیں۔ وہ ان کو بار بار بلندی پر چڑھنا پڑتا ہے (۵) برہما کے
صاحبزادے! سوم نوش برہمن، کشتری اور ویش یا ان کی بیوی آگ ہستی کے لیے۔ شراب پیتے ہیں
(۶) تو ان کو دوزخ میں ڈالا جاتا ہے۔ برہما کے صاحبزادے یم راج کے سپاہی ان کو مسلسل آگ سے
پگھلایا ہوا لوہا پلاتے ہیں۔ (۷) جو فرد یا یہ شخص غرور و پندار کے سبب سے علم، ریاضت، قومیت، اتفاق
میں بزرگ تر شخص کو بزرگ تر نہ مانے (۹) اس کو یم راج کے سپاہی دوزخ "تنگ و دو" میں لے جاتے
ہیں۔ وہاں وہ الٹا لٹک کر دردناک سزا جھیلتا ہے۔ (۱۰) جو لوگ لالچ میں پڑ کر انسان کی قربانی لگاتے
ہیں یا جو عورتیں قربان کیے گئے انسان کے گوشت کو کھاتی ہیں۔ مہامنی! (۱۲) قتل شدہ جانور دوزخ میں
ساتھ پہونچ کر۔ فوجیوں کی طرح۔ تلوار کی دھار سے چیرتے ہیں۔ (۱۲) منی! مردم خور، بدکار گوشت خود
کی طرح۔ یہ (جانور بشکل سپاہی) خون پیتے ہیں، ناچتے اور گاتے ہیں۔ (۱۳) ابن برہما! بے گناہ شخص
بھی جو آبادی یا جنگل میں جانوروں کو فریب سے نزدیک بلا کر۔ (۱۴) نیزہ اور کند سے۔ نشانے کی ڈھیری کی
طرح۔ چھید گراتے ہیں۔ ان کو دوسری دنیا میں "دوزخ نیزہ زن" میں ڈالتے ہیں۔ (۱۵) وے نیزہ میں
بندھے ہوئے بھوک پیاس سے تکلیف اٹھاتے ہیں۔ ان کو تیز چونچ والے بگلے اور سارس تیز چونچ سے ادھر
ادھر سے مارتے ہیں۔ تکلیف جھیلتے ہوئے وہ اپنے گناہوں کو یاد کرتے ہیں۔ (۱۶) جو لوگ کھلے بند سانپ
وغیرہ کی طرح۔ لوگوں کو دق کرتے ہیں وے "دوزخ مار" میں گرتے ہیں۔ (۱۷) جہاں ہر طرف پانچ منہ
والے، سات منہ والے سانپ رہتے ہیں۔ (۱۸) برہمن! یہ سانپ بڑے بے رحم ہوتے ہیں اور آدمیوں
کو گزند پہونچاتے ہیں۔ (۱۹) جو لوگ گڑھے اور غار میں جانوروں کو گرا پکڑتے ہیں۔ ان کو وہاں یم راج
کے سپاہی۔ (۲۰) غار میں گرا کر زہر آلود آگ کے دھوئیں سے دھونی دیتے ہیں (۲۱) جو صاحب خانہ
وقت پر آئے ہوئے مہمان (مسافر) کو گھورتی ہوئی نظر اور نفرت سے دیکھتا ہے (۲۲) جہنم میں
یم راج کے فرمانبردار بے رحم کوے، چیل، کنک، گدھ، ... وغیرہ اپنی فولادی چونچ سے اس بدنظر کی دونوں
آنکھیں جبراً نکال لیتے ہیں۔ (۲۳) جو دولت کے نشہ سے اترا کر چلتا ہے۔ (۲۴) جو فرد یا یہ شخص کج بین اور
بدگمان ہے اور ہر جگہ روپیہ کے خرچ کی فکر سے فکرمند ہوتا ہے۔ (۲۵) اس کا سوکھا ہوا منہ اور دل تنعانم

[illegible] ہے اور وہ "گھڑیال" کی طرح روپیہ کی رکھوالی کرتا ہے (۲۱) مرنے کے بعد اس کو یم راج کے سپاہی دوزخ "سوزن وہاں" میں ڈالتے ہیں اور اپنی کرتوت کی وجہ سے زر پرست شخص کو۔ یم راج کے سپاہی سوت والے کی طرح (باندھتے ہیں) (۲۷) یم راج کے خادم بخیل کو ڈوریوں سے کس کس کر باندھتے ہیں۔ یہ بہت طرح کے گنہگاروں کے لیے دوزخ ہیں سمجھو۔ (۲۸) انسانوں کو سزا دینے کے لیے سیکڑوں دوزخ ہیں۔ دیو رشی! ہزاروں کا ذکر کیا گیا ہے اور ہزاروں کا ذکر باقی ہے (۲۹) یعنی ! سزا دینے والے دوزخ میں یہ بدکار لوگ داخل ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا ترس لوگ راحت کی دنیاؤں میں جاتے ہیں۔ دیوی [illegible]

دیگر دیوی بھاگوت مہاپران ۹ ؛ ۳۳ : ۲ - ۲۲۔ یم راج نے کہا (۲) انسان اعمالِ صالحہ کے سبب سے دوزخ سے بچ جاتا ہے۔ میں بد اعمالیوں کے نتائج کو بیان کرتا ہوں سنو (۳) نازنین! مختلف پرانوں کی رو سے مختلف نام والے طبقوں میں انسان اپنے اعمال کے سبب سے جاتا ہے (۴) انسان اعمال صالحہ کی وجہ سے دوزخ سے بچ جاتا ہے اور بد اعمالی سے انسان مختلف دوزخوں میں پہونچتا ہے (۵) مختلف کتابوں کی رو سے اعمال کے اختلاف کے سبب سے دوزخ کے مختلف حوض "کنڈ" ہیں (۶) بیٹی! دوزخیوں کے لیے وسیع و عریض تکلیف دہ خوفناک اور پر خطر و پرنجس حوض ہیں۔ (۷) چھیاسی اور اسی طرح دوسرے بھی کنڈ ہیں۔ ویدوں کی رو سے ان کے مشہور ناموں کو سنو۔ (۸) آگ کا حوض تپتا ہوا حوض۔ بھیانک نمک کا حوض، پاخانہ کا حوض۔ پیشاب کا حوض۔ ناقابل برداشت بلغم کا حوض۔ (۹) زہر کا حوض۔ کیچڑ کا حوض، اور چربی کا حوض، منی کا حوض، خون کا حوض، آنسو کا حوض نجس۔ (۱۰) آلائشوں کا حوض۔ کھوٹ کا حوض، گودے کا حوض، گوشت کا حوض اور ناقابل عبور گھڑیال کا حوض (۱۱) [illegible] کا حوض، بال کا حوض، دشوار گذار ہڈی کا حوض، تانبے کا حوض، اور جلتے ہوئے لوہے کا حوض جو کہ بہت تکلیف دہ ہے (۱۲) چمڑے کا حوض۔ کھولتی ہوئی شراب کا حوض، تیز کانٹوں کا حوض، زہریلے پانی کا حوض، اور زہر کا حوض۔ (۱۳) کھولتے ہوئے تیل کا حوض، بھالے کا دشوار گذار حوض، کیڑوں کا حوض، نجاست کا حوض، سانپوں کا دشوار گذار حوض (۱۴) مچھر کا حوض، [illegible] کا حوض، زہر کا ڈراؤنا حوض، دانت اور کیلی والوں کا حوض اور بچھوؤں کا حوض۔ اے نازنین! [illegible] تیروں کا حوض، نیزوں کا حوض اور تلواروں کا خوفناک حوض، گول کنڈ، گھڑیال کا حوض، کوؤں کا [illegible] حوض (۱۵) [illegible] کا حوض، بیج کا حوض اور ناقابل برداشت بجلی کا حوض۔ تپتے ہوئے پتھر کا حوض اور [illegible] پتھروں کا

جنم تک دھوبی کا جنم پاتا رہتا ہے۔ (۸) جو فرمایہ شکتی دیوی کی شکایت کرتا ہے۔ وید شاستر اور پرانوں کی شکایت کرتا ہے۔ (۹) برہما، لشنو، مہادیو وغیرہ کی شکایت بیان کرتا ہے۔ پاروتی، سرسوتی وغیرہا دیویوں کی شکایت بیان کرتا ہے۔ (۱۰) وے سب اس (نرک کے) حوض میں جاتے ہیں۔ اس سے بڑھکر کوئی دوسرا حوض تکلیف دہ نہیں ہوگا۔ (۱۱) یہاں کئی کلپ رہ کر پھر سانپ کا جنم لیتا ہے۔ دیوی کی شکایت کے جرم کا کوئی کفارہ ہی نہیں ہے (۱۲) اپنے دیئے ہوئے یا دوسرے کے دیئے ہوئے دیوتا اور برہمن کے وظیفہ کو جو شخص واپس لیتا ہے وہ ساٹھ ہزار سال تک پاخانہ کے حوض میں رہتا ہے۔ (۱۳) اور اتنے زمانہ تک پاخانہ کھاتا رہتا ہے اور پھر ساٹھ ہزار سال تک پاخانہ کا کیڑا ہوتا رہتا ہے۔ (۱۴) دوسرے کے تالاب میں جو تالاب بنواتا ہے اور کسی وجہ سے اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ وہ پیشاب کے حوض میں جاتا ہے ۱۵۔ تالاب کے ذروں کی گنتی کے برابر سالوں تک وہ پیشاب کھاتا ہوا پڑا رہتا ہے۔ اور پھر سو سال تک بھارت میں بیل ہوکر پیدا ہوتا ہے۔ (۱۶) (نذر نہ گذار کر) جو شخص تنہا شیرینی کھاتا ہے وہ بلغم کے حوض میں جاتا ہے۔ سو سال بلغم کھاتا ہوا وہیں پڑا رہتا ہے۔ (۱۷) بعدہ خبیث (بھوت) ہوکر بھارت میں پیدا ہوتا ہے اور پیشاب و پاخانہ سمیت بلغم کھاتا ہے۔ بعدہ پاک ہوتا ہے (۱۸) جو شخص ماں و باپ، استاذ بیوی، بچے، بچیوں اور بیکس و لاچار (اناتھ۔ یتیم) کی پرورش و پرداخت نہیں کرتا ہے وہ زہر کے حوض میں جاتا ہے (۱۹) پورے سو سال تک وہاں زہر کھاتا ہوا رہتا ہے۔ بعد ازاں سو سال تک بھوت کے جنم میں رہتا ہے بعدہ پاک ہوتا ہے (۲۰) اپنے مہمان (مسافر) کو دیکھ کر ترش رو ہوکر آنکھیں پھیر لیتا ہے۔

اس گنہگار کے باپ دادا (دوسری دنیا میں) پانی نہیں پیتے ہیں (۲۱) اور وہ گویا قتل برہمن وغیرہ کا یہاں مرتکب ہے۔ اور آخرت میں آنکھ کے کیچڑ کے حوض میں پڑتا ہے (۲۲) پورے سو سال تک آنکھ کے کیچڑ کو کھاتا ہوا وہاں پڑا رہتا ہے۔ بعد ازاں بھوت کے قالب میں رہتا ہے۔ بعدہ پاک ہوتا ہے (۲۳) جو برہمن کو کوئی چیز دے کر پھر اسے دوسرے کو دے بیٹھتا ہے تو وہ چربی کے حوض میں پڑتا ہے۔ بعدہ اس کو سو سال تک چربی کھانی پڑتی ہے (۲۴) مزید برآں بھارت میں سات جنم تک وہ گرگٹ ہوتا رہے گا۔ بعدہ بہت مفلس اور کم عمر ہوکر پیدا ہوگا۔ (۲۵) اگر حسینہ مرد کو یا مرد حسینہ کو منی پلاتا ہے وہ منی کے حوض میں جاکر گرتا ہے (۲۶) وہاں وہ پورے سو سال تک منی پیتا ہوا پڑا رہتا ہے۔ اور سو سال تک کیڑے جنم لیتا رہتا ہے بعدہ پاک ہوتا ہے (۲۷) جو شخص استاذ برہمن کو مار کر خون بہاتا ہے وہ خون کے حوض میں

کرتا ہے اور سو سال تک خون کھاتا ہے (۲۸) بعد ازاں بھارت میں سات جنم تک کشمیر کا جنم پاتا ہے اور
بعد انسان اس تدریج و ترتیب سے پاکیزگی پاتا ہے۔ دیوی بھاگوت: ۹: ۳۳: ۲-۲۸

یہاں اس مقابلہ میں اختصار کی خاطر ۸۶ کنڈوں میں سے دس گیارہ کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ پران
ذکور میں ان کا پورا تذکرہ ہے جو پانچ بابوں کے شلوکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ ذیل میں متذکرہ بالا کنڈوں
کی پیمائش کی تفصیل سے کہ جنت و جہنم کی مزید شہادت کو ختم کیا جا رہا ہے۔

دیوی بھاگوت: ۹: ۳۷: ۱-۱۸ (۱) سب کنڈ پورے چاند کی طرح گول اور مدور ہیں۔ اور بہت سے
پتھروں کے ٹکڑوں سے بچتے ہیں۔ (۲) وہ خداوند کے ارادہ سے بنے ہیں۔ نیتی (مہا پرلے) تک باقی رہنے
والے ہیں۔ یہ گنہگاروں کو تکلیف دینے والے ہیں اور مختلف الاشکال ہیں (۳) دہکتے ہوئے انگارے
کی شکل والے اور سو سو ہاتھ اونچے شعلوں والے، شور و غل والے کنڈ کو آگ کا حوض کہتے ہیں۔ یہی آگ کا
حوض رونے دھونے والے گنہگاروں سے بھرا ہوا ہے ہمیشہ مارنے پیٹنے والے میرے سپاہی اس کی رکھوالی
کرتے ہیں۔ (۵) تپتا ہوا حوض گرم پانی سے بھرا ہوا ہے اور اس میں خونخوار جانور بھرے ہوئے ہیں۔ وہ
سرزنش، ملامت اور سخت زدوکوب سے پر ہے (۶) یہ آدھا کوس لمبا چوڑا ہے۔ میرے مصاحب
اور سپاہی مارتے پیٹتے رہتے ہیں (۷) نمک کا حوض گرم کھارے پانی سے بھرا ہوا ہے اور وہاں کوے
بھڑ لگانے رہتے ہیں۔ یہ خطرناک اور گنہگاروں کی بھیڑ سے بھرا ہوا کنڈ ایک کوس لمبا چوڑا ہے۔ جب میرے
سپاہی ان کو پیٹتے ہیں تو وہ بچاؤ بچاؤ کرتے ہیں (۸) پاخانہ کا کنڈ ایک کوس لمبا چوڑا ہے۔ بدمنظر ہے
اور چلتے پھرتے بھوک کے پیاسے آدمیوں کی غیر پاخانہ سے پر (۹) یہ ذرہ ذرہ گندگی سے بھرا ہوا ہے۔ اور یہاں ہر وقت
گنہگاروں کا اژدحام رہتا ہے ان کو میرے سخت گیر ملازم مارتے ہیں اور ان کو پاخانہ کھانا پڑتا ہے۔
(۱۰) یہ بچاؤ بچاؤ چلاتے رہتے ہیں۔ اور ان کو پاخانہ کے کیڑے کاٹتے ہیں (۱۱) پیشاب کا کنڈ کھولتے ہوئے
پیشاب سے بھرا رہتا ہے اور پیشاب کے کیڑوں سے آمار رہتا ہے۔ یہاں بڑے بڑے گنہگار رہتے ہیں۔
جن کو کیڑے کاٹتے رہتے ہیں۔ یہ تاریکی سے ڈھکا ہوا دو کوس لمبا اور چوڑا ہے (۱۲) بلغم کے حوض میں رہنے
والوں کو میرے خوفناک سپاہی مارتے ہیں۔ ان کے حلق، لب، کام و دہن سوکھے ہوتے ہیں۔ وہاں
ہر طرف بلغم اور بلغم کے کیڑے ہی ہیں اور گنہگار بلغم میں لت پت رہتے ہیں اور سب بلغم کو کھاتے بھی
ہیں (۱۳) زہر کا حوض آدھا کوس لمبا چوڑا ہے اور اس میں زہر خورد گنہگار پڑے رہتے ہیں۔

(۱۴) زہر کے کیڑے ان گنہگاروں کو کاٹتے ہیں۔ میرے سپاہی ان کو پیٹتے ہیں اور وہ روتے اور کانپتے ہیں۔ (۱۵) کیچڑ کا حوض آدھا کوس لمبا چوڑا ہے اور ناک کی آلائش سے بھرپور ہے۔ اس میں سانپ کی شکل کے آہنی دانتوں والے خوفناک، سوکھے گلے والے کیڑے رہتے ہیں۔ (۱۶) چربی کا حوض چربی کے رس سے بھرا رہتا ہے۔ وہ چار کوس لمبا چوڑا ہے اور سخت ناگوار ہے۔ کیڑوں کے ذریعے کھائے گئے ہوئے ہمیشہ گھومنے والے گنہگاروں سے وہ کسا رہتا ہے (۱۷) منی کا حوض ایک کوس لمبا چوڑا ہے اس میں منی کے کیڑے رہتے ہیں۔ وہاں گنہگار منی کھاتے ہیں اور میرے سپاہی ان کو پیٹتے ہیں۔ (۱۸) خون کا حوض باولی کے برابر گہرا ہے جو بدبودار خون سے بھرا ہوا ہے۔ کیڑوں سے کھائے ہوئے ہمیشہ دوڑنے والے گنہگاروں سے یہ بھرا رہتا ہے۔ دیوی بھاگوت ۹ : ۳۷ : ۱—۱۸

بودھ مذہب کے جنت و جہنم کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

صفحہ ۱۴ کا بقیہ

پانچویں صفت "اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں"

پہلے عمل کا تعلق جسم سے تھا اور اس عمل کا تعلق مال سے ہے۔ سچا مومن، جان و مال دونوں ہی میں خدا کا فرماں بردار ہوتا ہے اور اس طرح اس کی اطاعت شعاری کی تکمیل ہوجاتی ہے۔ اس کی زندگی کا کوئی شعبہ خدا کی اطاعت سے باہر نہیں ہوتا۔ یہی وہ لوگ جن کے ذریعہ اس زمین پر خدا کا دین قائم اور اس کا کلمہ سربلند ہوتا

حقیقی اجر "ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں قصوروں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے"

یہ سچے مومنوں کے حقیقی اجر کا ذکر ہے، یہی وہ اخروی اجر ہے جو سچے مومنوں کا مطمح نظر اور ان کی تمام جدوجہد کا محرک ہے۔

صفحہ ۲۴ کا بقیہ

پہنچ گئی تو یوسف بولے: "جس خدا نے مجھے پیدا کیا ہے وہی ان سب کے بندھنوں کو توڑتا ہے جو مقید ہوتے ہیں۔ اور وہی تیرے ظلم سے مجھ کو بھی نجات بخشے گا۔" جب انھیں ایذا دی جانے لگی تو اس طرح اپیل کی: "اے خدا تو جانتا ہے کہ میں ان سب معاملات میں بالکل بے گناہ ہوں۔ تو کیا میں باطل کے چلتے ختم ہوجاؤں گا؟"

کیا ان سارے بیانات کے بعد بھی یہ حقیقت بے نقاب نہیں ہوتی کہ یوسف کا رب کون تھا۔
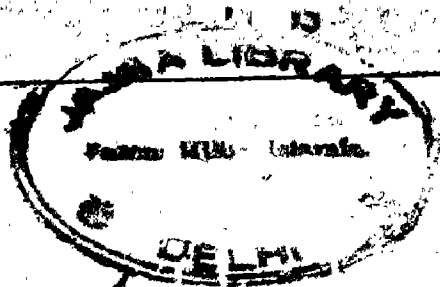
امر بالمعروف و نہی عن المنکر

فرض کفایہ یا فرض عین

(مولانا سید جلال الدین عمری)

اس بات سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ 'امر بالمعروف و نہی عن المنکر' فرض ہے۔ ہاں یہ سوال ضرور اختلافی رہا ہے کہ اس فرض کی نوعیت کیا ہے؟ آیا یہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ اس سوال پر غور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم ان دونوں کے فرق کو سمجھ لیں۔ اس فرق کو علامہ ابن بدران حنبلی نے بہت اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ ہم یہاں اس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

"فرض کفایہ یا فرض عین دونوں میں تعبدیت اور مصلحت پائی جاتی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ فرض کفایہ میں شریعت کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ ہر شخص کو اس کی تکلیف دی جائے، بلکہ اس سے شریعت صرف یہ چاہتی ہے کہ اس میں جو مصلحت پائی جاتی ہے وہ حاصل ہو جائے۔ لہٰذا اگر کسی ایک شخص کے ذریعے بھی یہ مصلحت حاصل ہو جاتی ہے تو مطلوب پورا ہو گیا اب دوسروں کو اس کی تکلیف دینے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس کے برعکس فرض عین میں مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو اس کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک اسے بجا لائے۔ ان دونوں میں عملی فرق یہ ہے کہ فرض کفایہ واجب تو سب پر ہوتا ہے لیکن بعض کے انجام دینے سے ساقط ہو جاتا ہے اور فرض عین جن لوگوں پر واجب ہوتا ہے ان پر سے وہ اس وقت ساقط ہوتا ہے جب کہ ان میں سے ہر شخص اسے انجام دے دے۔"[1]

مولانا عبدالعلی انصاری فرماتے ہیں:-

المقصود من الایجاب قد	کسی چیز کے وجوب سے مقصد کبھی تو
یکون اثبات المکلف بالاشتغال	یہ ہوتا ہے کہ مکلف کو اس میں مشغول کرکے

[1] المدخل الی مذہب الامام احمد بن حنبل

بمعنى أن الأركان الأربعة وقد	(کہلایا جاتا ہے) جیسا کہ ارکان اربعہ (نماز، روزہ
يكون المقصود شيئا آخر يجب	حج اور زکوٰۃ) میں ہے کبھی مقصود کوئی دوسری
لأجله ما يحصل المقصود بمجموعه[1]	ہی چیز ہوتی ہے جس کے لیے کوئی ایسا عمل واجب ہوتا
فإذا حصل المقصود لا يبقى الواجب	ہے کہ اس کے کرنے سے وہ مقصود حاصل ہو جائے
واجبا كالجهاد فإنه إنما وجب	جیسے کہ جہاد ہے۔ یہ واجب ہوا ہے۔ اعلاء کلمۃ اللہ
لإعلاء كلمة الله تعالى فإذا	کے لیے۔ اگر بعض اشخاص جہاد کریں تو اعلاء
أتى به البعض حصل الإعلاء وسقط الوجوب	کلمۃ اللہ حاصل اور وجوب ساقط ہو جائے گا۔

جمہور امت کے نزدیک امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے بعض لوگوں نے اسے فرض عین بھی کہا ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی کہتے ہیں :-

إن العلماء اتفقوا على أن	علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امر
الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر	بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے اس میں صرف
فرض للكفاية ولم يخالف إلا النزر[2]	چند لوگوں نے اختلاف کیا ہے

جمہور کی پہلی دلیل قرآن کی یہ دو آیتیں ہیں :-

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ	تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے
إِلَى الْخَيْرِ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ	جو خیر کی طرف بلائے۔ معروف کا حکم دے اور
يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	منکر سے منع کرے۔
كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	تم بہترین امت ہو جسے انسانوں کی اصلاح
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ	کے لیے وجود میں لایا گیا ہے۔ تم معروف کا حکم دیتے
عَنِ الْمُنْكَرِ	اور منکر سے منع کرتے ہو۔

ابن عربی مالکی کہتے ہیں کہ "یہ دونوں آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے[3] کیونکہ پہلی آیت یہ کہتی ہے کہ امت میں ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری ہے جو امر بالمعروف

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مطبوعہ مع المستصفی للغزالی جلد ۱ صفحہ ۶۳ [2] روح المعانی جزء ۴ صفحہ ۲۱
[3] احکام القرآن ج ۱ صفحہ ۲۹۲

ونہی عن المنکر کا فرض انجام دے اور دوسری آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پوری امت کے کرنے کا کام ہے اس سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر گو پوری امت پر فرض ہے لیکن بعض افراد کے ادا کرنے سے وہ پوری امت سے ساقط ہو جاتا ہے۔

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلی آیت میں حرف 'من' تبعیض کے لیے ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کل افراد امت پر واجب نہیں ہے بلکہ بعض افراد پر واجب ہے۔ چنانچہ زمخشری اور قاضی بیضاوی کہتے ہیں :-

من للتبعیض لان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر من فروض الکفایۃ [1]	'مِن' تبعیض کے لیے کیونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا شمار فرض کفایہ میں ہوتا ہے۔

اسی آیت کے ذیل میں ابوبکر جصاص لکھتے ہیں :-

وحقیقتہ تقتضی البعض دون البعض فدل علی انہ فرض علی الکفایۃ اذا قام بہ بعضھم سقط عن الباقین [2]	اس کی حقیقت (امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے) بعض افراد کا تقاضا کرتی ہے اور بعض کا نہیں کرتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ فرض علی الکفایہ ہے۔ جب اس کام کو بعض افراد انجام دیں گے۔ تو بقیہ لوگوں سے ذمہ داری ساقط ہو جائے گی۔

اسی بات کو امام غزالی نے زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے :-

فیھا بیان انہ فرض کفایۃ لا فرض عین وانہ اذا قام بہ امۃ سقط الفرض عن الآخرین اذ لم یقل کونوا کلکم آمرین	آیت میں اس بات کا اظہار ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں ہے اور یہ کہ اگر ایک جماعت (بھی) اس پر عمل کرے تو دوسرے تمام افراد سے وہ ساقط ہو جائے گا

۱؎ الکشاف عن حقائق التنزیل ج ۱ ص ۲۴۲ مطبعہ کلکتہ۔ اس استدلال کے بارے میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ من تبعیض کے لیے ہونے کی عجیب دلیل ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض کفایہ ہونا خود زیر بحث ہے اور وہ اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے جبکہ تم پہلے ہی سے یہ ثابت کیا جائے کہ من بیان تبعیض ہو سکتا ہے۔ ۲؎ احکام القرآن ج ۲ ص ۳۵

بالمعروف بل قال ولتکن منکم امة فاذا قام به واحد او جماعة سقط الحرج عن الآخرین[1]

کیونکہ خدائے تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب کے سب معروف کا حکم دینے والے بن جاؤ، بلکہ یہ فرمایا کہ تم میں ضرور ایک جماعت (اس کام کے لیے) ہونی چاہیے۔ پس جب کوئی ایک شخص یا کوئی ایک جماعت اس فرض کو انجام دے تو دوسروں کی ذمہ داری ساقط ہو جائے گی۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرض کفایہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ کام بڑی اونچی صلاحیت کا تقاضا کرتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کو شریعت کا وسیع علم ہو، وہ نفسیات شناس اور دور اندیش ہو، موقع و محل کی نزاکت کو سمجھتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ کس شخص کے ساتھ کس نوعیت کا رویہ اختیار کیا جائے۔ ظاہر ہے اس کی صلاحیت ہر ایک میں نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ فرض عین بھی نہیں ہو سکتا۔ زمخشری کہتے ہیں۔

لانه لا یصلح الا من علم المعروف والمنکر وکیف یرتب الامر فی اقامته وکیف یباشر فان الجاهل ربما نهی عن معروف وامر بمنکر وربما عرف الحکم فی مذهبه وجهله فی مذهب صاحبه فنهاه عن غیر منکر وقد یغلظ فی موضع اللین ویلین فی موضع الغلظة وینکر علی من لا یزیده انکاره الا تمادیا او علی من الانکار علیه

کیونکہ اس کام کا وہی شخص اہل ہو سکتا ہے جو معروف و منکر کو جانتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ کیسے اس کو قائم کرے اور کیسے اس کو انجام دے۔ کیونکہ جاہل شخص بسا اوقات معروف سے روک دے گا اور منکر کا حکم دینے لگے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے فقہی مسلک میں تو ایک چیز کے حکم کو جانتا ہو اور جس سے معاملہ ہے اس کے مسلک میں اس کا جو حکم ہے اس سے ناواقف ہو۔ لہٰذا مخاطب کے مسلک کے لحاظ سے منکر کے نہ ہوتے ہوئے بھی وہ اسے منع کر دے گا۔ اسی طرح کبھی نرمی کی جگہ سختی اور سختی کی جگہ نرمی کرے گا اور کبھی ایسے شخص پر نکیر کرے گا کہ جس کو نکیر کرنا سرکشی ہی میں بڑھا دے گا یا ایسے شخص پر نکیر کرے گا جس پر نکیر کرنا بالکل

[1] احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۶۹

عبث[3] بے سود ہو گا۔

جو لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فرض عین کہتے ہیں وہ اس دلیل کو نہیں مانتے کہ آیت "ولتکن منکم امۃ" میں اس کے فرض کفایہ ہونے کا بیان ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت میں "من" تبعیض کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ وہ ٹھیک اسی طرح بطور مجاز استعمال ہوا ہے جس طرح قرآن کی ایک دوسری آیت "یغفر لکم من ذنوبکم" میں استعمال ہوا ہے[1] ظاہر ہے اس کا یہ ترجمہ صحیح نہیں ہوگا کہ خدا تمہارے بعض گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ خدا تمہارے گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ گویا ان کے نقطہ نظر سے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم کو لازماً ایک ایسی امت ہونا چاہیے جو معروف کا حکم دے اور منکر سے منع کرے[2]

رہا یہ بات کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض صرف اہل علم ہی انجام دے سکتے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے۔ ہر مسلمان دین کی بنیادی باتوں سے واقف ہوتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ نماز اور روزہ فرض ہے اور زنا اور شراب حرام ہے۔ ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ایک شخص مسلمان بھی ہو اور وہ ان موٹی موٹی باتوں سے ناواقف بھی ہو۔ لہذا ان کے سلسلے میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دینا ہر مسلمان کے امکان میں ہے۔ اس کے لیے کسی خاص علمی قابلیت کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاشبہ عام آدمی علمی مسائل اور تحقیقاتی امور میں نہ رائے زنی کر سکتا ہے اور نہ اسے کرنا چاہیے لیکن بالکل کھلے ہوئے معروفات و منکرات کے بارے میں جس طرح ایک عالم امر و نہی کا فرض انجام دے سکتا ہے۔ اسی طرح ایک جاہل کے لیے بھی اس ذمہ داری کا ادا کرنا دشوار نہیں ہے۔

ایک ضمنی بحث کے ذیل میں علامہ عبدالقادر عودہ شہید کہتے ہیں۔

ان وجوب واجب الامر	جاہل کی گردن پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر
بالمعروف والنهي عن المنكر	کے وجوب کی ذمہ داری رکھ دینے سے وہ نقصان
على عاتق الجاهل لن يؤدى	نہیں پہنچا جس کا ان لوگوں کو اندیشہ ہے کیونکہ
الى الامور التي يعرفونها	جاہل اپنے حالات کے لحاظ سے صرف ان ہی چیزوں

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل ج ۱ ص ۲۲۲ [2] احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۳۵ [3] اس استدلال کی خامی بالکل واضح ہے [illegible] امت پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے واجب ہونے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ امت کے ہر فرد پر بھی واجب ہو [illegible] فرض کفایہ کہتے ہیں وہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ وہ پوری امت پر فرض ہے (بعض لوگوں کو اس سے اختلاف بھی ہے) البتہ وہ فرض کفایہ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ بعض افراد کے ادا کرنے سے وہ پوری امت سے ساقط ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس استدلال [illegible] کی تردید نہیں ہوتی۔

لان الجاهل بطبيعة الحال لا يامر	کا حکم دے گا۔ یا منع کرے گا۔ جو بالکل ظاہر ہیں
لا ينهى الا ما هو ظاهر لا خلاف عليه	اور جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے جیسے نماز کی
كالامر بالصلوٰة والنهى عن السرقة والزنا[1]	ادائیگی کا حکم دینا یا چوری اور زنا سے منع کرنا۔

مفتی شیخ محمد عبدہٗ کی رائے میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض عین ہے۔ وہ آیت ولتکن منکم امۃ الخ کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

"جس مفروضہ پر قرآن کے اس خطاب کو محمول کیا جانا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ مسلمان ان چیزوں سے ناواقف نہیں ہوگا جو اس پر واجب ہیں۔ (کیونکہ) اس کو (شریعت کے) جاننے اور معروف ومنکر کے درمیان فرق کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں (معروف ومنکر کا معلوم کرنا کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے کیونکہ) معروف سے مراد جب وہ مطلقاً بولا جائے تو ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن کو انسان کی عقل اور نیک طبائع جانتی ہیں۔ اس کے برعکس منکر ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن کو عقل انسانی اور سلیم طبیعتیں ناپسند کرتی ہیں۔ اس کے جاننے کے لیے حاشیہ ابن عابدین فتح القدیر اور مبسوط کے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی رہنمائی کے لیے سلامتی فطرت کے ساتھ۔۔ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کافی ہے جو تواتر اور عمل کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ کسی بھی شخص کو اس سے ناواقف رہنے کی (شرعاً) کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (کیونکہ مسلمان تو ایسی ونہیں [illegible] ہوتا ہے جبکہ وہ اس کو جانتا ہو۔ جو لوگ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے عموم کا انکار کرتے ہیں وہ (گویا) اس بات کو جائز سمجھتے ہیں کہ مسلمان اس طرح جاہل رہے کہ نہ تو وہ خیر وشر کے فرق کو جانتا ہو اور نہ معروف ومنکر میں تمیز کر سکتا ہو۔ ظاہر ہے یہ چیز دینی نقطہ نظر سے جائز نہیں ہے"[2]

اسی بحث کے ذیل میں ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

فريضة الامر بالمعروف والنهى	امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ فریضۂ
عن المنكر اكد من فريضة الحج ولم	حج سے بھی زیادہ مؤکد ہے کیونکہ حج کے لیے استطاعت
يشترط فيها الاستطاعة لانها	شرط ہے اور اس کے لیے نہیں ہے۔ اسے ہر حال
مستطاعة دائماً[3]	میں عمل ہو سکتا ہے۔

---

[1] التشريع الجنائى الاسلامى ص ۴۹۵
[2] تفسير القرآن الحكيم (المنار) ج ۴ ص ۳۵
[3] تفسیر القرآن الحکیم (المنار) ج ۴ ص ۴۰

حقیقت یہ ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں جس طرح ایک مجتہد کا اجتہادی کارنامہ شامل ہے اسی طرح ایک عام آدمی کا دوسروں کو دین کی بنیادی باتیں بتانا بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہی کی تعریف میں آتا ہے۔ یہ کام علمی انداز میں بھی ہوسکتا ہے اور بالکل سادہ طریقے سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے کبھی قرآن وحدیث کے وسیع مطالعہ اور دینی علوم میں گہری بصیرت مطلوب ہوگی اور کبھی دین کی مبادیات اور اس کی اصولی تعلیمات کا علم کافی ہوگا۔ اس کام میں ایسے مسائل بھی سامنے آئیں گے جو اپنے حل کے لیے اونچے درجے کی علمی صلاحیت اور حالات زمانہ سے غیر معمولی واقفیت کا تقاضا کریں گے اور ایسے مسائل پر بھی گفتگو ہوگی کہ تھوڑے سے علم وفہم سے ان کا تصفیہ ہوسکے گا۔ لہٰذا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ جو لوگ اعلیٰ پیمانے پر یہ کام نہ کرسکتے ہوں وہ اسے بالکل چھوڑ بیٹھیں اور اپنے حدود کے اندر بھی اسے انجام نہ دیں۔

جو لوگ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو فرض کفایہ کہتے ہیں ان کی عقلی دلیل بہت کمزور ہے بلکہ خود ان کے دعوے کے خلاف جاتی ہے۔ کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب تو پوری امت پر ہے لیکن اگر بعض افراد بھی اسے ادا کردیں تو پوری امت سے اس کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے۔ اس کی وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہر شخص میں اس کی صلاحیت نہیں ہوتی اس لیے وہ ہر ایک پر واجب بھی نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ دلیل اپنے دعوے کی آپ تردید ہے۔ کیونکہ شریعت کا کوئی بھی حکم کسی شخص پر اسی وقت واجب ہوتا ہے جب کہ وہ اس کو ادا کرسکتا ہو۔ اگر کسی میں اس کے ادا کرنے کی استطاعت ہی نہیں ہے تو وہ اس پر واجب بھی نہیں ہے۔ اس اصول کے تحت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو بھی پوری امت پر واجب نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے صرف ان ہی افراد پر واجب ہونا چاہیے جو اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ بعض علماء کا جن میں علامہ شاطبی اور امام رازی جیسے محققین شامل ہیں یہ خیال ہے کہ فرض کفایہ پوری جماعت پر فرض نہیں ہے بلکہ ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کو کرسکتے ہیں۔ علامہ شاطبی فرماتے ہیں:۔

ان الطلب وارد على البعض	مطالبہ بعض سے ہے۔ یہ نہیں کہ بعض جیسے
ولا على البعض كيف كان ولكن على	بھی ہوں بلکہ ان لوگوں سے جن میں فعل مطلوب کو
من فيه اهلية القيام بذلك الفعل المطلوب	پیدا کرنے کی صلاحیت ہے نہ کہ الکل العموم سے

اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی آیت جس میں قرآن نے کہا ہے کہ تم میں ایک گروہ لازماً اس کام کے لیے ہونا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ پوری جماعت پر نہیں بلکہ صرف ایک گروہ پر واجب ہے

اس طرح کی بعض اور آیتیں پیش کرنے کے بعد علامہ شاطبی فرماتے ہیں :-

وفی القرآن من هذا النحو اشیاء	قرآن میں اس قسم کی بہت سی چیزیں ہیں
کثیرة ورد الطلب فیها نصا علی البعض لا علی الجمیع[1]	جن میں مطالبہ صراحۃً بعض سے ہے نہ کہ تمام سے

امام رازی نے اسی دلیل کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

انا اجمعنا علی ان ذالك واجب	ہم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ امر بالمعروف
علی سبیل الکفایة بمعنی انه	ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ بایں معنی کہ جب اس
متی قام به البعض سقط عن الباقین	پر بعض اشخاص عمل کریں تو باقی لوگوں سے وہ
واذا کان کذالك کان	ساقط ہو جائے گا۔ جب یہ بات ہے تو (آیت کا)
المعنی لیقم بذالك بعضكم فكان	مطلب یہ ہوا کہ تم میں سے بعض کو لازماً یہ کام
فی الحقیقة هذا ایجابا علی البعض	انجام دینا چاہیے۔ پس یہ حقیقت میں بعض پر واجب
لا علی الكل[2]	کرنا ہے نہ کہ سب پر۔

فرض کفایہ کو پوری امت پر فرض سمجھنے والوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ سب ہی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ فرض کفایہ اگر ادا ہونے سے رہ جائے تو امت پوری کی پوری گنہگار ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ اگر فرض کفایہ کا انجام دینا امت کے صرف بعض ہی افراد کے لیے ضروری ہے تو اس کے ادا نہ ہونے سے پوری امت گنہگار کیوں ہوتی ہے[3]

یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ فرض کفایہ کی تکمیل کا مطالبہ قرآن میں صرف بعض افراد سے کیا گیا ہے بلکہ اس نے اس کا مطالبہ پوری امت سے کیا ہے۔ مثال کے طور پر جہاد فرض کفایہ ہے لیکن اس کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے۔ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ (تم پر جنگ فرض کی گئی ہے) ظاہر ہے [illegible] امت کا کوئی

---

[1] الموافقات فی اصول الشریعۃ ج ۱ ص ۱۷۶ [2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) ج ۳ ص ۔۔ امام رازی نے اس خیال کو اپنی رائے کی حیثیت سے نہیں پیش کیا ہے لیکن اس سے ان کا رجحان صاف ظاہر ہے۔ اصول فقہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی فرض کفایہ کو پوری جماعت پر فرض نہیں سمجھتے بلکہ صرف بعض افراد پر فرض سمجھتے ہیں لیکن ان کتابوں میں ان کا نقطۂ نظر بہت ہی اجمال کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ غالباً انہوں نے اپنی کتاب المحصول (فی اصول الفقہ) میں اس پر تفصیل سے [illegible] یہ کتاب اس وقت ہمارے سامنے نہیں [3] بعض حضرات اس کے بھی قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک فرض کفایہ کے ترک سے [illegible] کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ (دیکھیے الموافقات ج ۱ ص ۱۷۷)

ایک گروہ نہیں بلکہ پوری امت ہے۔[1]

بلاشبہ قرآن کی آیت "ولتکن منکم امۃ الخ" میں یہ کہا گیا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ پوری امت پر فرض نہیں ہے۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ اس جماعت کا تعین کر دیتا تو ہم سمجھتے کہ یہ کام صرف اسی پر فرض ہے لیکن اس نے کسی جماعت کا تعین نہیں کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پوری امت اس کی مخاطب ہے۔ لیکن چونکہ اس پر عمل کرنے والے بعض ہی افراد ہوں گے اس لیے فرمایا کہ تم میں اس کام کے لیے ایک جماعت ہونی چاہیے۔ بیضاوی کہتے ہیں:۔

خاطب الجمیع وطلب فعل بعضهم	خطاب تو کیا ہے سب سے لیکن مطالبہ کیا
لیدل علی انه واجب علی	ہے ان میں سے بعض کے عمل کا۔ تاکہ اس بات پر
الکل حتی لو ترکوه	دلالت کرے کہ وہ سب پر واجب ہے۔ اگر وہ اس
راساً اثموا جمیعا ولکن	کو بالکل چھوڑ دیں تو سب کے سب گنہگار ہوں گے
یسقط بفعل بعضهم وهکذا	البتہ وہ ان میں سے بعض کے انجام دینے سے ساقط
کل ما هو فرض کفایة[2]	ہو جائے گا۔ یہی حال ہر اس عمل کا ہے جو فرض کفایہ ہے

اسی بات کو شیخ اسمٰعیل حقی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

ان "من" فی قوله منکم للتبعیض	منکم میں "من" تبعیض کے لیے ہے۔ خطاب
وتوجیه الخطاب الی الکل مع	کا رخ سب کی طرف ہے اور دعوت الی الخیر کو
اسناد الدعوة الی البعض	بعض کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ تاکہ اس کا فرض کفایہ
لتحقیق معنی فرضیتها علی الکفایة	ہونا متحقق ہو جائے اور یہ ثابت ہو جائے کہ دعوت
وانها واجبة علی الکل لکن	الی الخیر سب پر واجب ہے لیکن اس طرح کہ اگر
بحیث ان اقامها البعض سقطت	اس کو بعض افراد ہی لے کر کھڑے ہو جائیں تو بقیہ
عن الباقین ولو اخل بها	لوگوں سے وہ ساقط ہو جائے گی، ہاں اگر سب
الکل اثموا جمیعا لا	ہی اسے چھوڑ بیٹھیں تو سب کے سب گنہگار ہوں گے

[1] دونوں [illegible] علم التفسیر [illegible] کی شرح [illegible] مطبوعہ مصر [illegible] جلد ۱ صفحہ ۶۶ - ۹۳

[2] [illegible]

بحیث یحتم علی الکل اقامتہا[1]	یہ نہیں کہ تمام لوگوں پر دعوت الی الخیر کو قائم کرنا فرض ہے۔

ہم نے دونوں طرف کے دلائل اختصار کے ساتھ بیان کر دیے ہیں۔ ان دلائل پر اعتراضات بھی ہوئے ہیں اور ان کے جوابات بھی دیے گئے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ نہ تو یہ خامیوں سے بالکل پاک ہیں اور نہ ان سے یہ مسئلہ صحیح نہج پر حل ہو سکا ہے۔ اس کا معقول حل بعض دوسرے اہل علم نے پیش کیا ہے۔ ان ہی میں امام شاطبی کی کتاب الموافقات فی اصول الشریعۃ کے شارح اور تعلیقات نگار شیخ عبداللہ دراز بھی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ امام شاطبی کے نزدیک فرض کفایہ صرف ان ہی افراد پر فرض ہوتا ہے جو اس کو انجام دینے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ اس کی تائید میں انھوں نے آیت ولتکن منکم امۃ اور بعض دوسری آیتیں پیش کی ہیں۔ شیخ عبداللہ دراز اس سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ھذہ الآیات لا تدل علی	یہ آیتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ
ان الطلب متوجہ الی البعض	مطالبہ صرف بعض سے ہے بلکہ اس کی مخالفت کرنے
بل للمانع ان یقول المعنی یجب	والا یہ کہہ سکتا ہے کہ ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ
علیکم جمیعا ان ینھضوا ھم	تم سب پر واجب ہے کہ اس کام کے لیے بعض کو کھڑا
لذلک بعضکم و یعاونوھم	کرو، اس کے لیے ان کو تیار کرو اور ہر طرح ان
بکل المسائل لیتحقق ھذا المھم	کی معاونت کرو تاکہ مصلحت کی یہ مہم متحقق ہو جائے
من المصلحۃ فان لم یحصل ھذا	کیونکہ مصلحت کی یہ مہم اگر حاصل نہ ہوئی تو
المھم من المصلحۃ اثم جمیع	اہلیت رکھنے والے اور نہیں رکھنے والے سارے کے سارے
المکلفین المتاھل وغیرہ[2]	سارے مکلفین گنہگار ہوں گے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ خود امام شاطبی اپنی بحث کے آخر میں فرماتے ہیں کہ اگر ایک خاص پہلو سے غور کیا جائے تو یہ بحث کوئی حقیقی بحث نہیں رہتی۔ اور وہ پہلو وہی ہے جسے شیخ عبداللہ دراز نے پیش کیا ہے۔ ان کے الفاظ دیکھیے :-

قد یصح ان یقال انہ واجب	بطور تجاز یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ واجب علی الکفاۃ

[1] روح البیان ج ۱ صفحہ ۳۵۲   [2] الموافقات فی اصول الشریعۃ ج ۱ صفحہ ۱۷۹ (حاشیہ نمبر ۲)

على الجميع على وجه من التجوز لأن القيام بذلك الفرض قيام بمصلحة عامة فهم مطلوبون بسدها على الجملة فبعضهم هو قادر عليها مباشرة وذلك من كان أهلا لها والباقون وإن لم يقدروا عليها قادرون على إقامة القادرين فمن كان قادرا على الولاية فهو مطلوب بإقامتها ومن لا يقدر عليها مطلوب بأمر آخر وهو إقامة ذلك القادر وإجباره على القيام بها فالقادر إذا مطلوب بإقامة الفرض وغير القادر مطلوب بتقديم ذلك القادر إذ لا يتوصل إلى قيام القادر إلا بالإقامة من باب ما لا يتم الواجب إلا به وبهذا الوجه يرتفع مناط الخلاف فلا يبقى للمخالفة وجه ظاهر[1]

سب پر واجب ہے، کیونکہ اس فرض کو انجام دینا حقیقت میں مصلحت عامہ کو انجام دینا ہے اور اس کے پورا کرنے کا مطالبہ فی الجملہ سب ہی سے ہے۔ ان میں سے بعض بذات خود اسے انجام دینے کی قدرت رکھتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن میں اس کی اہلیت ہوتی ہے۔ بقیہ لوگ اگرچہ بذات خود اسے انجام دینے کی قدرت نہیں رکھتے لیکن قدرت رکھنے والے کو کھڑا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ پس جو شخص اس کو بذات خود انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے اس سے تو اس پر عمل کا مطالبہ ہے اور جو خود اس پر قادر نہیں ہے اس سے ایک دوسری چیز کا مطالبہ ہے اور وہ ہے قدرت رکھنے والے شخص کو اس کے لیے کھڑا کرنا اور اس کی انجام دہی پر مجبور کرنا۔ پس قدرت رکھنے والے سے تو اقامتِ فرض کا مطالبہ ہے اور قدرت نہیں رکھنے والے سے قدرت رکھنے والے کو آگے بڑھانے کا مطالبہ۔ جب قیام قادر تک پہنچنے کا ذریعہ اس کی اقامت ہو تو یہ گویا اس طرح کی چیز ہے کہ واجب کی تکمیل کے لیے جو چیز ضروری ہوتی ہے وہ بھی واجب ہو جاتی ہے۔ اس طریقے سے اختلاف کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے اور مخالفت کا کوئی واضح سبب نہیں رہتا۔

امام شاطبی کے اس بیان سے جس طرح یہ سوال حل ہو جاتا ہے کہ فرض کفایہ پوری امت پر فرض ہے یا

[1] الموافقات فی اصول الشریعۃ جلد ۱ صفحہ ۱۷۹–۱۸۰

عائد ہے بعض افراد پر۔ اسی طرح اس سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرض کفایہ یا فرض عین ہونے کی بحث بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مفتی شیخ محمد عبدہ نے اسی نہج سے اس مسئلہ پر غور کیا ہے۔ ان کے نزدیک امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض عین ہے۔ جو لوگ اس کو فرض کفایہ کہتے ہیں ان کی ایک دلیل (جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں) یہ ہے کہ قرآن نے اس کام کے لیے "ولتکن منکم امۃ الخ" کہا ہے اور 'من' یہاں تبعیض کے لیے ہے۔ شیخ محمد عبدہ نے ان کے اس دعوے کو مان کر آیت کی اس انداز میں تشریح کی ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض کفایہ ہوتے ہوئے بھی فرض عین کی سی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ فرماتے ہیں: 'من' کو تبعیض کا ماننے کے بعد آیت کا مطلب یہ ہے کہ "تم میں ایک ایسی ممتاز امت ہونی چاہیے جو دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرض کو لیکر کھڑی ہو۔ اس حکم کے مخاطب تمام اہل ایمان ہیں کیونکہ وہی اس بات کے مکلف ہیں کہ اپنے میں سے ایک ایسی امت کا انتخاب کریں جو اس فرض کو انجام دے۔ گویا دو طرح کے فرائض ہیں۔ ایک وہ جو تمام مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو اس 'امت' پر عائد ہوتا ہے جسے وہ دعوت کے لیے منتخب کریں۔ یہ حقیقت اسی وقت واضح ہوگی جب کہ ہم لفظ 'امت' کو جسے قرآن نے یہاں استعمال کیا ہے ٹھیک سے سمجھ لیں۔ 'امت' کے معنی محض جماعت کے نہیں ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جماعت کے لفظ میں عموم ہے اور اس کے مقابلے میں 'امت' کا لفظ خاص ہے۔ اس سے مراد ایسے افراد کا مجموعہ ہے جن میں کوئی رابطہ ہو اور جن کے درمیان ایسی وحدت ہو کہ وہ ایک جسم کے اعضا بن جائیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ دعوت کے اس کام کے لیے 'امت' کی تشکیل کے ذمہ دار تمام مسلمان ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو وجود میں لانے، اس کو اپنے کام میں مدد دینے اور اس کی رفتار کی نگرانی کرنے میں حسب استطاعت ہر شخص کے ارادے اور عمل کا شامل ہونا ضروری ہے۔ اگر اس امت کو کوئی لغزش یا انحراف نظر آئے تو ان سب کی ذمہ داری ہے کہ اسے راہ صواب کی طرف لوٹا دیں[1]"

اس میں شک نہیں کہ دین کی تبلیغ اور امت کی اصلاح اور خیر خواہی کا کام آسان نہیں ہے لیکن اس کے باوجود ہر شخص اسے اپنی قوت و صلاحیت کے مطابق انجام دے سکتا ہے۔ اگر کسی میں یہ صلاحیت ہے کہ پورے عالم انسانی میں معروف کو قائم کردے اور منکر کو مٹا دے تو ضرور اسے اس فرض کو اسی وسیع پیمانے پر انجام دینا چاہیے۔ لیکن جس میں اتنی صلاحیت نہیں ہے وہ اپنے لیے نسبتاً محدود دائرے کا انتخاب کر سکتا ہے۔ اگر

---

[1] تفسیر المنار جلد ۴ صفحہ ۲۶

کسی بھی پہلو سے اس میں اس کام کی صلاحیت نہیں ہے تو اس کے لیے کم سے کم یہ راہ تو کھلی ہوئی ہے کہ اہل افراد کو اس کام پر آمادہ کرے اور ان کے ساتھ تعاون کرے تاکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض براہ راست نہ سہی بالواسطہ ہی انجام پا سکے اور وہ بالکلیہ اس فرض کا تارک نہ قرار پائے۔

جو لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فرض کفایہ کہتے ہیں اور جو اس کے فرض عین ہونے کے قائل ہیں، ہم نے ان دونوں کے دلائل تفصیل سے بیان کر دیے ہیں۔ پہلا نقطۂ نظر جمہور کا ہے اس کے بعض پہلو ابھی توضیح کے محتاج ہیں۔

۱۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اگر ہم فرض عین نہ کہیں اور جمہور کی رائے کے مطابق اسے فرض کفایہ ہی قرار دیں تو اس سے اس کے وجوب کی حیثیت بدل نہیں جائے گی بلکہ وہی حقیقت ہوگی جو فرض عین کی ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ واجب العین اور واجب علی الکفایہ کی حقیقت ایک دوسرے سے مختلف ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ علامہ آمدی فرماتے ہیں:۔

لا فرق عند اصحابنا	ہمارے اصحاب کے نزدیک واجب عین اور
بین واجب العین والواجب علی	واجب کفایہ میں وجوب کے پہلو سے کوئی فرق نہیں ہے
الکفایۃ من جھۃ الوجوب	کیونکہ دونوں واجب کی تعریف میں آتے ہیں بعض
لشمول حد الواجب لھما	لوگوں کو اس سے اختلاف ہے۔ اس بنیاد پر کہ واجب
خلافا لبعض الناس مصیرا	عین دوسرے کے ادا کرنے سے ساقط نہیں ہوتا اور
منه الی ان واجب العین لا	واجب کفایہ ساقط ہو جاتا ہے لیکن اس سے زیادہ
یسقط بفعل الغیر بخلاف واجب	سے زیادہ دونوں کو ساقط کرنے کے طریقوں میں
الکفایۃ وغایته الاختلاف فی	اختلاف ثابت ہوتا ہے اور یہ چیز وجوب کی
طریق الاسقاط وذالک لا یوجب الاختلاف فی الحقیقۃ[1]	حقیقت میں اختلاف کو لازم نہیں کرتی۔

۲۔ فرض عین کی ذمہ داری جماعت کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے اور فرض کفایہ کی پوری جماعت پر۔ جتنا فرض عین کی ادائیگی کے لیے ہر فرد انفرادی طور پر فکرمند ہوتا ہے، اسی طرح فرض کفایہ کی ادائیگی کے لیے پوری جماعت کو فکرمند ہونا چاہیے کہ کوئی جماعت فرض کفایہ کو ترک کر دے خواہ قصداً یا اپنی غفلت اور کوتاہی سے اس کے

[1] الاحکام فی اصول الاحکام ۱/ [illegible]

تمام افراد گنہگار رہیں گے۔ ہاں اگر ان میں سے بعض بھی اسے انجام دے دیں تو ذمہ داری سب سے ساقط ہو جائیگی اور ان لوگوں کو ثواب ملے گا جو اسے انجام دیتے ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالعلی انصاری نے "واجب علی الکفایہ" کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:۔

الواجب الذی من شانہ	ایسا واجب کہ جس کی خصوصیت یہ ہے کہ
ان یثاب الاتون ولا یعاقب التارکون	اس پر عمل کرنے والے ثواب پائیں گے اور چھوڑنے
اذا اتی بہ البعض وان لم	والوں کو سزا نہیں دی جائے گی (لیکن یہ اس وقت)
یات احد یعاقب	جب کہ بعض لوگ اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی بھی اس پر
الکل[1]	عمل نہ کرے تو سب کے سب سزا کے مستحق ہوں گے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی جماعت خدا کی گرفت سے بچنا چاہتی ہے تو اس کا نظام ایسا ہونا چاہیے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ہر وقت اس میں انجام پاتا ہے اور اس کے اندر ایسے افراد موجود ہوں جو بھلائیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے منع کریں۔

۳۔ فرض کفایہ افضل ہے یا فرض عین؟ جلال المحلی کہتے ہیں کہ فقہا نے اس سوال سے صراحۃً بحث نہیں کی ہے البتہ ان کی تحریروں سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ فرض عین کو افضل سمجھتے ہیں۔ کیونکہ شریعت نے اس کو فرض کفایہ کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی ہے اور ہر مکلف سے اس پر عمل کا مطالبہ کیا ہے لیکن علامہ ابو اسحٰق اسفرائنی امام الحرمین اور علامہ ابو محمد جوینی کی رائے میں فرض کفایہ کی فرض عین سے زیادہ فضیلت ہے۔ کیونکہ فرض کفایہ کو جب چند افراد اچھی طرح انجام دیتے ہیں تو اس سے وہ تمام لوگ گناہ سے بچ جاتے ہیں جن پر اس کی ذمہ داری تھی۔ لیکن فرض عین کے ادا کرنے سے آدمی صرف اس گناہ سے بچتا ہے جو اس کے نہ کرنے سے ہوتا ہے اس میں دوسروں کو گناہ سے بچانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا[2] اس پہلو سے دیکھا جائے تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت' اس کو فرض کفایہ ماننے کے باوجود بہت بڑھ جاتی ہے۔

۴۔ خدا کے دین کی طرف دنیا کو دعوت دینا اور اس کو قائم و غالب کرنا بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے اور یہ بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے کہ کسی بے نمازی کو نماز کی نصیحت کی جائے یا کسی شرابی کو شراب سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ ان میں سے پہلا کام مستقل ہے اور دوسرا وقتی اور عارضی۔ کیونکہ پہلے کام

[1] شرح مسلم الثبوت ج ۱ ص ۶۳-۶۲ [2] شرح الجلال المحلی علی جمع الجوامع مطبوع مع حاشیۃ البنانی ج ۱ ص ۱۸۶-۱۸۵

کی نوعیت ایسی ہے کہ اس کو ہر شخص اپنی استعداد کی حد تک زندگی بھر انجام دے سکتا ہے۔ کبھی کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کام ختم ہو گیا اور اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اس پہلو سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فرض عین کہنا غلط نہ ہوگا۔ لیکن دوسرا کام اس نوعیت کا ہے کہ اس کو انجام دینے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص اس میں لگا رہے بلکہ ایک فرد یا چند افراد بھی اس کے لیے کافی ہو سکتے ہیں۔ فرض کیجیے کسی مجلس میں کوئی خلاف شرع بات ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے اس سے منع کرنا اہلِ مجلس کا فرض ہے لیکن یہ کام بیک وقت مجلس کے تمام افراد نہ تو انجام دے سکتے ہیں اور نہ فی الواقع اس کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی ایک شخص بھی اس کی اصلاح کی معقول کوشش کرتا ہے تو سب کی ذمہ داری ساقط ہو جائے گی۔ ہاں اگر پوری مجلس اس سے غفلت برتے گی تو اس کے سب ہی افراد گنہگار رہیں گے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے کام کی اس نوعیت کو سامنے رکھا جائے تو اسے فرض کفایہ ہی کہنا چاہیے، نہ کہ فرض عین۔

۵۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فرض کفایہ کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر امت مسلمہ کا کوئی ایک فرد یا چند افراد زمین کے کسی گوشے میں اس فرض کو انجام دے رہے ہوں تو پوری امت اس سے سبکدوش ہو جائے گی۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تقاضا ہے کہ ایک طرف ان لوگوں میں دین کا کام کیا جائے جو اس سے ناواقف ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں میں اس فرض کو انجام دیا جائے۔ پہلا کام جتنا دشوار ہے دوسرے کام کی دشواری اس سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ امت مسلمہ کسی چھوٹی سی جماعت کا نام نہیں ہے، بلکہ اس وقت وہ ساٹھ ستر کروڑ نفوس پر مشتمل ہے۔ وہ کسی خاص خطۂ زمین میں بھی آباد نہیں ہے بلکہ مختلف علاقوں میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کی زبان بھی ایک نہیں ہے بلکہ وہ بے شمار زبانیں بولتی ہے۔ اس طرح یہ امت ایک دینی وحدت ہونے کے باوجود اپنے اندر بہت سے تمدنی و جغرافیائی اختلافات رکھتی ہے جن کی وجہ سے فطری طور پر اس کے ایک گروہ کے بہت سے مسائل دوسرے گروہ کے مسائل سے جدا ہیں اور اس کا ایک طبقہ جن حالات سے دوچار ہے دوسرا طبقہ ان سے مختلف حالات میں گھرا ہوا ہے۔ اس لیے کسی ایک فرد یا جماعت کے امکان میں نہیں ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے وسیع کام کو امت کے اندر اور باہر پوری طرح انجام دے۔ یہ کام اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ مختلف ملکوں اور مختلف علاقوں میں بہت سی جماعتیں اسے انجام دے رہی ہوں۔ اگر ہم کسی ایسی تنظیم کا تصور بھی کریں جو اپنے غیر معمولی وسائل و ذرائع کی بنا پر ساری دنیا میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دینے کی حیثیت میں ہو تو بھی وہ ہر خطہ اور ہر علاقے میں ایسے کارکنوں کی محتاج ہوگی جو وہاں کے حالات کی رعایت سے یہ کام کر سکیں

قرآن نے اس کام کا جو طریقہ بتایا ہے وہ یہ ہے:۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝ (التوبۃ: ۱۲۲)

تو ایسا کیوں نہیں ہوا کہ ان کے ہر فرقے سے ایک جماعت نکلتی تاکہ دین میں سوجھ بوجھ حاصل کرے اور جب وہ اپنی قوم کے لوگوں کی طرف لوٹے تو ان کو خدا کے عذاب سے ڈرائے شاید کہ وہ (اس سے) بچیں۔

قاضی بیضاوی نے اس آیت کی جو تشریح کی ہے اس کے ضروری حصے ہم یہاں نقل کرتے ہیں:۔

فھلا نفر من کل جماعۃ کثیرۃ کقبیلۃ واھل بلدۃ جماعۃ قلیلۃ ...... لیجعلوا غایۃ سعیھم ومعظم غرضھم من الفقاھۃ ارشاد القوم وانذارھم[1]

پس کیوں نہیں نکلی ہر بڑی جماعت — جیسے قبیلہ یا اہل شہر — سے ایک چھوٹی جماعت...... تاکہ دین کی سوجھ بوجھ حاصل کرنے میں وہ اپنی کوشش کی غایت اور اپنی سب سے بڑی غرض یہ بنائے کہ قوم کو سیدھی راہ دکھائے گی اور خدا کے عذاب سے ڈرائے گی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مختلف ملکوں اور مختلف خطوں ہی میں انجام پانا کافی نہیں ہے، بلکہ ہر شہر، ہر بستی اور ہر چھوٹی بڑی آبادی میں اس کے نظام کا موجود ہونا ضروری ہے۔ علامہ بغوی اسی آیت کے ذیل میں کہتے ہیں:۔

فقہ احکام دین کی معرفت کا نام ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ فرض عین اور فرض کفایہ۔ پہلی قسم میں طہارت نماز اور روزے کے احکام شامل ہیں کہ ان کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اسی طرح ہر وہ عبادت جس کو شریعت نے کسی پر واجب کیا ہو اس کے لیے اس کے احکام کا جاننا بھی فرض عین ہے۔ جیسے زکوٰۃ اور حج کہ یہ جن پر واجب ہو جائیں ان کے لیے ان کے احکام کا جاننا ضروری ہے۔ فرض کفایہ یہ ہے کہ آدمی اس حد تک علم حاصل کرے کہ وہ اجتہاد کرنے اور فتویٰ دینے کی حیثیت میں ہو جائے۔ جب کسی شہر کے لوگ تمام کے تمام اس حد تک تعلیم حاصل کرنے سے رہ جائیں تو سب ہی گنہگار رہیں گے لیکن اگر شہر میں

[1] انوار التنزیل واسرار التاویل

ایک شخص بھی اتنی تعلیم حاصل کرلے تو دوسروں سے بوجھ اتر جائے گا اور شہر کے سب لوگوں کی ذمہ داری ہوگی کہ پیش آنے والے معاملات میں اس کی تقلید کریں"۔[1]

گویا دین کا وسیع علم رکھنے والے افراد کا ہر بستی میں ہونا لازمی ہے تاکہ لوگ ان سے راہ نمائی حاصل کریں اور ایسے تمام مسائل میں ان کی طرف رجوع کریں جن میں شریعت کا نقطۂ نظر وہ نہ جانتے ہوں ۔ اگر کسی آبادی میں ایسا ایک فرد بھی نہیں ہے تو پوری آبادی گنہگار ہوگی اور خدا کے ہاں پکڑی جائے گی ۔

۶- امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں :-

الامر بالمعروف والنھی عن المنکر لا	امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض عین نہیں
یجب علی کل احد بعینہ بل ھو علی	بلکہ فرض کفایہ ہے جیسا کہ قرآن دلالت کرتا ہے
الکفایۃ کما دل علیہ القرآن ولما کان الجہاد	چونکہ جہاد سے اسی کی تکمیل ہوتی ہے اس لیے وہ
من تمام ذلک کان الجہاد ایضا من فروض الکفایۃ[2]	بھی فرض کفایہ ہے ۔

جہاد کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شہر پر دشمن کا حملہ ہو جائے تو اس شہر کے تمام لوگوں پر جو دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہوں جہاد فرض ہو جائے گا ۔ اگر شہر کے لوگ دشمن کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں یا طاقت کے باوجود غفلت اور کوتاہی کر رہے ہوں تو ان کے قریب کے لوگوں پر دشمن کا مقابلہ فرض ہوگا اگر ان سے بھی مقابلہ نہ ہو سکے تو پھر ان کے قریب کے لوگوں پر یہ فرض عائد ہوگا ۔ اس طرح بتدریج مشرق و مغرب کے تمام اہل اسلام پر جہاد فرض ہوتا چلا جائے گا ۔[3]

ٹھیک اسی طرح قیاس کہتا ہے کہ جہاں معروف قائم نہ ہو اور منکر کا ارتکاب ہو رہا ہو وہاں کے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ معروف کو قائم کرنے اور منکر سے باز رکھنے کی کوشش کریں لیکن اگر اس ذمہ داری کو وہ محسوس نہ کر رہے ہوں یا محسوس کرنے کے باوجود غفلت برت رہے ہوں تو قرب و جوار کے لوگوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہاں پہنچیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دیں ۔ فرض کیجیے کوئی مسلم آبادی منکرات میں مبتلا ہے یا اس کے عقائد بگڑے ہوئے ہیں اور ان کی اصلاح کرنے والا کوئی ایک فرد بھی اس آبادی میں نہیں ہے تو قریب کے رہنے والوں پر شرعاً ان کی اصلاح کی ذمہ داری عائد ہوگی ۔ اور اگر وہ بھی اس فرض کو انجام نہ دیں تو جہاد کی طرح بتدریج وہ پوری امت پر عائد ہوتا چلا جائے گا ۔

---

[1] معالم القربۃ فی احکام الحسبۃ ج ۳ ص ۱۳۳ [2] الحسبۃ فی الاسلام ص ۴۶ [3] فتح القدیر مع العنایۃ علی الہدایہ ج ۴ ص ...

۷۔ جمہور کے نزدیک امر بالمعروف ونہی عن المنکر اگرچہ فرض کفایہ ہے لیکن بعض اوقات وہ فرض عین بھی ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی چند صورتیں ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

(۱) جس شخص کو اسلامی حکومت اس کام پر مامور کر دے اس کے لیئے فرض عین ہے۔ نظام الدین نیسا پوری کہتے ہیں:۔

ان نصب لذالک رجل تعین علیہ بحکم الولایۃ وھو المحتسب[1]	اگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے کسی کو متعین کر دیا جائے تو ریاست کے حکم سے وہ اس پر لازم ہو جائے گا۔ اسی کو محتسب کہا جاتا ہے۔

(۲) اگر کسی جگہ معروف کو مٹایا جا رہا ہے یا منکر کا ارتکاب ہو رہا ہے اور اس کا علم صرف ایک ہی شخص کو ہے تو اس پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض عین ہے۔ ملا علی قاری کہتے ہیں:۔

ان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر فرض کفایۃ ان علم بہ اکثر من واحد والا فھو فرض عین علی من راٰہ[2]	امر بالمعروف ونہی عن المنکر یقیناً فرض کفایہ ہے بشرطیکہ اس کو ایک سے زیادہ افراد جانتے ہوں ورنہ وہ فرض عین ہے اس شخص کے لیے جس نے اس کو دیکھا ہے۔

(۳) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سلسلے میں اگر دلائل سے بحث کی ضرورت پڑے تو جس شخص میں یہ صلاحیت ہو گی اس کے لیے وہ فرض عین ہے۔ ابن عربی مالکی فرماتے ہیں:۔

الامر بالمعروف والنھی عن المنکر فرض کفایۃ...... وقد یکون فرض عین اذا عرف المرء من نفسہ صلاحیۃ النظر والاستقلال بالجدال او عرف ذالک منہ[3]	امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے ...... کبھی وہ فرض عین بھی ہو جاتا ہے جب کہ آدمی اپنے اندر بحث ونظر اور گفتگو میں استقلال کی صلاحیت محسوس کرتا ہو یا اس کے اندر یہ چیز دیکھی گئی ہو۔

---

[1] غرائب القرآن ورغائب الفرقان علی ہامش ابن جریر جز ۴ صفحہ ۳ [2] المبین المعین لفہم الاربعین صفحہ ۱۸۹
[3] احکام القرآن ج ۱ صفحہ ۲۹۲

(۴) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اگر کسی میں طاقت ہے اور دوسرا کوئی شخص اسے انجام نہیں دے رہاہے تو اس کے لیے وہ فرض عین ہے۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں :۔

وھو فرض علی الکفایۃ	وہ فرض کفایہ ہے اور فرض عین ہوجاتا
ویصیر فرض عین علی القادر	ہے قدرت رکھنے والے شخص پر اگر اس کے
الذی لم یقم بہ غیرہ [1]	علاوہ کوئی دوسرا شخص اسے نہ کر رہا ہو

اسی بات کو امام غزالی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :۔

ان الامر بالمعروف والنھی	امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے
عن المنکر واجب وان فرضہ	اور قدرت کے ہوتے ہوئے اس کی فرضیت ساقط
لا یسقط مع القدرۃ الا	نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی انجام دینے والا اسے
بقیام قائم بہ [2]	انجام دے ۔

ان تفصیلات سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو فرض کفایہ ماننے کا نتیجہ بلاشبہ یہ تو ہوگا کہ کچھ لوگ اس میں مصروف ہوں گے اور کچھ مصروف نہیں ہوں گے لیکن اس کا نتیجہ یہ نہیں نکلے گا کہ حالات اس کا تقاضا کر رہے ہوں اور وہ انجام پانے سے رہ جائے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا جب بھی کوئی موقع ہو اس میں غفلت اور کوتاہی کی قطعاً اجازت نہیں ہے ۔

[1] الحسبۃ فی الاسلام ص۳۷ [2] احیاء علوم الدین ج ۲ ص۲۹۷

شرائطِ ایجنسی

۱۔ ایجنسی کم سے کم ۵ رسائل پر دی جائے گی
۲۔ ہر ایجنٹ کو ۔/۔ زرِ ضمانت جمع کرنے ہوں گے ۔
۳۔ ۵ سے ۵۰ پرچوں تک ۲۵ فیصدی کمیشن دیا جائے گا۔ البتہ ۵۰ سے زائد رسائل پر ۳۳ فیصد کمیشن دیا جاتا ہے گا۔
۴۔ رسائل کی روانگی کا خرچ دفتر برداشت کرے گا۔ رجسٹری اور وی پی کا خرچ ایجنٹ صاحبان کے ذمے ہوگا۔
۵۔ ہر مہینے کا بل باقاعدگی سے ادا کرنا چاہیے۔

مینیجر ماہنامہ زندگی رامپور یوپی

رسائل و مسائل

ایک قابلِ قدر مشورہ

خط

آپ نے اشارات میں حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت پیش فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے :۔

"انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد صرف اتنا تھا کہ وہ اپنی قوم کو توحید کی دعوت دیں اور ایمان لانے والوں کو اللہ کے انعام کی بشارت اور منکرین حق کو اس کے عذاب کی وعید سنائیں بلکہ وہ معاشرے کی کامل اصلاح اور سماج میں ہمہ گیر انقلاب برپا کرنے کے لیے بھیجے جاتے تھے انسان کے پاس صرف دو چیزیں ہیں۔ روح و بدن اور مال و متاع۔ وہ جس طرح انسان کی روح و بدن کو صرف خدا کی چوکھٹ پر جھکا دینا چاہتے تھے ٹھیک اسی طرح اس کے کاروبار اور نظام اقتصادیات و مالیات کو بھی صرف قانونِ الٰہی کا پابند بنا دینا چاہتے تھے۔ حضرت شعیبؑ کی دعوت کے جواب میں باندازِ طنز و تضحیک ان کی قوم نے جو بات کہی تھی وہ یہ تھی ۔ اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم اپنے ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشاء کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو۔ بس تو ہی تو ایک عالی ظرف اور راست باز آدمی رہ گیا ہے (ہود ۸)

اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے مخاطبین نے ان کی دعوت کے دونوں اجزاء کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ (زندگی، اگست ۶۲ء)

میرے محبوب دوست، دعوت کے ان دونوں اجزاء میں پہلا جز بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے جس کو ہم نے آج تقریباً نظر انداز کر دیا ہے اور صرف دوسرے جز پر ہی پوری صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں ——— کفار و مشرکین نے رسولوں کو جو دھمکی دی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے

"تقریباً یہی دھمکی جن سنگھ اور ہندو مہاسبھا ہندستان کے مسلمانوں کو دے رہی ہے"

وہاں شعیب علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے آبائی دین سے ہٹا کر دینِ اسلام قبول کرنے کی دعوت پر وہ دھمکی تھی اور یہاں پاکستان یا کوئی اور دنیوی تعلق سے دھمکی ہے۔ "تقریباً یہی دھمکی" کہنا خوش فہمی ہے یا حقیقت ہے؟ ——

مجھے آپ حضرات سے محبت ہے اور میں آپ حضرات کا ہمدرد و خیر خواہ ہوں اور جو کچھ لکھ رہا ہوں اس امید پر لکھ رہا ہوں کہ شاید آپ حضرات سنجیدگی سے غور فرما کر نبوی طریقۂ تعلیم کو صحیح معنی میں اپنا کر فلاحِ دارین حاصل کریں۔

جواب

شکر گزار ہوں کہ آپ نے جو باتیں تحریر کی ہیں اس کی طرف بڑے خلوص کے ساتھ متوجہ فرمایا۔ آپ کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ اسلام کی دعوت کا پہلا جز یعنی توحید اور بندگیٔ رب بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہی اصل ہے اور تمام دوسری چیزیں اس کی شاخیں ہیں۔ لیکن غور کرنے اور اپنا جائزہ لینے کے بعد بھی یہ بات کہ "ہم نے اسے تقریباً نظر انداز کر دیا ہے" سمجھ میں نہیں آئی۔ معلوم نہیں آپ کے اس احساس کا سبب کیا ہے؟ جماعت اسلامی کے دستور میں بھی، اس کے لٹریچر میں بھی اور اس کی پالیسی اور پروگرام میں بھی توحید اور صرف خدا کی بندگی کو اصل کی حیثیت دی گئی ہے اور ہماری دعوت کا نقطۂ آغاز یہی ہوتا ہے کہ یہ کائنات بے خدا نہیں ہے اس کا ایک خدا ہے اور وہی اس لائق ہے کہ اس کی پرستش اور اطاعت کی جائے اور زندگی کے تمام شعبوں میں کی جائے۔ اسی میں انسان کی اخروی فلاح بھی ہے اور دنیوی فلاح بھی۔ فلاحِ دارین کی ضامن صرف خدا کی اطاعت ہے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اس دنیا میں اللہ کے آخری رسول اور آخری نبی ہیں۔ آپ ہی سرورِ عالم اور محسنِ گروہ ہیں۔ آپ پر ایمان لائے بغیر اور آپ کی رہنمائی قبول کیے بغیر کوئی شخص نجات نہیں پا سکتا۔ ہم دوسرے نظاموں کے مقابلے میں جب اسلامی نظام پیش کرتے ہیں تو اس کا سب سے بڑا امتیاز یہی بتاتے ہیں کہ یہ انسانوں کا گھڑا ہوا نہیں ہے، بلکہ اللہ رب العالمین کا آتا ما ہوا ہے اور صرف اسی کو اس بات کا حق ہے کہ وہ انسانی زندگی کے لیے قانون دے۔ یہی دعوت ہے جسے پھیلا کر ہم قلم سے بھی پیش کرتے ہیں اور زبان سے بھی۔ اور جہاں تک انفرادی زندگی کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ اس میں خدا، رسول اور آخرت کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں۔ پھر یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ ہم نے توحید، رسالت اور

اور آخرت کو تقریباً نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر آپ کے احساس کا سبب یہ ہے کہ ہم صرف یہی کام کیوں نہیں کرتے اور اسلام کے سیاسی و معاشی پہلو لوگوں کے سامنے کیوں پیش کرتے ہیں اور اسلامی نظام کو دوسرے نظاموں پر غالب کرنے کی جدوجہد کیوں کر رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اسی طریقۂ تبلیغ کو، نبوی طریقۂ تبلیغ سے مطابق پاتے ہیں اور آں جناب بھی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ مثال کے طور پر حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کا دوسرا جز بھی، نبوی طریقۂ تبلیغ سے خارج نہیں ہے۔ باقی رہی پہلے جز کی اہمیت تو بحمداللہ ہم اس سے غافل نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔

جن سنگھ، ہندو مہاسبھا اور راشٹریہ سیوم سنگھ کی جماعتیں مسلمانوں کو جو دھمکی دے رہی ہیں اور ان سے جو مطالبہ کر رہی ہیں وہ صرف پاکستان اور کسی دنیوی مفاد کے تعلق سے نہیں ہے، بلکہ اصلاً ہمارے دین، ہماری تہذیب اور ہماری انفرادیت کے تعلق سے ہے۔ ہندو مہاسبھا کے لیڈر تو صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ مسلمان ہندوستان میں ہندو بن کر رہیں، ورنہ یہاں سے نکل جائیں۔ ایک جن سنگھی لیڈر اپنی تقریر میں یہ بھی کہہ گیا کہ "جب میں مسجدوں کے اونچے اونچے مینار دیکھتا ہوں تو میری آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔" اس لیے میں نے اشارات میں جن سنگھ اور ہندو مہاسبھا کی دھمکی کے بارے میں جو بات لکھی ہے وہ واقعہ ہے، خوں ریزی نہیں ہے۔ بہرحال میں آپ کی توجہ دہانی کا شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔

انسان فرشتہ کیوں نہ ہوا؟

سوال

میرے حلقۂ مطالعہ میں سے ایک تعلیم یافتہ اور دینی رجحان رکھنے والے نوجوان دوست نے جماعت اسلامی کا لٹریچر پڑھا اور زندگی کے خریدار بھی ہیں۔ ایک دن وہ چند سوالات لیکر میرے پاس آئے، ان کی خواہش ہے کہ آپ ان کو اطمینان بخش جواب سے سرفراز فرمائیں۔ اختصار کے ساتھ ان کے سوالات لکھ رہا ہوں۔

۱۔ انسان اور جنات ایسی مخلوق بنائی گئی جو گناہ کر سکتی ہے اس لیے وہی جنتی اور دوزخی ہیں۔ اسلامی عقیدے کے مطابق مشرک اور کافر توبہ کیے بغیر مر جائے تو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں چلا جائے گا

ہر زمانے میں چند فی صد مسلمان نظر آتے ہیں اس طرح آج تین ارب آبادی میں سا ٹھ کروڑ مسلمان ہیں جو بیس فیصد ہوتے ہیں یہ سوال اٹھتا ہے کہ دنیا میں اتنے زیادہ کفار ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اور ان کی اصلاح کی ذمہ داری کس پر ہے؟

۲ ۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان اور جنات اس کی عبادت کریں تو اسے ان میں ایسی سمجھ دینی چاہیے تھی جیسی فرشتوں اور انبیاء میں دی تھی ۔

۳ ۔ اگر خدا ہے اور دوسرے انسان و جنات کو پیدا کیا تو ان کو سکھ اور آرام پہنچانے کا ذمہ دار وہی ہے ابوجہل بھی حضرت عمر کی طرح ہو سکتا تھا ۔ اگر خدا چاہتا پھر جب مرضی مولیٰ ہی نہیں تو وہ مجرم کیوں ہوا؟ اتنے کثیر آدمیوں کو دوزخ میں کیوں جلایا جائے گا ، جبکہ وہ قادر مطلق ہے ، چاہتا تو وہ سبھی لوگ جنتی بن سکتے تھے ۔

۴ ۔ خدا انسان و جنات کو آگ میں جلانا پسند کرتا ہے ورنہ وہ ایسا سامان مہیا کرتا جس سے نجات کی راہ پا سکتے ۔

جواب

ان سوالات کو پڑھ کر احساس ہوا کہ آپ کے نوجوان دوست یا تو ابھی صفات الٰہی اور انسان کے بارے میں اللہ کی مشیت و مرضی سے واقف نہیں ہوئے یا کسی شخص نے ان کے سامنے یہ سوالات رکھ کر انہیں الجھانے کی کوشش کی ہے جس شخص کو یقین ہو کہ خدا ہے اور اس پوری کائنات کا انسان سمیت وہی خالق و مالک ہے وہ علیم و حکیم بھی ہے ، رحمٰن و رحیم بھی ہے ، غفور و شکور بھی ہے اور اس پوری کائنات کا حاکم علی الاطلاق بھی ہے اس کے افعال پر اعتراض کا حق کسی کو نہیں ۔

یہ یقین رکھتے ہوئے کوئی شخص کبھی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ خدا نے ایک ایسی مخلوق کیوں پیدا کی جو گناہ بھی کر سکتی ہے ۔ ایسا شخص اپنے آپ کو خدا کے غضب سے بچانے اور اس کی رحمت کا مستحق بنانے کے لیے سرگرم عمل رہے گا وہ اس طرح کے لاحاصل سوال پر وقت ضائع کرنا کبھی پسند نہ کرے گا ۔ اس مختصر سی اصولی تمہید کے بعد میں ذیل میں چند باتیں نوجوان دوست کے غور و فکر کے لیے پیش کر رہا ہوں

۱ ۔ اگر انسان بھی فرشتوں کی طرح معصوم پیدا کیا جاتا تو پھر انسانوں اور فرشتوں میں حقیقی امتیاز کیا ہوتا؟ کمال یہ ہے کہ کوئی شخص گناہ کر سکتا ہو اور پھر اپنے اختیار سے گناہ نہ کرے ۔ اگر کسی میں گناہ کرنے کی صلاحیت

بھی موجود نہ ہو تو اس کا گناہ نہ کرنا اس کے اپنے اختیار کی کوئی بات نہ ہوگی۔ گناہ کی صلاحیت رکھتے ہوئے گناہ نہ کرنا ہی تو وہ بات ہے جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات ہے تو کیا کسی انسان کو اپنی اسی شرافت و کرامت پر اعتراض ہے؟

۲۔ یہ کوئی نیا اعتراض نہیں ہے مکہ کے مشرکین نے بھی کہا تھا؟ "لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا" اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے) اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ بے شک اللہ میں یہ قدرت ہے کہ وہ چاہے تو تمام انسان ہدایت یافتہ ہو جائیں لیکن اس نے انسانوں کی ایک با اختیار مخلوق اس لیے پیدا کی ہے کہ وہ اسے آزمائے۔ جو اس کی اطاعت کرے اسے انعام دے اور جو اس کی نافرمانی کرے اس کو سزا دے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق پر پابندی عائد کرنے کا حق کس کو ہے؟

فرشتوں نے انسان کی تخلیق کے وقت یہ شبہ پیش کیا تھا کہ ایک ایسی مخلوق کیوں پیدا کی جا رہی ہے جو نافرمانی بھی کرے گی۔ آپ اپنے نوجوان دوست کو قرآن کا یہ مقام اور اس کی تفسیر مطالعہ کرنے کا مشورہ دیجیے۔

۳۔ اللہ کی مشیت اور اس کی مرضی میں فرق ہے۔ ایمان و کفر اور فرماں برداری و نافرمانی سب سلطان کائنات کی مشیت کے تحت ہے لیکن اس کی مرضی (خوشنودی) کا تعلق صرف ایمان و فرماں برداری کے ساتھ ہے۔ اس نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ ایمان و اطاعت سے خوش ہوتا ہے اور کفر و معصیت سے ناخوش۔

۴۔ بنی نوع انسان نہ مختار مطلق ہے اور نہ مجبور محض ہے۔ اللہ نے اس کو اتنا اختیار دیا ہے کہ وہ کفر و اسلام اور خیر و شر میں جس چیز کو چاہے اپنے لیے پسند کر سکتا ہے لیکن کفر و شر کا انجام برا ہوگا اور اسے پسند کرنے والا خدا کے غضب کا مستحق ہوگا۔ ابوجہل نے اپنے لیے کفر و شر کا راستہ پسند کیا اور حضرت عمرؓ نے اسلام و خیر کا۔ اللہ نے نہ حضرت عمرؓ کو مجبور کیا تھا اور نہ ابوجہل کو۔

۵۔ خدا نے اپنے رسول اور اپنی کتابیں بھیج کر انسان کی ہدایت کا مکمل سامان مہیا کر دیا ہے۔ اللہ جن اور انسان کو آگ میں جلانا پسند نہیں کرتا بلکہ نافرمان لوگ آگ میں خود جلنا پسند کرتے ہیں۔

۶۔ ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ دنیا میں سو فی صدی مسلمان تھے۔ بعد کو لوگ شیطان اور نفس کے اغوا سے بھٹک گئے۔ ان کے کفر و شرک کا الزام خدا پر نہیں بلکہ خود انہیں کے اپنے اختیار پر ہے۔ یہ ہمارا اور آپ کا فرض ہے کہ اپنے قول و عمل سے گمراہوں کے سامنے راہ حق پیش کرتے رہیں اور ان کی اصلاح کی سعی سے غافل نہ ہوں۔

سید احمد قادری

خاندانی منصوبہ بندی ۔ بداخلاقی کا سیلاب

اخلاقی اقدار کے سلسلے میں سختی یا غیر جانبداری کے لحاظ سے انسان کا رویہ کیسا ہونا چاہیے ۔ ؟
اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تم نے اس پشتے میں جو بداخلاقی بالخصوص جنسی بداخلاقی کے سیلاب کو روکے ہوئے ہے چھوٹا سے چھوٹا سوراخ بھی کر دیا تو پھر زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ تمام بندشیں ٹوٹ جائیں گی اور بداخلاقی کا پانی ایک مہیب سیلاب کی طرح امنڈ آئے گا ۔

آج سے بہت پہلے جب مصنوعی مانع حمل اشیاء کے ذریعے خاندانی منصوبہ بندی کا پروگرام اپنی ابتدائی منزل میں تھا ۔ یہ بات بتا دی گئی تھی کہ اگر اس قسم کی اسکیم پر کسی قسم کی سرکاری مہم چلائی گئی تو اس اسکیم کے نقش قدم پر ہر قسم کی بداخلاقی بھی ساتھ ہی ساتھ آئے گی ۔ اگر ہم آندھی کے بیج بوئیں گے تو ہمیں بگولے کی فصل کاٹنی ہوگی برے کام کا اس سے برا نتیجہ برآمد ہوتا ہے ۔ بلاشبہ ضبط ولادت کے جرم کو ہلکا کرنے والے عناصر موجود تھے ۔ کثرت آبادی چونکا دینے والے نقطے پر پہنچ گئی تھی لیکن کوئی ملک اپنے مسائل اس طرح حل نہیں کر سکتا کہ اپنی تمام توجہ اجتماعی اقتصادی اور دوسرے عناصر کی طرف مبذول کر دے اور زندگی کے اخلاقی عنصر کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لے ۔ یہ ملک ایک ایسا ملک ہے جو اخلاقی اقدار کی عزت کرتا ہے اور ابتداء میں برتھ کنٹرول کا پروپیگنڈہ کرنے والوں کی قابل لحاظ حد تک مخالفت بھی کی گئی ۔ اب بھی معمولی "غیر مہذب" کسان عورتیں خاندانی منصوبہ بندی کے مطب میں داخل ہونا پسند نہیں کرتیں اس لیے کہ ان کے اندر انسانی شرافت کا فطری وطبعی شعور موجود ہے لیکن مسلسل سرکاری پروپیگنڈے کی وجہ سے یہ فطری اخلاقی شعور بھی کم ہو سکتا ہے اور یہ تعجب انگیز نہیں ہے ۔ اگر یہ بات سچ ہے کہ اب برتھ کنٹرول کا پروپیگنڈا کرنے والوں کو پہلے سے کم مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن یہ چیز ایسی نہیں ہے کہ اس پر فخر کیا جائے اس لیے کہ مخالفت کی کمی کا مطلب صرف یہ ہے کہ لوگ اب اخلاقی اقدار کے متعلق پہلے سے زیادہ غیر جانبدار ہوتے جا رہے ہیں اور روایتی و خاندانی بندشوں پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے

خاندانی منصوبہ بندی کے خطرات سے ملک کو آگاہ کیا گیا تھا کہ اس کے پیچھے جراثیم حیات کو ختم کرنے کی تدبیریں
اسقاط، شادی سے پہلے جنسی تجربات اور جنسی بیماریاں بھی ضرور آئیں گی اور محسوس ہو رہا ہے کہ اس کے جوڑے اور
بچے اپنے گھر میں بسیرا لینے کے لیے چلے آ رہے ہیں۔ اس اسکیم کے خطرناک نتائج کے سلسلے میں جاپان کا حوالہ دیا گیا تھا
جہاں اس اسکیم کے نفاذ نے اسقاط کا تناسب پچاس فی صد تک پہنچا دیا تھا اور اس کا پھل تھا اعصابی خلل اور
خودکشی کی کثرت

جاپان کے تلخ تجربات سے بے پروائی برتتے ہوئے ہمارے خاندانی منصوبہ بندی کے پرجوش حامی اپنی تخریبی
اسکیموں کو آگے ہی بڑھا رہے ہیں۔ مہاراشٹر اسمبلی میں ایک بل لا کر یہ قانون بنانے کی فکر کی جا رہی ہے کہ جذام
و برص کے مریضوں، دماغی خلل کے مریضوں اور دق کے مریضوں کو قانوناً بچے پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دیا جائے
یہ وہی چیز ہے جو نازی جرمنی نے برتر و بہتر نسل کی تعمیر کے نام پر کی تھی۔ کوئی شخص رک کر یہ سوچنے کی زحمت برداشت
نہیں کرتا کہ تولید سے محروم کرنا غیر اخلاقی فعل ہے اس لیے کہ اسٹری لائزیشن انسان کے ایک عضوی عمل کو بے کار
کر دینے کا نام ہے۔

گزشتہ ہفتہ مرکزی وزیر تعلیم نے اسقاط کو جائز قرار دینے کی رائے ظاہر کی تاکہ کثرتِ آبادی پر قابو حاصل کیا
جا سکے انھوں نے جاپان کا حوالہ دیا کہ اس تدبیر سے وہاں آبادی میں پچاس فی صد کمی ہو گئی لیکن وزیر تعلیم بظاہر یہ
بتانا بھول گئے کہ جاپان میں اسقاط حمل کے جواز نے اعصابی خلل اور خودکشی میں کثرت پیدا کر دی۔۔۔ تم جس وقت
ایک ہونے والے بچے کو زندگی کے حق سے محروم کرتے ہو ٹھیک اسی وقت اس کی ماں کی دماغی صحت کو برباد کرتے ہو۔

خاندانی منصوبہ بندی کے مرکزی ادارے کی سفارش پر مرکزی وزارتِ صحت دوسرے مہینے میں (یہ مضمون
جون میں لکھا گیا تھا) ایک زبردست پروگرام چلا رہی ہے تاکہ ضبطِ ولادت کی تازہ ترین تدبیر کو اچھی طرح پھیلایا جائے
اور اس کا خوب پروپیگنڈا ہو۔ کئی ہزار لوپس[1] (LOOPS) پہلے ہی نئی دہلی میں تقسیم کیے جا چکے ہیں۔

ہکسلے نے جس "مانع حمل تہذیب" کی بات کہی تھی۔ کیا ہم اپنے ملک میں بھی تہذیب کو درآمد کرنا چاہتے ہیں
ابھی بمبئی میں ایک جائزہ لیا گیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ بمبئی میں ۱۰ فی صد افراد جنسی بیماریوں میں مبتلا ہیں
اور مخصوص طور پر یہ بیماریاں ۱۵ سے ۲۵ سال تک کی عمر کے لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کیا خاندانی منصوبہ بندی کے
بعد اس نتیجے پر اظہارِ تعجب کی کوئی وجہ ہے؟ (ریڈینس دہلی سالار جولائی ۱۹۶۵ء بحوالہ اکرامس بمبئی)

[1] نرم پلاسٹک کا بنا ہوا پھندا جو عورت کے رحم میں رکھ دیا جاتا ہے اور جب تک وہاں ہے مرد و عورت کے جراثیم حیات کا ملاپ نہیں ہونے دیتا۔ (گھونٹا رہتا ہے۔)

تنقید و تبصرہ

روضات
صفحات ۱۳۶۔ کاغذ، کتابت و طباعت بہتر۔ قیمت ڈھائی روپیہ صرف۔ ملنے کا پتہ:۔ پاک اکیڈمی ۱۵۲۱ وحید آباد کراچی ۱۸ ہندوستان میں ملنے کا پتہ:۔ کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار۔ جامع مسجد۔ دہلی ۶

یہ کتاب ادارۂ تحقیق و تصنیف کراچی ۱۸ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف سمجھ کر شائع کی ہے اور اس کا ترجمہ مولوی ثناء اللہ صاحب ندوی نے کیا ہے اس کا مقدمہ جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبرآبادی نے لکھا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں :۔

اس رسالے کو حضرت شیخ کی تصانیف میں شمار کرنے کے لیے داخلی شہادتیں موجود ہیں۔ اس کا انداز نگارش اور مضمون کا رنگ ڈھنگ ہی بتا رہا ہے کہ اسی ولی کامل اور عالم باعمل کے قلم کی تراوش ہے ص۱۸

چونکہ راقم الحروف کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ذات، ان کی تصنیفات اور ان کے کارناموں سے دلچسپی ہے اس لیے میں نے بڑے شوق سے اس کتاب کا مطالعہ کیا مگر افسوس کہ مطالعے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کتاب کو حضرت شیخ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے محترم مفتی انتظام اللہ صاحب نے بات بالکل الٹی کہی ہے جس شخص نے بھی حضرت شیخ کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے، ان کے مزاج سے واقفیت حاصل کی ہے اور علم الحدیث میں ان کے مقام کو جانتا ہے وہ اول نظر میں کہہ دے گا کہ یہ کتاب ہرگز شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی نہیں ہو سکتی۔ اس رسالے کے اخیر میں جو عبارت درج ہے اور جس کی بنیاد پر اس کو حضرت شیخ کی تصنیف قرار دیا گیا ہے اس کے بارے میں انتہائی حسن ظن کے ساتھ کہا جائے گا۔ کہ منسوب کرنے والے کو غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ شبہ یہی ہے کہ کتاب کو مقبول اور مستند بنانے کے لیے ان کی طرف اس کو منسوب کر دیا گیا ہے۔ اس تبصرے میں کتاب کا مکمل تجزیہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں ادارۂ تحقیق و تصنیف کی توجہ کے لیے چند اشارات کروں گا

صفحہ ۳۶ پر یہ عبارت ہے:۔

"حضرت سرور صلعم فرمودہ کہ الشریعۃ اقوالی والطریقۃ افعالی والحقیقۃ احوالی: یہی بات صفحہ ۳۹ میں یوں ہے۔ حضرت نبوت مآب فرمود کہ الطریقۃ افعالی والحقیقۃ احوالی۔

جس شخص نے سمجھ کر مشکوٰۃ بھی پڑھ لی ہے وہ بھی اس موضوع عبارت کو حدیث قرار نہیں دے سکتا۔ چہ جائیکہ اس کا انتساب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طرف کیا جائے۔ حدیث تو الگ رہی اس میں تو "حضرت سرور صلعم فرمودہ" اور "حضرت نبوت مآب فرمود" کے ٹکڑے بھی پکار رہے ہیں کہ میں محدث دہلوی کے قلم سے نہیں نکلا۔

صفحہ ۴۲ پر ہے:۔ و دلالت حدیث نبوی صلعم کہ رایت ربی فی لیلۃ المعراج امرد شاب" اس عبارت کو بھی حدیث قرار دینا حضرت شیخ کا کام نہیں ہو سکتا۔ علم حقیقت کے ثبوت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو پیش کرنا بھی محدث دہلوی کا کام نہیں ہو سکتا جس میں حضرت ابوہریرہ نے حضور سے دو علم حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے لیکن اس کتاب کے صفحہ ۴۲ پر یہ حدیث اسی ثبوت میں پیش کی گئی ہے۔

صفحہ ۵۸ پر یہ عبارت ہے:۔

چوں طالب رامی بیند کہ مانعے از موانع ایں راہ در ذات او مستقر است وحب دلش بداں متعلق و مستمر لاجرم بجہت دفع آں او را بکسب گناہے می گمارند امّا پیوستہ دراں نمی دارند

یہ عبارت بھی حضرت شیخ کے قلم سے نہیں نکل سکتی اور نہ وہ اس علاج کے قائل ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کتاب وحدت وجود کے اثبات میں ہے اور یہ وہ موضوع ہے جس کے بارے میں حضرت شیخ نے تصریح کی ہے کہ اس پر گفتگو کرنے سے انہیں روک دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں جو مضامین پھیلے ہوئے ہیں اور جس فلسفیانہ انداز میں پھیلے ہوئے ہیں حضرت شیخ اپنے مزاج اور ذوق کے لحاظ سے بھی ہمیشہ اس کے مخالف رہے ہیں اور اس پر ان کی تصنیفات شاہد ہیں۔

میں ادارۂ تحقیق و تصنیف سے با ادب عرض کرتا ہوں کہ بلا تحقیق اس کتاب کو حضرت شیخ کی طرف منسوب کر کے شائع کرنا کوئی مناسب بات نہ کی۔ (ع ق)

الاتقان فی علوم القرآن (اردو) حصہ دوم — ترجمہ مولانا محمد حلیم انصاری۔ تصحیح و تزئین مولانا محمد عبد الحلیم چشتی۔ صفحات ۷۷۳ کتابت، طباعت عمدہ مجلد گرد پوش کے ساتھ، قیمت ۱۵ روپے ناشر: نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

علامہ سیوطی کی مشہور و معروف، الاتقان فی علوم القرآن کے اردو ترجمہ حصہ اول پر تبصرہ، ہم نومبر ۶۲ء کے شمارے میں شایع کر چکے ہیں اب یہ اس کا دوسرا حصہ آیا ہے۔ اس دوسرے حصہ میں پوری کتاب کا ترجمہ مکمل ہوگیا ہے۔ الاتقان علوم قرآن پر ایک طرح کی انسائکلوپیڈیا ہے۔ اب تک یہ کتاب اپنے موضوع پر بے نظیر ہے، قرآن کے بارے میں اتنے متنوع معلومات، یکجا کسی دوسری کتاب میں موجود نہیں ہیں۔ اس کتاب پر مفصل فہرست مضامین نے اس سے استفادے کو آسان بنا دیا ہے۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب نے اس کتاب کا مکمل ترجمہ شایع کر کے مفید علمی خدمت انجام دی ہے۔ اب کتاب سے صرف اردو جاننے والے بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس کتاب کے ترجمہ نے اردو زبان کے سرمایے میں اضافہ کیا ہے۔ آخر میں فاضل مترجم نے اپنے ترجمہ کے بارے میں لکھا ہے:

> گو میں نے اس ترجمہ کو آسان اور عام فہم بنانے کی کوشش میں اپنا بہت سا وقت عزیز صرف کیا ہے تاہم میں خود دیکھتا ہوں کہ اس کے اکثر دقیق اور علمی مقامات ایسے صاف نہیں ہو سکے جس کو عام لوگ بخوبی سمجھ سکیں اور علمائے کرام کے لیے ان کا ترجمہ ہونا یا نہ ہونا یکساں تھا مگر یہ مجبوری زبان کے دائرے کی تنگی سے پیش آئی کیوں کہ اردو زبان میں ان علمی اصطلاحات کے واسطے آسان اور مناسب و موزوں الفاظ نہیں ملتے ہیں۔

فاضل مترجم کی یہ تنبیہ بہت مناسب ہے۔ بہت سے لوگ کسی فنی کتاب کا صرف ترجمہ پڑھ کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ انھوں نے اس فن کو حاصل کر لیا، یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ترجمے کا فائدہ صرف اتنا ہے کہ کسی فن کو اس کے استاد سے سمجھنے میں اجنبی زبان حائل نہیں ہوتی لیکن اس فن کے استاد سے اس کو سمجھنے کی احتیاج پھر بھی باقی رہتی ہے۔۔۔ امید ہے کہ جو لوگ قرآن کا علم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اس ترجمے کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور اس کی قدر کریں گے۔ (م۔ ق)

انوار اسلام بجواب **مصابیح الاسلام** — انا ابو محمد امام الدین صفحات ۲۰۰ قیمت دو روپے پچاس پیسے ملنے کا پتہ مکتبہ تحفظات سام نگر، بنارس

بھارت میں اسلام اور مسلمانوں پر جو ہمہ طرفہ حملے کیے جارہے ہیں ان کا ایک محاذ یہ ہے کہ ہندی اور اردو میں ایسی کتابیں لکھی جائیں جو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمی کی فضا پیدا کریں، پہلے یہ کام غیر مسلموں کو اسلام سے بدظن کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ اب یہ کام پہلے سے وسیع کردیا گیا ہے۔ اور اس دائرے میں مسلمانوں کو بھی داخل کر لیا گیا ہے۔ سعی کی جارہی ہے کہ اپنے مذہب سے ناواقف مسلمانوں کو بھی اسلام سے بدظن کیا جائے۔ پنڈت گنگا پرشاد اپادھیائے ایم، اے (آریہ سماجی) کی تصنیف مصابیح الاسلام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس محاذ پر محترمی جناب ابو محمد رام نگری اسلام کے دفاع میں جو خدمت انجام دے رہے ہیں وہ بڑی قابل قدر ہے۔ وہ مسلسل اس طرح کی زہریلی کتابوں کے جوابات شائع کررہے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب، مصابیح الاسلام کے جواب کا پہلا حصہ ہے۔ جناب رام نگری خود تحریر فرماتے ہیں:

"یہ کتاب کا پہلا حصہ ہے جو مصابیح الاسلام کی چالیس فصلوں میں سے چھ فصلوں کا جواب ہے۔ باقی ۳۴ فصلوں کا جواب کم از کم ایسے تین حصوں میں آئے گا ہم کو اپنی محنت جانکاہی کا خیال نہیں ہے۔ ہمیں اس کا خیال ہے کہ جواب ہر اعتبار سے مکمل و مدلل اور مسکت ہو جس کے ساتھ ہی مصنف کے مذہب کی حقیقت بھی آشکار ہوجائے امید ہے ہمیں سابق معاونین کی امداد بھی حاصل رہے گی اور اس جواب کو دیکھ کر دین حق کے نئے معاون بھی ہماری اعانت کے لیے آگے بڑھیں گے۔"

مصابیح الاسلام کتنی زہریلی کتاب ہے اس کے بارے میں رام نگری صاحب لکھتے ہیں:

"اس کتاب کا بنیادی نقطۂ نظر یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں، نہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے اور نہ اس کی تعلیمات برحق ہیں۔"

ستیارتھ پرکاش اور اس کتاب کا فرق بتاتے ہوئے رام نگری صاحب لکھتے ہیں:

"سوامی دیانند جی نے اپنی قوم کو اسلام سے دور رکھنے کی غرض سے ستیارتھ پرکاش کا چودھواں باب لکھا تھا، اپادھیائے جی کا مقصد اپنی قوم کو اسلام سے دور رکھنا کم اور خود مسلمانوں میں اسلام سے متعلق بدظنی و بداعتقادی پھیلانا اور ان کی آئندہ نسل کو گمراہ کرنا زیادہ ہے۔"

جو کتاب اس مقصد کے لیے لکھی گئی ہو وہ کتنی زہریلی ہوگی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب کے جواب کی مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔ محترمی رام نگری صاحب کی خدمت میں تبصرہ نگار کا مشورہ یہ ہے کہ جواب میں زبان کی تلخی اور کم ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ (ع۔ ق)

IQBAL'S GULSHAN . I . RAZ . JADID AND BANDAGI . NAMA

اقبال کی مثنوی گلشن راز جدید اور بندگی نامہ

مترجم:۔ جناب بشیر احمد ڈار

صفحات ۔ ۷۷۔ دبیز کور مع گرد پوش ۔ قیمت:۔ ۵۰۔۳

شائع کردہ:۔ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کلچر۔ کلب روڈ لاہور (پاکستان)

یہ دونوں مثنویاں ڈاکٹر اقبال کے مشہور مجموعہ کلام "زبور عجم" کے آخری حصہ میں شامل ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ ان مثنویوں کا اب تک انگریزی میں ترجمہ نہیں ہو سکا تھا۔ حالانکہ ان میں اقبال کے فلسفے کا وہ اہم تاریخی سفر ملتا ہے جس نے ان کے پیام کو پیام انقلاب کے عظیم درجہ تک پہونچایا۔ ان میں اسلامی تاریخ کے دو پرفتن ادوار کا تقابل کر کے بتایا گیا ہے کہ ان فتنوں کا مقابلہ کرنے میں ماضی میں کیا غلطیاں ہوئیں۔ اور حال کس چیز کا متقاضی ہے۔ پہلا پرفتن دور وہ تھا جب چنگیز و ہلاکو کے ہاتھوں امت کا خون ہوا۔ دوسرا دور یہ ہے کہ جس میں مغربی تہذیب نے اسلام پر یلغار کر رکھی ہے۔ پہلے دور میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت کا خاتمہ ہوا تھا۔ مگر اس کے بعد ان کی فکری اور تہذیبی قوت نے اپنے سامنے سیاسی فاتحین کو جھکا دیا تھا۔ دوسرے دور میں سیاسی طاقت اور تہذیبی و اخلاقی طاقت دونوں ہاتھ سے جا رہی ہیں۔ اقبال نے ان مثنویوں میں بتایا ہے کہ گذشتہ دور میں فتنہ تاتار کے بعد مسلمانوں کے شکستہ اعصاب نے وحدت الوجود اور تقدیر پرستی کے عقائد میں پناہ لینے کی جو کوشش کی تھی، اب مغربی تہذیب کے مقابلے میں ان عقیدوں میں پناہ لینا خود اپنی موت پر دستخط کر دینا ہے۔ یہی وہ عقیدے تھے جنھوں نے باطل کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے بجائے سپر ڈال دینے کا انداز سکھایا۔ اور اس طرح زوال و نکبت کا طوفانی دھارا امت کے اندر اور باہر دونوں طرف سفینے ڈبونے لگا۔ اس فتنے کا استیصال کرنے کے لئے اقبال اپنے مخصوص فلسفۂ خودی اور "یا زمانہ ستیز" کا عقیدہ واحد وسائل کے طور پر پیش کرتا ہے۔

زیر نظر کتاب مذکورہ مثنویوں کے متعلق ایک تعارف و تمہید سے شروع ہوتی ہے اس کے بعد

مثنویوں کا آزاد انگریزی ترجمہ ہے۔ ترجمہ کے ساتھ ساتھ تشریحی نوٹ اور فٹ نوٹ بھی جابجا دیے گئے ہیں۔

ہمارے سامنے اس وقت یہ دونوں اصلی مثنویاں نہیں اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ مترجم کسی حد تک اصل کی روح کو ترجمہ میں منتقل کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ لیکن ادھر ادھر سے نظر ڈالنے کے بعد پہلی نظر میں یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ ترجمہ اقبال کے کلام کا ترجمہ ہے۔ اصل کلام کے آہنگ و اسلوب سے ترجمہ کی یہ مشابہت ظاہر کرتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ کا حق ادا کرنے کی سعی مشکور کی ہے۔ معلوم نہیں کیوں اس بار مثنویوں کے عنوان کا انگریزی میں ترجمہ نہیں کیا گیا اور اردو عنوان کو انگریزی رسم الخط میں بدل دینے پر اکتفا کیوں کیا گیا۔ حالانکہ اس سے پہلے جاوید نامے کا ترجمہ PILGRIMAGE TO ETERNITY کر کے اقبال کے مترجم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ان خالص اردو فارسی عنوانات کو بھی کتنی خوبی کیساتھ انگریزی میں ڈھالا جا سکتا ہے۔

اس دور میں "اقبالیات" کو انگریزی میں منتقل کرنا ادبی ہی نہیں بلکہ اصلاً مذہبی خدمت ہے انسانی خدمت ہے۔ اس لیے کہ اقبال مرحوم نے مغرب کی کمزوریوں اور اسلام کی طاقت و رخوبیوں کو ایک ایسے انداز میں پیش کیا ہے جس سے مغربی ذہن خوب مانوس ہے۔ خدا کرے یہ ترجمہ بھی اسلام کی فکری نشر و اشاعت میں چار چاند لگانے کا موجب بنے (ش۔ ن۔ عثمانی)

قابل مطالعہ کتابیں

تجدید و احیائے دین — یہ کتاب تجدید اسلام کے مسئلے پر ... بحث کی گئی ہے۔ سب سے پہلے اسلام اور جاہلیت کی اصولی کشمکش کا ذکر کیا گیا ہے۔ تجدید کی حقیقت، مجدد کی تعریف اور مجدد کے کام کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد مجددین کے تجدیدی کارناموں پر تبصرہ کیا گیا ہے جنہوں نے تاریخ اسلام پر اپنا ایک مستقل اثر چھوڑا ہے۔ مجددین کی فہرست عمر بن عبدالعزیز سے شروع ہو کر حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید پر ختم ہوتی ہے۔

از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی — قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

مسئلہ قومیت — مغرب میں قومیت اور قوم پرستی Nationalism کا جو تصور ہے وہی تصور ہندوستان میں مقبول ہو رہا ہے۔ مگر اسلام اس قومیت اور قوم پرستی کا مخالف ہے۔ اس کتاب میں اس مسئلہ کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے۔

از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی — قیمت ایک روپیہ ۷۰ پیسے

حقیقت شرک — اس رسالہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ انسان کی فطرت توحید ہے شرک کی غلط فہمی محض سوء فہم اور دوسری کمزوریوں کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے —

از مولانا امین احسن اصلاحی — قیمت دو روپئے

دین حق — اس مقالہ میں مولانا مودودی نے ثابت کیا ہے کہ اسلام ہی تنہا قابل قبول دین ہے —

قیمت ۳۷ پیسے

شہادت حق — اس رسالہ میں امت مسلمہ کو اس کے مقصد وجود کا احساس دلایا گیا ہے —

از ابو الاعلیٰ مودودی — قیمت ۳۱ پیسے

— مکتبہ [illegible] —

ھندی میں شہرت پانے کے بعد

اسلامی مملکت کے خلیفہ اول حضرت ابوبکر
کی مکمل سوانح حیات

❋ حضرت ابوبکر ❋

— مرتبہ —

کوثر یزدانی

قیمت — 90 پیسے

ابتدائی اسلامی تاریخ سمجھنے کے لئے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں دونوں
کے لئے انتہائی مفید اور کارآمد کتاب۔

★ عام فہم ★ موثر انداز بیان ★ بیش قیمت مواد

خود بھی پڑھئے دوسروں کو بھی پڑھائیے

منیجر مکتبہ زندگی و کانتی رامپور یو۔ پی

Only Title printed at Shanker Press, Rampur

مسلمان کے گھر میں رکھا ہوا آج کا چھپا ہوا قرآن مجید سامنے رکھ لیجیے ۔ آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ دونوں
ایک ہی قرآن ہیں — دو نہیں ۔

سچی بات یہ ہے کہ قرآن مجید وہ عجیب و غریب کتاب ہے جو اپنی حفاظت کے لیے کاغذ اور قلم کی سرے سے
ہی نہیں ہے ۔ آخری کتاب ہونے کے ناطے خدا نے اپنی رحمت سے یہ وعدہ بھی اسی قرآن میں کر لیا تھا کہ قرآن سے پہلے
آسمانی کتابوں میں جو تبدیلیاں کر دی گئیں قرآن کو ان تمام تبدیلیوں اور دست درازیوں سے میں خود بچاؤں گا ۔
اور جس کتاب کو میں رہتی دنیا تک کی ہدایت کے لیے نازل کر رہا ہوں اس کو اپنی قدرت سے جوں کا توں محفوظ
رکھوں گا ۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال سے خدا اپنے اس وعدے کو حیرتناک طور پر پورا کر رہا ہے اور اسلام کے کسی
چالاک سے چالاک مخالف کو بھی قرآن پر ہاتھ ڈالنے کی کوئی صورت بن نہیں پڑی ۔ ظاہر ہے یہ خدا کا وعدہ ہے
اور خدا سے زیادہ اپنے وعدے میں اور کون سچا ہوگا ۔

بات یہ نہیں کہ قرآن کو بدل دینے اور خدا کے وعدے کو جھوٹ ثابت کرنے کا خیال ہی کسی کو سرے سے نہ
آیا ہو ۔ اسلامی تعلیمات کے کھرے خزانے میں کھوٹی چیزیں ملانے کی چالیں ایک سے ایک چلی گئیں ۔ قرآن پر تو بس نہ
چل سکا مگر حدیث پر لوگوں نے ہاتھ صاف کر ہی دیا ۔ لاکھوں حدیثیں جعلی گھڑ ڈالیں اور اصلی حدیثوں میں ملا دیں
حالانکہ قرآن اور حدیث میں بس اتنا فرق ہے کہ قرآن تو لفظاً اور معنی دونوں کے لحاظ سے خدا کی طرف سے اترا ہوا
ہے اور حدیث حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ باتیں ہیں جو وہ خدا ہی کے حکم سے لوگوں کو زبان سے بتاتے یا عمل
سے سکھاتے تھے مگر یہ باتیں بتاتے ہوئے وہ اپنے الفاظ استعمال کرتے تھے

اگرچہ اللہ نے اپنی زبردست قدرت سے یہ حدیثوں کے بدلنے کی سازش بھی کھول کر رکھ دی مگر اس واقعہ
سے دنیا کے سامنے خدا نے یہ بات بھی بالکل صاف کر دی کہ اگر قرآن خدا کا کلام نہ ہوتا اور خدا ہی اس کی حفاظت اپنے
ذمے نہ لیتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ جن لوگوں نے حدیثوں کو بدل ڈالا وہ قرآن کو یوں ہی چھوڑ دیتے ۔ حدیثوں کو کس
طرح اس سازش کی دلدل سے نکالا گیا یہ الگ ایک لمبی کہانی ہے ۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ گھڑی ہوئی اور اصلی
حدیثوں کو الگ الگ کرنے کے لیے تاریخ کا وہ حیرتناک فن ایجاد کیا گیا جس کو "اسماء الرجال" کہتے ہیں ۔ حدیث
عام تاریخوں کی طرح نہیں ہوتی کہ واقعہ لکھ دیا اور بس ۔ نہیں ! اس میں واقعہ کے ساتھ یہ بھی بتانا ضروری
ہوتا ہے کہ یہ بات خدا کے رسول سے کس نے سنی تھی ؟ یا کس نے یہ واقعہ ہوتے ہوئے خود دیکھا تھا ؟ پھر
اس نے کس سے کہا ، کس نے کس سے کہا اور علیٰ ہذا القیاس ۔ جب حدیثوں میں جعلی حدیثیں ملا دی گئیں تو بڑے بڑے

خود پڑھے لکھے نہ ہونے کے باعث حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جتنا قرآن اترتا اس کو زبانی یاد کر لیتے تھے اور فوراً ہی نہایت ایمان دار لکھنے والوں سے اس کو کھجور کے پتوں، ہڈیوں اور چھلی کے ٹکڑوں پر لکھوا لیتے تھے لکھنے کے ساتھ بیسیوں مسلمان اس کتاب کو حضرت محمد کی طرح زبانی یاد کرتے جاتے تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف نمازوں میں اور بغیر نماز کے قرآن کو سنتے اور سناتے تو دوسری طرف جو فرشتہ یہ کتاب لا رہا تھا اس کے ساتھ بھی اترے ہوئے اور پھر ایک خاص ترتیب سے لکھے ہوئے حصوں کا سننا سنانا جاری رہتا اور اس طرح یہ بات پکی رہتی کہ جو قرآن جتنا اتر رہا ہے وہی قرآن اتنا ہی خاص ترتیب سے لکھا بھی جا رہا ہے اور یاد بھی ہوتا جا رہا ہے۔

اس کتاب کو لکھنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ قرآن کے اترنے اور لکھے جانے کی ترتیب ظاہر ہے کہ ایک نہیں تھی۔ لکھا تو وہ اس طریقے اور اس ترتیب سے جا رہا تھا جس طریقے اور جس ترتیب سے وہ خدا کے پاس سے پورا کا پورا آسمان دنیا پر اترا تھا اور زمین پر جس ترتیب سے خدا اس کو دیکھنا اور قائم رکھنا چاہتا تھا لیکن اس کے تھوڑا تھوڑا بقدر ضرورت اترنے کا ڈھنگ یہ تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ۲۳ سال میں زندگی کے جو نت نئے حالات اور واقعات پیش آ رہے تھے۔ ان حالات و واقعات کے پس منظر میں جیسی آیتوں کی ضرورت ہوتی ویسی ہی آیتیں اور اتنی ہی آیتیں ادھر ادھر سے تھوڑی تھوڑی کر کے قسط وار اتر رہی تھیں۔ اترنے اور لکھے جانے کے اس فرق کی وجہ سے بالکل ضروری تھا کہ قرآن جس ترتیب سے لکھا جانا خدا کو منظور ہے خدا کے حکم کے مطابق خدا کے رسول کے سامنے ہی وہ اسی طرح لکھا بھی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس وقت بلائے گئے جبکہ قرآن پورا کا پورا لکھا بھی جا چکا تھا۔

حضور کے بعد یہ کتاب جھلیوں، ہڈیوں اور چھالوں پر الگ الگ لکھی رہی مگر حضور کے بعد جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو ایک لڑائی میں ایسے بہت سے لوگ شہید ہو گئے جن کو سارا قرآن یاد تھا۔ یہ دیکھ کر فوراً اس کتاب کو جھلیوں، ہڈیوں اور چھالوں سے دیکھ دیکھ کر اور حافظوں سے ملا ملا کر پوری احتیاط کے ساتھ ایک جگہ نقل کر لیا گیا۔ آگے چل کر حضرت عثمان (تیسرے خلیفہ) نے اس کتاب کے رسم الخط کو جوں کا توں محفوظ رکھنے کے لیے اسی کو قرآن کا مستند رسم الخط قرار دے دیا اور اسی کی نقلیں تمام اسلامی دیشوں میں بھجوا دیں۔ اسی وجہ سے قرآن پاک کو "صحیفۂ عثمانی" بھی کہہ دیتے ہیں۔ اس صحیفۂ عثمانی کے تاریخی نسخے ناپید نہیں ہوئے بلکہ اب بھی دنیا کی تاریخی لائبریریوں میں اس کے نسخے ملتے ہیں۔ غیر مسلم ممالک کی ان تاریخی لائبریریوں میں رکھے ہوئے اس صحیفۂ عثمانی کو اٹھا لیجیے اور کسی بھی جگہ کے کسی

اللہ کی آخری کتاب

جناب شمس نوید عثمانی

قرآن کیا ہے؟

سیدھی سچی بات یہ ہے کہ "قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے"۔

یہ کتاب سنہ ۶۱۰ء اور ۶۳۲ء کے درمیان تقریباً ۲۳ سال کی مدت میں عرب دلیش کے شہر مکہ کے سب سے ستھرے اور اونچے خاندان قریش سے تعلق رکھنے والے اس آدمی پر اتری جن کو مکے والے اپنے چالیس سال کے تجربے کے باعث نام لینے کے بجائے "سچا" اور "دیانت دار" ہی کہنے لگے تھے۔ ان کا نام محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ اس کتاب کا کچھ حصہ مکے میں اور کچھ حصہ مدینے میں اترا۔ جو فرشتہ اللہ کے پاس سے اس کتاب کی آیتیں لے کر وقتاً فوقتاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تھا اس کا نام جبرئیل علیہ السلام ہے خدا نے اس فرشتے کی سب سے بڑی خوبی یہ بتائی ہے کہ وہ "ایمان دار" اور "طاقت ور" ہے۔

تاریخ گواہی دیتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے نہیں تھے۔ قرآن نازل ہونے سے پہلے چالیس سال کی لمبی عمر تک وہ اسی دنیا کی آنکھوں کے سامنے تھے مگر کبھی کسی نے ان کو کسی کے آگے کاغذ اور قلم اٹھائے ہوئے نہیں دیکھا — کہ اچانک ان کے اوپر یہ ایک ایسی کتاب اترنی شروع ہوئی جس کا دعویٰ تھا کہ ساری دنیا کے جن اور انسان مل کر بھی اس جیسی کتاب تو کیا اس کتاب جیسی ایک سورت بھی بنا کر نہیں لا سکتے۔ فاتوا بسورۃ من مثلہ —— اور یہ تاریخی واقعہ ہے کہ گزشتہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال کی لمبی مدت میں اسلام کی دشمنی میں دنیا نے سب کچھ کیا اور کہا مگر آج تک کسی کو کبھی یہ ہمت اور جرات تک نہ ہوئی کہ قرآن کریم اس عجیب و غریب دعوے کو جھٹلانے کے لیے میدان ہی میں آسکے۔

آخر بینکنگ اور بیمہ کا موجودہ نظام بھی تو سال دو سال میں ہی قابلِ عمل نہیں بن گیا ایک صدی سے زیادہ مدت پر مسلسل غور و فکر اور تجربات اور ان کی روشنی میں رد و بدل ہوتا رہا ہے۔ تب جاکر اس منضبط شکل میں یہ رو بکار آیا جس پر اطمینان کیا جا سکتا ہے۔

اگر صحیح جذبہ کے ساتھ اس اسکیم کا تجربہ کیا جائے اور ان تجربات کے تحت شرعی قواعد کی روشنی میں اصلاحات کا سلسلہ جاری رہے تو یقیناً چند سال میں "بلاسود" بینکاری اور بیمہ کا نظام شرعی اصول پر پورے استحکام کے ساتھ بروئے کار آسکتا ہے۔

اس نظام مضاربت کے تحت بینکاری کا ایک لازمی اثر اور غایت درجہ مفید نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ ملک کی دولت سمٹ کر چند افراد یا خاندانوں میں محدود و محصور ہو کر نہیں رہ جائے گی بلکہ اس تجارتی منافع کی شرح اور تقسیم سے پوری قوم کو معتد بہ (قابل قدر) فائدہ حاصل ہوگا اور حقیقی معنی میں قومی سرمایہ روز افزوں اور اس کے نتیجہ میں پوری قوم کا معیار زندگی بلند سے بلند تر ہوتا رہے گا۔

اس وقت صرف اس اجمالی خاکہ ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ واللہ المستعان

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴ - ۱۲ شوال ۱۳۸۴ھ

تجدد پسندوں کا اسلام

متجددین کا سارا زور اس پر ہے کہ اسلام چند عام اصولوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے اس طرح ان کے نزدیک

اسلام رواداری ہے، اخوت ہے، ہمدردیِ خلق اور عالمی امن ہے۔ اسلام سوشلزم ہے، نیشنلزم ہے، رفاہی اسٹیٹ ہے۔ حریت پسندی ہے، عقلیت پسندی ہے، ہیومانزم (فلسفہ انسانیت) اور مادی ترقی ہے۔

ان کا اسلام اتنا لچکدار اور انتخابی ہے کہ وہ سب کچھ بن سکتا ہے۔ اگر وہ سب کچھ ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کچھ نہیں ہے اور ٹھیک یہی وہ چیز ہے جسے تجدد پسند ثابت اور حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

مریم جمیلہ

بھی جائے گی۔ امداد باہمی کا ریزرو فنڈ وقف ہوگا جس کا فائدہ حادثہ پیش آجانے کی صورت میں وقف کرنے والے کو بھی پہنچ سکے گا۔ اپنے وقف سے خود بھی فائدہ اٹھانا اصول وقف کے منافی نہیں مثلاً کوئی شخص رفاہِ عام کے لیے ہسپتال وقف کرے اور بوقت ضرورت خود بھی اس سے فائدہ اٹھائے یا قبرستان وقف کرے پھر خود اس کو اور اس کے اقربا کو اس میں دفن کیا جائے۔

(۵) حوادث پر امداد کے لیے مناسب قوانین بنا لیے جائیں جو صورتیں عام طور پر "حوادث" کہی اور سمجھی جاتی ہیں ان میں اس شخص کے پس ماندگان کی امداد کے لیے معتدبہ رقم مقرر کر دی جائے اور جو صورتیں عادۃً "حوادث" میں شمار نہیں کی جاتیں۔ مثلاً کسی بیماری کے ذریعہ موت واقع ہو جانا اس کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ مثلاً متوسط تندرستی والے افراد کے لیے ساٹھ سال کو عمرِ طبعی قرار دے کر اس سے پہلے موت واقع ہو جانے کی صورت میں بھی کچھ مختصر سی امداد پس ماندگان کو دی جائے۔ متوسط تندرستی کو جانچنے کے لیے جو طریقہ ڈاکٹری معائنہ کا بیمہ کمپنیوں میں جاری ہے۔ وہی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ بیمار یا ضعیف آدمی کے لیے اسی پیمانے سے عمرِ طبعی کا ایک اندازہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔

(۶) چند قسطیں ادا کرنے کے بعد ادائیگی کا سلسلہ بند کر دینے کی صورت میں ادا کی ہوئی رقم کو ضبط کر لینا ظلم صریح اور حرام ہے اس سے اجتناب کیا جائے ہاں کمپنی کو ایسے غیر ذمہ دار لوگوں کے ضرر سے بچانے کے لیے معاہدے میں ایک شرط یہ رکھی جا سکتی ہے کہ کوئی بھی شخص حصہ دار (پالیسی خریدار) بننے کے بعد اگر اپنا حصہ واپس لینا چاہے اور اپنی اس شرکت کو ختم کرنا چاہے تو پانچ سال یا سات سال یا دس سال سے پہلے رقم واپس نہ ملے گی اور ایسے شخص کے تجارتی منافع کی شرح بھی کم سے کم رکھی جا سکتی ہے بلکہ یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ کل معہودہ رقم کے نصف ہونے تک کوئی نفع نہیں دیا جائے گا نصف کے بعد ایک خاص شرح نفع کی متعین کر دی جائے مثلاً روپیہ میں ایک آنہ یا دو آنے۔

یہ سب امور منتظمہ کمیٹی کی صوابدید سے شریعت کی روشنی میں طے ہو سکتے ہیں ان کا اثر اصل معاملہ کے جواز و عدم جواز پر نہیں پڑتا۔

یہ ایک سرسری مختصر اور اجمالی خاکہ ہے اگر کوئی جماعت اس دینی کام کے انجام دینے کے لیے تیار ہو تو اس پر مزید غور و فکر کے بعد اس کو زیادہ سے زیادہ نافع بنانے اور نقصانات سے محفوظ رکھنے کی شرعی تدبیریں سوچی جا سکتی ہیں اور سال دو سال تجربہ کر کے ان میں بھی شرعی احکام و اصول کے تحت تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔

غیر شرعی طور پر عائد کیا گیا ہو وہ علت ضرورت ج میں مفقود ہے۔

(۱۲) سوال: بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کے کسی دوسرے شخص کو امداد کے طور پر دے دیتا ہے تو کیا اس صورت میں انشورنس کا معاملہ جائز ہوگا؟

(۱۲) جواب: صدقہ کر دینے کی نیت سے سود یا قمار کی رقم حاصل کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ (صدقہ کر دینے کی) صورت تو ایک گناہ کر کے اس سے توبہ یا اس کا کفارہ کر دینے کی ہے یعنی ناجائز طریقے سے جو رقم کسی کے پاس آ گئی ہو اور اس کو واپس کرنا ممکن نہ ہو تو اس کے گناہ کا کفارہ یہی ہے کہ اس رقم کو صدقہ کر دے۔ اسی وجہ سے اس میں نیت ثواب رکھنا بھی جائز نہیں، بلکہ نیت کفارے کی ہونی چاہیے۔ صدقہ کر دینے کی نیت سے بیمہ پالیسی کی ناجائز اور حرام رقم حاصل کرنا تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی توبہ کر لینے اور کفارہ ادا کرنے کی نیت سے کسی گناہ یا فعل حرام پر اقدام کرے۔ ظاہر ہے کہ اس اقدام گناہ یا ارتکاب حرام کو جائز ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

(۱۳) اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو مصالح و حاجات مذکورہ کو سامنے رکھ کر:

الف:۔ اس کا کوئی بدل ہو سکتا ہے جس میں مصالح مذکورہ موجود ہوں اور اس پر عمل سے ارتکاب معصیت لازم نہ آئے اگر ہو سکتا ہے تو کیا ہے؟

ب:۔ انشورنس کی مروجہ شکل میں کوئی ایسی ترمیم کی جا سکتی ہے جو اسے معصیت کے دائرے سے خارج کر دے اور مصالح مذکورہ فوت نہ کرے اگر ہو سکتی ہے تو کیا ہے؟

۱۳۔ جواب: آخری سوالات (الف) اور (ب) میں ایسی صورت دریافت کی گئی ہے جس میں شرعی حیثیت سے کوئی قباحت نہ ہو اور بیمہ کے فوائد اس سے حاصل ہو سکیں۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اصول شرعیہ کے ماتحت بیمہ کے ایسے بے خطر اور بے غرر بدل موجود ہیں کہ اگر ان کو بروئے کار لایا جائے تو نہ صرف مروجہ بیمہ کا اچھا بدل بن سکیں، بلکہ قوم کے بے سہارا افراد کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر دینے کا بہترین ذریعہ بن سکتے ہیں۔ مگر یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب قوم میں اسلامی حمیت اور قومی غیرت کا شعور بیدار ہو اپنی زندگی کو شرعی اور اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے تھوڑی بہت قربانی کے لیے تیار رہیں اگر "فیروں" کی نقالی ہی کو سرمایہ سعادت و ترقی سمجھ کر اس کے حصول میں حرام و حلال کے امتیاز اور فکر آخرت سے بے گانگی و بے نیازی کو ہی اپنا شعار بنا لیا جائے تو ظاہر ہے کہ یورپ کے "شاطر" ہمارے

(۱۰۰۹) جواب - ایک فرق سامنے رکھنا ضروری ہے کہ حادثے کی جو رقم ملے گی اس کو تو حکومت کا عطیہ قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ ایسے حالات میں امداد کرنا حکومتوں کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے مگر ربو کا معاملہ بہرحال حرام رہے گا اس میں نجی کاروبار میں اور حکومت کے کاروبار میں کوئی فرق نہیں۔

(۱۱) سوال : فرض کیجیے بیمہ کا کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہے ایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا ہے اور میعاد معین کے بعد اصل مع سود کے وصول کر لیتا ہے۔ لیکن (الف) سود کی رقم بصورت ٹیکس وچندہ خود حکومت کو دے دیتا ہے۔ (ب) ایسے کاموں میں لگا دیتا ہے جن کا انجام دینا خود حکومت کے ذمہ ہوتا ہے مگر وہ لاپروائی یا کسی دشواری کی وجہ سے انہیں انجام نہیں دیتی۔ مثلاً پل یا راستہ (سڑکیں) بنوانا کسی تعلیمی ادارہ کو امداد دینا کنواں کھدوانا یا نل لگوانا وغیرہ جہاں یہ امور قانوناً حکومت کے ذمے ہوں۔ (ج) ایسے کاموں میں صرف کرتا ہے جو قانوناً حکومت کے ذمہ نہیں ہوتے مگر عام طور پر رعایا ان کاموں کے بارے میں حکومت کی امداد چاہتی ہے اور حکومت بھی اس خواہش کو مذموم نہیں سمجھتی بلکہ بعض اوقات امداد کرتی ہے مثلاً کسی جگہ کتب خانہ کھول دینا تو کیا مندرجہ بالا صورتوں میں اس شخص کے لیے بیمہ پالیسی کی خریداری جائز ہوگی اور اسے ربو لینے کا گناہ تو نہ ہوگا۔

نوٹ :- مندرجہ بالا تینوں صورتوں (الف، ب، ج) کے احکام میں اگر فرق ہے تو اسے واضح فرمایا جائے۔

(۱۱) جواب - الف : یہ صورت جائز ہے کہ حکومت کی طرف سے جو غیر شرعی ٹیکس عائد ہیں ان کو ادا کرنے کے لیے حکومت ہی سے اس کے قانون کے مطابق کوئی رقم حاصل کر لی جائے خواہ اس کے حصول کا ذریعہ ربو کے عنوان میں آتا ہو مگر شرط یہ ہے کہ صرف اتنی رقم وصول کی جائے جتنی حکومت کے غیر شرعی ٹیکسوں میں دینی ہے۔ (ب) از روئے قواعد تو اس کی بھی گنجائش ہے مگر انفرادی طور پر ایسا ہونا عملاً مشکل ہے اس کا نتیجہ بھی یہی ہوگا کہ اس رقم کو صرف کرنے والے اس سے اپنے مفاد حاصل کریں گے جو ناجائز ہے۔ ہاں کسی ایسے ادارے کو یہ رقم سپرد کر دی جائے جو ذمہ داری کے ساتھ اس رقم کو صرف انہیں کاموں میں صرف کرے جن کے پورا کرنے کی ذمہ داری حکومت پر تھی اور حکومت کسی وجہ سے ان کو انجام نہیں دے رہی ہے تو مضائقہ نہیں ہے۔ (ج) جو کام حکومت کی ذمہ داری اور فرائض میں داخل نہیں لیکن کبھی کبھی حکومت ان کو انجام دے دیتی ہے۔ ایسے کاموں پر صرف کرنے کے لیے بیمہ پالیسیوں سے کسی شرعاً ناجائز طریقے پر رقم حاصل کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جواز کی علت اس "تاوان" سے بچنا ہے جو حکومت کی طرف سے

پہلی قسم کے نقصان کو جو خالص اس کی ذات پر پڑنے والا تھا بیمہ (انشورنس) کے ذریعہ پوری قوم پر ڈال دیا (پورا نقصان بیمہ کمپنی سے وصول کر لیا اور خود خسارے سے بچ گیا) دوسری قسم کے نقصان سے بچنے کے لیے سٹہ کا بازار گرم کیا تاکہ جہاں ذرا نقصان کا خطرہ نظر آئے فوراً اپنی بلا دوسرے کے سر ڈال کر خود نقصان سے پاک اور بیباق ہو جائے۔

اسی طرح اگر موجودہ طریق کاروبار کی گہرائیوں پر غور کیا جائے تو چھپا ہوا راز کھل جائے اور معلوم ہو جائے کہ بیمہ (انشورنس) اور سٹہ درحقیقت صرف سودی کاروبار کے ہتھکنڈے ہیں جن کو بڑی ہوشیاری اور خوش لقبوں کے ساتھ بھولے بھالے مسلمانوں اور حقیقت سے بے خبر لوگوں کو "قومی ہمدردی" اور "امداد باہمی" کا سبز باغ دکھا کر اور "ناگہانی حادثات" کے ہوّے سے ڈرا کر اس دام فریب میں گرفتار کیا جاتا ہے اور ان کے تھوڑے بہت "پس انداز" سرمایہ پر بھی ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔

(٨) سوال! اگر کوئی مسلمان کسی دار الحرب (غیر مسلم ممالک) کا باشندہ ہو۔ مستامن نہیں۔ اور کمپنی حربیوں (غیر ملکیوں) ہی کی ہو تو کیا اس صورت میں یہ معاملہ مسلمانوں کے لیے جائز ہو گا؟

(٨) جواب! اگر بیمہ کمپنی حربیوں کی ہے اور کوئی مسلمان اس کا حصہ دار نہیں ہے تو اس کی بیمہ پالیسی لے کر کوئی نفع، خواہ ربوٰ کا خواہ حادثے کا، حاصل کر لینا مسئلہ مختلف فیہا (اختلافی مسائل) ہو جائے گا جو امام ابو حنیفہ[له] رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو ناجائز ہی ہے مگر دوسرے ائمہ اجازت دیتے ہیں حنفیہ کے مسلک پر بھی جواز (جائز ہونا) اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ کوئی مسلمان اس میں حصہ دار نہ ہو مگر عملاً ایسا ہونا شاذ و نادر ہی ہو سکتا ہے۔

(٩ و ١٠) سوال! اس صورت میں کہ انشورنس کا کاروبار خود حکومت کر رہی ہو اور اس صورت میں کہ یہ کاروبار نجی کمپنیاں کر رہی ہوں، کوئی فرق ہے یا نہیں؟

اگر یہ کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہو تو کیا اس بنا پر کہ خزانہ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے زیر بحث معاملہ میں سود کی رقم "عطیہ حکومت" قرار پا کر ربوٰ کے حدود سے خارج ہو سکتی ہے یا نہیں اور کیا اس صورت میں یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

[له] عبارت غلط چھپ گئی ہے اور امام ابو حنیفہ رہ کی طرف غلط قول منسوب ہو گیا ہے۔ مقالے کی ابتدا میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

نہیں ہے اسی لیے بخاری نے لکھا ہے :- وان کان لہ وارث فھو اولی منہ وان کانت عمتہ او خالتہ او غیرھما من ذوی الارحام (کتاب الولاء) اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ عقد موالات جو غیر مسلموں کے لیے لاوارث ہونے کی حالت جائز کیا گیا ہے اس پر عام امداد باہمی کے معاہدے کو قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

اور یہ تو اس وقت ہے جبکہ بیمہ کے کاروبار کو امداد باہمی کا معاہدہ سمجھ لیا جائے جس کے سمجھنے کی کوئی گنجائش نہ بیمہ کمپنی کے کاروبار میں نظر آتی ہے نہ بیمہ پالیسی خریدنے والوں کے معاملات سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔

ایک بہت بڑا دھوکہ

درحقیقت مروجہ بیمہ کو "امداد باہمی" کہنا ایک بڑا دھوکہ ہے اور بیمہ اور سٹہ جیسے سودی کاروبار کی لعنت اور اس پر آنے والی نحوست کو پوری قوم کے سر ڈالنے کا ایک خوب صورت "حیلہ" ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ "سودی کاروبار" کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ مثلاً دس ہزار کا سرمایہ رکھنے والا اپنے دس ہزار کے ساتھ بینکوں کے ذریعہ نوے ہزار روپیہ پوری قوم سے بطور "سودی قرض" وصول کر کے ایک لاکھ روپے کا کاروبار کرتا ہے اب اس کاروبار میں جو نفع ہوتا ہے وہ تمام کا سارا "کاروبار کرنے والے ساہوکار" کی جیب میں جاتا ہے۔ برائے نام دو فی صد یا چار فی صد کے حساب سے وہ اس قومی سرمایہ کے "سود" کے نام سے دے دیتا ہے جو بینک کے حصہ داروں میں تقسیم ہو کر "قومی سرمایہ" میں ایک بے منفعت اور بے فائدہ "اضافہ" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا البتہ اس کاروبار کرنے والے سیٹھ کے (نوے ہزار قومی سرمایہ کی بدولت) ایک لاکھ کے دو لاکھ ہو جاتے ہیں اور اس کی "سرمایہ داری" بڑھ جاتی ہے اور اگر بالفرض اس کاروبار میں غیر معمولی خسارہ ہوا اور اس کی تجارت کو زوال آیا اور تمام سرمایہ ڈوب گیا تو اس کاروبار کرنے والے کا نقصان تو صرف دس ہزار یعنی دس فیصد کا ہوا باقی نوے فی صد سرمایہ قوم کا تھا اس کو نوے فی صد نقصان اٹھانا پڑا۔ اول تو یہی صریح ظلم ہے کچھ کم نہیں کہ ملت کو منافع ملے تو چار فی صد کے حساب سے اور نقصان اٹھانا پڑے تو نوے فی صد کے حساب سے۔

ستم بالائے ستم ان سودی کاروبار کرنے والے خود غرض سیٹھوں اور مہاجنوں نے اپنے دس ہزار مال سرمایہ کے نقصان کو بھی قوم کے سر ڈالنے کے لیے دو طریقے ایجاد کر رکھے ہیں ایک بیمہ دوسرے سٹہ، کیونکہ کاروبار میں غیر معمولی نقصان دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ (۱) کبھی کسی ناگہانی حادثہ مثلاً آگ لگ جائے (یا) جہاز ڈوب جائے وغیرہ) پیش آجائے۔ (۲) خرید کردہ مال کی قیمت عالمی مارکیٹ میں گر جائے۔

ناظرین اس طرف متوجہ ہو کر نظر بد کے لیے محرک نہیں۔ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ۔ یا کفار کے معبودوں کو برا کہنے کی ممانعت اس لیے آئی ہے کہ وہ کفار کے لیے جواباً اللہ جل شانہ کی شان میں گستاخی کا محرک اور داعی بنے گی اسی فرق کو فقہاء سبب "قریب" اور سبب "بعید" کے عنوان سے اور کہیں ما قامت المعصیۃ بعینہ و بغیرہ کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس لیے بیمہ کمپنی میں روپیہ صرف اس نیت سے جمع کرنا کہ اس ذریعہ سے رقم پس انداز ہو جائے اور ضرورت کے وقت کام آئے اس کا سود نہ لینے کی صورت میں خلاف اولیٰ مگر جائز ہے۔

(۷) سوال: جو رقم کمپنی بطور سود ادا کرتی ہے اسے ربوٰ کے بجائے اس کی جانب سے اعانت امداد اور تبرع واحسان قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۷) جواب: تبرع واحسان کی کوئی علامت یہاں موجود نہیں۔ تبرع واحسان پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ جبراً وصول کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی بدیہی ہے کہ کمپنی کو براہ راست کسی غریب مصیبت زدہ سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی کہ وہ اس مد میں کچھ خرچ کرے یہ تو خالص ایک کاروبار یا تجارت ہے جو اس نظریے پر قائم ہوتا ہے کہ عادۃً حوادث کا اوسط کیا رہے گا۔ اور کمائی کا وسیلہ کیا۔ حوادث کے اوسط کو حاصل شدہ رقوم کے اوسط سے بہت کم محسوس کر کے باقی ماندہ منافع سے بیمہ کا کاروبار کیا جاتا ہے۔

بعض تجدد پسند علماء عصر نے جو بیمہ کو امداد باہمی کا ایک معاہدہ قرار دے کر مولی الموالاۃ کے احکام پر قیاس کیا ہے اور مولی الموالاۃ کی طرح اس کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ یہ بالکل قیاس مع الفارق ہے کیونکہ عقد موالات کا جواز جو بروایت ابوداؤد حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے وہ صرف ان نومسلموں کے لیے ہے جن کا کوئی وارث مسلمان موجود نہ ہو اگر ایسے لوگ کسی سے "بھائی چارہ" کا معاہدہ کر لیں وہ ایک حیثیت سے ان کا بھائی قرار پائے گا۔ زندگی میں جو جنایات کی دیت کسی بھائی پر عائد ہوتی ہے وہ اس شخص پر عائد ہوگی اور اس کے مرنے کے بعد یہ شخص اس کی وراثت کا حق دار قرار پائے گا۔ یہ عقد موالات حدیث مذکور کی بنا پر صرف وہ شخص کر سکتا ہے جس کا کوئی مسلمان وارث نہ ہو اور جس شخص کا کوئی بھی مسلمان وارث نزدیک یا دور کا خواہ عصبات میں سے ہو یا ذوی الارحام میں سے موجود ہو اس کے لیے یہ عقد موالات کسی بھی شخص کے ساتھ باطل اور کالعدم ہے کیونکہ وارث کا حق قطع کرنے کا اس شخص کو اختیار

(۴) سوال: معاملہ کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شئے وقت معین سے پہلے تلف ہو جائے تو اتنی رقم ملے گی اور اس کے بعد تلف ہوئی تو اتنی، جب کہ تلف ہونے کے وقت کا تعین غیر ممکن ہے اس معاملہ کو قمار یا غرر کی حدود میں تو داخل نہیں کر دیتی ہے۔

(۴) جواب: یقیناً قمار میں داخل ہے۔ کیونکہ کسی بھی معاملہ میں نفع نقصان کو کسی غیر معین، غیر معلوم چیز پر معلق رکھنے کا نام قمار ہے۔

(۵) سوال: اگر یہ قمار یا غرر ہے تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اسے نظر انداز کر کے اس معاملہ کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے اور اگر نکل سکتی ہے تو کیسے؟

(۵) جواب: غرر تو نہیں مگر خطر ضرور ہے جو بنیاد ہے قمار کی اور ربٰو کی طرح اس کی بھی حرمت قرآن کی نص قطعی میں آئی ہے اور اس کو بت پرستی کے مساوی جرم اور شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ اس لیے اس کے جواز کی تو گنجائش مصالح مذکورہ کی بنا پر نہیں نکل سکتی۔ البتہ بیمہ کے قواعد و ضوابط میں ترمیم کر کے اسے ایک جائز معاملہ بنایا جا سکتا ہے۔ جس کا ذکر عنقریب آتا ہے۔

(۶) سوال: اگر بیمہ دار مندرجہ اقسام بیمہ میں سے کسی میں سود لینے سے بالکل محترز رہے اور اپنی اصل رقم کی صرف واپسی چاہتا ہو تو کیا یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

(۶) جواب: جائز ہے، صرف اتنی قباحت ہے کہ اس کے روپیہ سے سود اور قمار کا معاملہ کرنے والوں کی کسی نہ کسی درجہ میں امداد ہوتی ہے۔ اگرچہ سبب بعید ہونے کی وجہ سے اس کو حرام نہ کہا جائے گا کیونکہ سود و قمار کا معاملہ کرنے والے دوسرے لوگ ہیں جن میں یہ شامل نہیں اور نہ اس کا روپیہ ان کے فعل حرام کے لیے خاص طور پر محرک اور داعی بنا ہے۔ ہاں اغیر ارادی طور پر اس کے روپیہ سے ان کی امداد ہو گئی، اس طرح کے تسبب للمعصیۃ (معصیت کے لیے سبب بننے کو) حرام نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ خلاف اولیٰ ضرور ہے جس کی تعبیر فقہا کی اصطلاح میں کروہ تنزیہی سے کی جاتی ہے۔ جیسے فاسق بدکار یا فاحشہ عورت کے لیے کی تیار کردہ کھانے پینے کی چیزیں یا لباس اور زینت کی ایسی اشیاء فروخت کرنا جن سے وہ اپنے فسق و فجور میں کام لیتے ہیں۔ حرام صرف وہ تسبب (سبب بننا) ہے جو معصیت کے لیے بطور خاص محرک اور داعی ہے جیسے قرآن کریم میں عورتوں کو پاؤں اس طرح مارنے کی ممانعت ہے جس سے ان کا زیور بجے اور غیر محرم مرد متوجہ

میں وصول کی جائے۔ خواہ کاروبار میں کتنا ہی نفع ہو یا نقصان؟

ظاہر ہے کہ بیمہ کی تینوں قسموں میں جو "منافع" یا "بونس" دیا جاتا ہے وہ بیع و تجارت کے اصول پر نہیں بلکہ ربوٰ کے طور پر دیا جاتا ہے۔

(ب) اور چونکہ "حادث" کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ پیش آئیں گے یا نہیں اور پیش آئیں گے تو کب اور کس پیمانے پر؟ اس لیے اس مبہم اور نامعلوم چیز پر کسی نفع کو معلق کرنا ہی قمار ہے جس کو قرآن کریم نے "میسر" حرام قرار دیا ہے۔ بیمہ کا مدار ہی اس نامعلوم اور مبہم نفع کی امید پر ہے جو بلا شبہ قمار میں داخل ہے۔

(ج) تینوں قسم کے بیموں میں جو یہ شرط ہے کہ جو شخص کچھ رقم "بیمہ پالیسی" کی جمع کر دینے کے بعد باقی قسطوں کی ادائیگی بند کر دیتا ہے اس کی جمع کردہ رقم سوخت ہو جاتی ہے۔ یہ شرط قطعاً خلاف شرع اور ناجائز ہے۔ قواعد شرعیہ کی رو سے اس کو تکمیل معاہدہ پر مجبور تو کیا جا سکتا ہے اور عدم تکمیل کی صورت میں کوئی تعزیری سزا بھی دی جا سکتی ہے مگر ادا کردہ رقم کو اس جرمانہ میں ضبط کر لینا جائز نہیں ہو سکتا۔

یہ تین امور خلاف شرع ہیں اور گناہ کبیرہ ہیں جو بیمہ کی تینوں قسموں میں موجود ہیں اس لیے بلحاظ حکم شرعی تینوں قسموں میں کوئی فرق نہیں سب کی سب ناجائز ہیں۔

البتہ ایک چوتھی قسم کا بیمہ ہے جس کو سوال نامہ میں نہیں لیا گیا ہے وہ "سندات، کاغذات اور نوٹوں" کا بیمہ ہے۔ اس کا رواج غالباً کچھ زیادہ قدیم ہے۔ اسی لیے علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ جو متاخرین میں افضل الفقہاء مانے گئے ہیں۔ انھوں نے اس کا ذکر "سوکرہ" کے عنوان سے کیا ہے مگر اس کی جو صورت لکھی ہے وہ موجودہ "بیمہ سندات و کاغذات" کی مروجہ صورت سے کسی قدر مختلف ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے مگر انھیں کی تحریر سے بیمہ سندات کی مروجہ صورت کا جواز معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں:

ان الموع اذا اخذ الاجرۃ علی الودیعۃ یضمنہا اذا ھلکت (شامی طبع استنبول ج ۴ ص ۳۴۴)

جس شخص کو کوئی سامان بغرض حفاظت دیا جائے اگر وہ اس کی حفاظت کا معاوضہ لیتا ہو تو ضائع ہو جانے کی صورت میں اس پر ضمان واجب ہوگا۔

ظاہر ہے کہ محکمہ ڈاک وغیرہ جو سندات و کاغذات وغیرہ سر بمہر کر کے حفاظت کے وعدے پر لیتا ہے اور اس کی حفاظت کی فیس بھی لیتا ہے تو ضائع ہو جانے کی صورت میں مذکورہ بالا کی روایت کی بنا پر ضائع شدہ کاغذات و سندات وغیرہ کا ضمان بھی اس پر لازم آئے گا۔

جناب کے مرسلہ سوالنامے نے معاملہ کی نوعیت کو پوری طرح واشگاف ظاہر کر دیا اور بیمہ کی تمام اقسام کو
واضح طور پر ذکر کر کے کچھ لکھنے کی ہمت پیدا کر دی خصوصاً اس لیے بھی کہ اب یہ میرا جواب کوئی آخری فیصلہ
نہیں۔ دوسرے علماء کے سامنے پیش ہو کر اس کی اصطلاح بھی ہو سکے گی۔ اگر رائج الوقت تمام معاملات جدیدہ
کے متعلق اسی طرح ہر معاملہ کی پوری تحقیق و تفصیل اہل معاملہ سے معلوم کر کے سوال نامے مرتب کر لیے جائیں تو
میں سمجھتا ہوں کہ مجلس تحقیقات شرعیہ کا یہ بھی بڑا کارنامہ ہوگا۔ واللہ الموفق

جواب بترتیب سوال

(۱) سوال: انشورنس کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس میں جو رقم کمپنی بطور سود دیتی ہے جس کا نام وہ
اپنی اصطلاح میں منافع رکھتی ہے وہ شریعت کی اصطلاح میں ربٰو ہے یا نہیں؟

(۱) جواب: ظاہر ہے کہ محض نام بدل لینے سے کسی معاملہ کی حقیقت نہیں بدلتی۔ بیمہ کمپنی کے منافع بلاشبہ
سود و ربٰو کی تعریف میں داخل ہیں۔ بینک کے سود کو ربٰو کی تعریف سے خارج کرنے کے لیے جو وجوہ نوتعلیم یافتہ
حضرات نے لکھے ہیں ان کا مفصل جواب احقر کے مطبوعہ رسالہ سود میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ اس رسالہ
میں سود اور ربٰو کی تعریف بھی وضاحت کے ساتھ لکھ دی گئی ہے۔

(۲) سوال: اگر سود مذکور شرعی اصطلاح میں ربٰو ہے تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اس کے جواز کی
کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟

(۲) جواب: سود کے جواز کی تو کوئی گنجائش نہیں کہ اس کی حرمت قطعی اور نہایت شدید ہے (جس کی تفصیل
احقر کے رسالہ سود میں دیکھی جا سکتی ہے۔ البتہ بیمہ کے قواعد و ضوابط میں ترمیم کرنے کے بعد اس کو ایک نفع بخش شرعی
معاملہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس ترمیم کا ذکر تفصیل سے آرہا ہے۔

(۳) سوال: زندگی کے بیمہ، املاک کے بیمہ اور ذمہ داری کے بیمہ کے درمیان شرعاً کوئی فرق ہوگا یا تینوں
قسم کے بیموں کا ایک ہی حکم ہے؟

(۳) جواب: تشریح اس کی یہ ہے کہ:۔

(الف) قرآن کریم کی آیت واحل اللّٰہ البیع وحرم الربٰو میں بیع اور تجارت کو حلال اور اس
کے بالمقابل ربٰو کو حرام قرار دیا ہے۔ بیع یا تجارت ایک مشترک کاروبار میں نفع نقصان کی منصفانہ تقسیم کا نام
ہے اور ربٰو اس زیادتی کا نام ہے جو تجارتی نفع نقصان سے قطع نظر کر کے اپنی رقم کی میعاد معین کے اوپر

اہل فتویٰ عموماً ان معاملات کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے اور اس کی واقفیت حاصل کرنا بھی ان کے لیے آسان نہیں ہوتا۔

عرصہ دراز ہوا کہ احقر سے ایک بیمہ کمپنی کے کسی ایجنٹ نے بیمہ کے جواز و عدم جواز کا سوال کیا تھا اس کے پیش نظر تو صرف اتنا تھا کہ میری طرف سے کوئی "حرف جواز" ان کے ہاتھ آجائے اور وہ اسے مسلمانوں کو بیمہ کرانے کی ترغیب کا اشتہار اور اپنے کاروبار کی ترقی کا ذریعہ بنائیں جیسا کہ ان کی دی ہوئی ایک کتاب میں دوسرے بہت سے علما کے ایسے ہی کلمات کو بطور اشتہار انھوں نے استعمال کیا ہوا تھا اور ایک بڑے ماہر مفتی کی طرف منسوب کرکے جو عبارت لکھی ہوئی تھی اس میں درمیان سے ایک پوری سطر کاٹ کر نقطے لگائے ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس سطر میں مفتی صاحب موصوف نے کمپنی کی منشا کے خلاف کوئی بات لکھی تھی اس لیے اسے درمیان سے حذف کر دیا گیا ہے۔ دیانت کا اتنا پہلو بھی غنیمت نظر آیا کہ درمیان سے ایک سطر کی خالی جگہ میں نقطے لگا کر اتنا تو بتلا دیا کہ مفتی صاحب کی یہ عبارت مسلسل نہیں ہے۔

احقر نے یہ طرز عمل دیکھنے کے بعد احتیاط ضروری سمجھی اور ان سے عرض کیا کہ "آپ بیمہ کے مکمل قواعد ضوابط مجھے دیں میں انہیں دیکھ کر کوئی جواب دوں گا۔ اس پر جو کاغذات انھوں نے مجھے مہیا کیے وہ صرف "بیمہ زندگی" سے متعلق تھے۔ ان کو دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ "بیمہ زندگی" میں شرعی حیثیت سے تین مفاسد ہیں۔ اول سود، دوسرے قمار، تیسرے معاہدے کی بعض فاسد شرطیں اس لیے بصورت موجودہ اس کے جواز کی کوئی صورت نہ تھی۔ احقر نے ان کو ایک ترمیم کا مسودہ لکھ کر دیا جس کے ذریعہ یہ کاروبار بغیر کسی قسم کے نقصان کے حرام اور گناہ ہونے سے نکل جائے۔

ان صاحب نے ترمیم منظور کرا کے جاری کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا مگر اس کے بعد کوئی اثر بیمہ کمپنی کے معاملات میں نظر نہ آیا شاید وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

احقر نے بارہا ارادہ کیا کہ کم از کم مسئلہ کی شرعی حیثیت کی صورت کو شائع کر دیا جائے مگر اول تو اس پر مکمل اطمینان نہ تھا کہ معاملہ کی نوعیت جو ان کاغذات سے میں نے سمجھی اور صحیح قرار دی ہے۔ اس میں کوئی غلطی تو نہیں ہے۔ دوسرے بیمہ کی دوسری اقسام کو بھی جمع کرنے اور سب کے مکمل احکام بیان کرنے کا داعیہ تھا جس کے نتیجے میں آج تک یہ ارادہ "ارادہ" ہی رہا عملی صورت نہ اختیار کر سکا۔ علاوہ ازیں مشاغل و ذہول نے بھی فرصت نہ دی۔ قویٰ کے روز بروز انحطاط اور ضعف نے ارادے کو بھی اسی نسبت سے ضعیف کر دیا ہے

اسلام اور بیمہ (انشورنس)

از مفتی پاکستان حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دار العلوم کراچی

یہ مقالہ ہم معاصر "بینات" کراچی کے شکریے کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مد مجدہ نے جو جوابات دیے ہیں، اُن سب سے اتفاق ضروری نہیں۔ مفتی صاحب نے سوال ۵ کا جو جواب دیا ہے وہ "بینات" میں صحیح شائع نہ ہو سکا۔ توجہ دلائی گئی تو وہاں سے جواب آیا کہ عبارت غلط چھپ گئی ہے اصل عبارت اس طرح ہے:-

اگر بیمہ کمپنی حربیوں کی ہے اور کوئی مسلمان اس کا حصہ دار نہیں ہے تو اس کی بیمہ پالیسی لے کر کوئی نفع خواہ ربا کا خواہ حادثہ کا حاصل کر لینا مسئلہ مختلف فیہا (اختلافی) ہو جائے گا جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو جائز ہی ہے مگر دوسرے ائمہ اجازت نہیں دیتے۔

قارئین زندگی اپنے سامنے اس صحیح عبارت کو رکھیں۔

ادارہ "زندگی"

بجواب سوالنامہ مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وکفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

اما بعد! اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں وقت کے ایک اہم مسئلہ کی طرف آپ نے توجہ فرمائی اور جواب دینے والے کے لیے معاملہ کی نوعیت سمجھنے کی مشکل حل کر دی۔ آج کل جدید قسم کے معاملات جو عام طور پر کاروباری زندگی اور معاشرے میں رواج پا گئے ہیں ان کے جائز و ناجائز ہونے کا فیصلہ کرنے میں اہل علم کے لیے ایک بڑی دشواری یہ بھی پیش آتی ہے کہ ایک طرف ان معاملات کے متعلق سوال کرنے والے شرعی اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے کہ معاملہ کی صحیح نوعیت بیان کر سکیں۔ دوسری طرف جواب دینے والے

اور اس کا جواب مذکور ہے :-

لا يقال الامر باقامة الحدود
فقطع السارق مثلا ان كان
مشروطا بوجود الامام لم يكن
مطلقا فلم يستلزم وجوبه كالامر
بالزكوٰة بالنسبة الى تحصيل النصاب
وان لم يكن مشروطا به فظاهر (شرح مقاصد)

یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ اقامت حدود
کا حکم مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنا اگر وجود امام کے ساتھ
مشروط ہے تو ہاتھ کاٹنے کا حکم مطلق نہ ہوا لہٰذا
امام کا تقرر واجب نہ رہا جیسے زکوٰۃ کا حکم تحصیل
نصاب کی نسبت سے اور اگر وجود امام کے ساتھ
مشروط نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ امام کا تقرر واجب ہوگا

اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ اگر حدود و تعزیرات کے حکم کو وجود امام کے ساتھ مشروط مانتے ہیں تو پھر یہ حکم مطلق نہیں رہا اور جب مطلق نہ رہا تو پھر نصب امام واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ امام کا تقرر تو اسی وقت واجب ہو سکتا ہے جب اقامتِ حدود کا حکم مطلق ہو اس کی مثال یہ ہے کہ زکوٰۃ کا حکم وجود نصاب کے ساتھ مشروط ہے لیکن نصاب کی تحصیل کسی مسلمان پر واجب نہیں ہے اور اگر وہ اقامت حدود کے حکم کو وجود امام کے ساتھ مشروط نہیں مانتے تب تو ظاہر ہے کہ امام کا تقرر مسلمانوں پر واجب نہ ہوگا۔ اس اعتراض کو پڑھ کر راقم الحروف کو احساس ہوا کہ ہمارے نئے مدعی نے اجتماعی احکام کو مقید قرار دینے کے لیے زکوٰۃ کی مثال اسی اعتراض سے لی ہے لیکن اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے اس کا جو جواب دیا گیا ہے اس کو انھوں نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے جواب ملاحظہ کیجیے :-

لانا نقول فرق بين تقييد
الوجوب وتقييد الواجب فههنا الوجوب
مطلق اى لم يقيد ولم يشترط بوجود
الامام والواجب اى المامور به
مشروط به وموقوف عليه كوجوب
الصلوٰة المشروطة بالطهارة واما
فى الزكوٰة فالوجوب مشروط
بحصول النصاب حق

یہ اعتراض اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ ہم
(اہل السنۃ والجماعۃ) کہتے ہیں کہ وجوب کے مقید ہونے
اور واجب کے مقید ہونے میں فرق ہے تو یہاں (جس
مسئلے میں بحث ہو رہی ہے) وجوب مطلق ہے یعنی
وجود امام کے ساتھ مقید و مشروط نہیں ہے اور واجب
یعنی مامور بہ (جس چیز کا حکم دیا گیا ہے) وجود امام
کے ساتھ مشروط اور اس پر موقوف ہے ان احکام
کے وجوب کی مثال ایسی ہے جیسے نماز کا وجوب جو

(باقی [illegible])

صرف اس لیے مقید ہو جائے گا کہ زکوٰۃ کا حکم مقید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو دینی مسائل میں اس مہلک طبیل سے محفوظ رکھے اور لطیفہ یہ ہے کہ جناب مدنی کے نزدیک جماعت اسلامی کا نصب العین بے دلیل ہے اور ان کا دعویٰ ناقابل تردید ہے۔

ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے

واقعہ یہ ہے کہ اجتماعی احکام کو مقید قرار دینے کے لیے قرآن و حدیث میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ علمائے امت ہمیشہ انہیں مطلق مانتے آئے ہیں۔ عقائد و کلام کی کتابوں سے بیسیوں عبارتیں اس کی تائید میں نقل کی جا سکتی ہیں لیکن طوالت سے بچنے کے لیے میں صرف شرح مقاصد کی دو عبارتیں نقل کرتا ہوں۔ ۱۔ نصب امام کے شرعی وجوب کی دوسری دلیل دیتے ہوئے لکھا گیا ہے:۔

الثانی ان الشارع امر باقامۃ
الحدود وسد الثغور وتجهیز
الجیوش للجهاد وکثیر من الامور
المتعلقۃ بحفظ النظام وحمایۃ
بیضۃ الاسلام مما لا یتم الا
بالامام وما لا یتم الواجب المطلق
الا بہ وکان مقدورا فهو
واجب علی ما مر فی صدر الکتاب
(شرح مقاصد بحث امامۃ)

دوسری دلیل یہ ہے کہ شارع نے حدود
کی اقامت، سرحدوں کے استحکام، جہاد کے
لیے لشکروں کے انتظام اور دوسرے بہت سے
امور کا حکم دیا ہے جو حفظ نظام اور اسلامی جماعت
کی حمایت سے متعلق ہیں۔ یہ سب وہ امور ہیں
جو امام کے بغیر تمام نہیں ہوتے اور واجب مطلق
جس چیز کے بغیر تمام نہ ہو اور وہ چیز انسان کی
قدرت میں بھی ہو تو وہ چیز بھی واجب ہوتی
ہے جیسا کہ کتاب کی ابتداء میں گزر چکا۔

اس عبارت نے دو باتیں بالکل واضح کر دیں۔ ایک یہ کہ اقامت حدود وغیرہ ایسے احکام ہیں جو امام کے بغیر انجام نہیں دیے جا سکتے۔ امام کا وجود ان احکام کی صحیح تعمیل کے لیے موقوف علیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اقامت حدود اور اس طرح کے دوسرے احکام واجب مطلق ہیں اور واجب مطلق جس چیز کے بغیر انجام نہ پا سکے وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس موقوف علیہ کا حاصل کرنا انسان کی قدرت میں ہو۔ اس عبارت میں جو بات کہی گئی ہے اس سے علمائے اہل السنۃ میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور اگر کسی غلط اندیش نے کوئی مہمل اعتراض کیا ہے تو انہوں نے اس کا مسکت جواب دیا ہے چنانچہ شرح مقاصد ہی میں ایک بے معنی اعتراض

چاہیے کہ نئے مدعی کے اس بے بنیاد دعوے نے شریعت کے مطلق احکام کو بے دلیل مقید کرنے کا کتنا خطرناک دروازہ کھولا ہے۔

اس نئے دعوے کے ثبوت میں زکوٰۃ کے مسئلے کو بار بار مختلف انداز میں اس طرح پیش کیا گیا ہے جیسے یہ کوئی بہت بڑا ہتھیار ہاتھ لگ گیا ہو حالانکہ یہ ہتھیار پھسپھسی لکڑی کا ہے۔ جناب مدعی زکوٰۃ کے حکم کو مقید اور نماز کے حکم کو مطلق سمجھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک کو مقید اور دوسرے کو مطلق سمجھنے کی دلیل کیا ہے؟ قرآن میں جس طرح نماز کا حکم مطلق ہے اسی طرح زکوٰۃ کا حکم بھی مطلق ہے۔ آخر زکوٰۃ کے حکم کو مقید قرار دینے کی کوئی شرعی دلیل تو ہوگی؟ جناب مدعی کو یہ بات معلوم ہوگی کہ زکوٰۃ کے حکم کو مقید حدیث نبوی اور اجماع امت نے قرار دیا ہے کسی مسلمان کی شخصی رائے نے اس کو مقید نہیں قرار دیا ہے۔ مدعی سے ہمارا مطالبہ یہی ہے کہ وہ قرآن کے اجتماعی احکام کو مقید ثابت کرنے کے لیے کوئی شرعی دلیل عنایت فرمائیں۔ کسی دعوے کو بار بار دہرانے سے وہ ثابت نہیں ہو جاتا۔

اصول دین کا ایک متفقہ مسئلہ یہ ہے کہ شریعت کے مطلق احکام کے اسباب کو حاصل کرنا واجب ہے اس لیے کہ سبب کی حیثیت موقوف علیہ کی ہوتی ہے اور کسی مطلق حکم کے موقوف علیہ کی تحصیل کے وجوب میں عقلمندوں کے نزدیک کسی شبہے کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ علمائے امت کے نزدیک حدود و تعزیرات اور شریعت کے دوسرے اجتماعی احکام مطلق احکام ہیں اور ان پر عمل کرنے کے لیے نصب امام کی حیثیت سبب اور موقوف علیہ کی ہے اسی لیے وہ نصب امام کو واجب کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی مقتدر امام کا تقرر مسلمانوں کے حاکمانہ اقتدار کے بغیر ممکن نہیں اس لیے اسلامی حکومت قائم کرنے کی جدوجہد آپ سے آپ واجب قرار پاتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے جناب مدعی کو اختلاف ہے۔ اس متفقہ اصول دین کو رد کرنا چونکہ بے عقلی کی بات ہوتی اس لیے انہوں نے یہ آسان نسخہ تجویز کیا کہ شریعت کے اجتماعی احکام کو مقید قرار دے دیں۔ اس کے لیے جب دلیل طلب کی گئی تو زکوٰۃ کے حکم کو پیش کر دیا اور جب یہ سوال سامنے رکھا گیا کہ زکوٰۃ کے مقید ہونے کی شرعی دلیل تو موجود ہے۔ اجتماعی احکام کے مقید ہونے کی شرعی دلیل کیا ہے تو صرف یہی نہیں کہ کوئی شرعی دلیل نہیں دی گئی بلکہ سائل کو نادان کہہ دیا گیا۔

اس روش کا انجام یہی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص کھڑا ہو اور دعوے کرے کہ نماز کا حکم بھی مطلق نہیں بلکہ مقید ہے۔ جناب مدعی دلیل طلب کریں تو وہ زکوٰۃ کے مسئلے کو پیش کر دے گا۔ گویا قرآن کا ہر مطلق حکم

ہے کہ جہاں تک ان شخصی احکام پر عمل کا تعلق ہے اس کے لیے اقتدار کی ضرورت نہ تھی اس کے باوجود وہ مکہ میں نازل نہیں ہوئے۔ مدینہ کے دورِ اقتدار میں نازل ہوئے۔ یہ بات ایک مثال سے واضح ہوگی چوری، زنا اور شراب نوشی کی حرمتیں شخصی احکام ہیں اور یکساں طور پر ہر مسلمان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ چوری نہ کرے، زنا نہ کرے اور شراب نہ پیے اور شریعت کے اس مطالبے پر عمل کرنے کے لیے کسی اقتدار حکومت کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خمر، قمار، ربوٰ اور نکاح مشرکہ کی حرمتیں، مکہ میں نہیں بلکہ مدینہ کے دورِ اقتدار میں نازل ہوئیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان تمام حرمتوں کی خلاف ورزی پر شریعت اسلامیہ نے حدود و تعزیرات مقرر کی ہیں اور ان کی تنفیذ کے لیے اقتدار حکومت کی ضرورت ہے۔ "زانی کو کوڑے مارو" اور "شرابی کو کوڑے مارو" دونوں کے لیے اقتدار چاہیے۔ اکثر و بیشتر حدود و تعزیرات دراصل شخصی احکام ہی کا اجتماعی رخ ہیں اسی لیے شریعت نے مناسب نہیں سمجھا کہ بے اختیار معاشرے کو ان شخصی احکام کا مخاطب و مکلف بنائے جن پر اس نے حدود مقرر کی ہیں۔ جب مدینہ میں حدود نافذ کرنے کا اقتدار حاصل ہوگیا تب اس نے مسلمانوں کو ان حرمتوں کا مخاطب و مکلف بنایا لہٰذا مسلمانوں کا بے اختیار معاشرہ خمر، قمار، ربوٰ اور نکاح مشرکہ کی حرمتوں کا مخاطب و مکلف نہیں ہے۔

اس کے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ ان حرمتوں کے مدینے میں نازل ہونے کی وجہ اقتدار نہیں بلکہ تدریج فی الاحکام کی حکمت ہے تو عرض کیا جائے گا کہ جن احکام پر عمل کرنے کے لیے اقتدار کی ضرورت نہیں ہے وہ تدریجی طور پر مکہ ہی میں کیوں نازل نہ ہوئے وہاں کیا مانع تھا۔ مثال کے طور پر تیرہ برس کی مدت میں حرمت خمر کے تدریجی احکام مکہ میں کیوں نازل نہیں ہو سکتے تھے جب کہ شراب سے اجتناب کے لیے اقتدارِ حکومت کی ضرورت نہیں اس کے لیے مدینہ کے دورِ اقتدار ہی کو کیوں منتخب کیا گیا۔ اس کا سبب جیسا کہ اوپر کہا گیا یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک اس حرمت کی خلاف ورزی پر حد نافذ کرنے کی قدرت نہ ہو مسلمانوں کو اس حرمت کا مخاطب و مکلف بنانا مناسب نہیں سمجھا گیا۔

غور کیجیے۔ اس استدلال کا کیا جواب ہے اور اگر جواب میں کوئی مزید عقلی تیر تکا چلایا جائے تو پھر اس کے جواب میں دوسرا شخص بھی عقلی تیر تکے چلائے گا۔ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ یہی نا کہ شریعت کے مطلق احکام کو مقید کرنے کا مسئلہ ایک کھیل بن جائے ــــ اگر مقصد یہ ہو کہ جماعت اسلامی کے نصب العین کو غلط ثابت کیا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دینی مسائل کا حلیہ بگڑتا ہے تو بگڑے، تب تو کوئی بات نہیں ورنہ [illegible]

مسلم معاشرے کو مخاطب قرار دے کر غلبۂ اسلام کی جدوجہد کو غیر ضروری قرار دیا ہے۔ جدوجہد کا لفظ ہم نے بالقصد استعمال کیا ہے اس لیے کہ آج تک ائمۂ دین اور علمائے امت میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی — اس بہت بڑے دعوے کے لیے بہت بڑی شرعی دلیل کی ضرورت تھی لیکن وہ ہے کہاں اس لیے اس کو ثابت کرنے کے لیے دو مزید دعوے کیے گئے ہیں ایک یہ کہ اجتماعی احکام مدینہ منورہ میں نازل ہوئے جب کہ مسلمانوں کا با اختیار معاشرہ بن چکا تھا اور ان کی با اختیار سیاسی تنظیم قائم ہو چکی تھی اس لیے ان احکام کا مخاطب با اختیار معاشرہ ہی ہو سکتا ہے دوسرا یہ کہ اجتماعی احکام مثلاً زانی پر حد جاری کرنے کے حکم کی نوعیت وہی ہے جو زکوٰۃ کے حکم کی نوعیت ہے جس طرح زکوٰۃ کا حکم مطلق نہیں بلکہ مقید ہے اسی طرح حدود و تعزیرات کے احکام بھی مطلق نہیں بلکہ مقید ہیں یعنی جس طرح زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب نصاب موجود ہو اگر نصاب موجود نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ نصاب کی تحصیل کو شریعت نے واجب نہیں کیا ہے اسی طرح جب اسلامی حکومت موجود ہو تو حدود و تعزیرات کو نافذ کرنا واجب ہے اگر وہ موجود نہ ہو تو واجب نہیں ہے اور جس طرح کوشش کرکے نصاب حاصل کرنا واجب نہیں اسی طرح کوشش کرکے اسلامی حکومت حاصل کرنا بھی واجب نہیں ہے ۔ یہ دونوں دعوے خود محتاج دلیل ہیں مگر انہیں کو پہلے دعوے کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے ۔

اس سلسلے میں پہلا سوال یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں اجتماعی احکام کا نازل ہونا اس بات کے لیے دلیل کس طرح بن جائے گا کہ اب ان احکام کے نازل ہو چکنے کے بعد اگر کسی ملک میں مسلمانوں کا معاشرہ بے اختیار ہو جائے اور اس کے ہاتھ سے حکومت کا اقتدار چھن جائے تو وہ اجتماعی احکام کا مخاطب ہی باقی نہیں رہے گا ۔ اجتماعی احکام کی مخاطبت کے لیے یہ "قید" کیا کسی آیت میں ہے، کسی حدیث میں ہے، کسی امام کا مذہب ہے، کسی عالم و فقیہ کا قول ہے ؟ آخر اس قید کی دلیل کیا ہے ۔ کیا اس دعوے کے موجد، قرآن کے مطلق احکام کو مقید کرنے کے لیے کسی دلیل شرعی کی ضرورت نہیں سمجھتے اور اپنے جیسے ہر مسلمان کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ نزول احکام کی زمانی ترتیب کی بنا پر جس مطلق حکم کو چاہے مقید کر دے ۔ اگر وہ اس دعوے کی فتنہ انگیزی کا احساس کرتے تو وہ ہرگز اس کی جرأت نہ کرتے

فرض کیجیے، کوئی شخص کہے کہ جن جن انفرادی و شخصی احکام کی خلاف ورزی پر سزائیں مقرر کی گئی ہیں ان کا دور اقتدار میں نازل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا مخاطب و مکلف بھی با اختیار معاشرہ ہی ہے اس کی توجیہ

نافذ کرنے کے مخاطب و مکلف مسلمانوں کے اولوالامر یعنی حکام ہیں اور چونکہ یہاں اسلامی حکومت قائم نہیں ہے
اس لیے ان احکام کو یہاں نافذ کرنے کی ذمہ داری ہی ساقط ہے چلیے چھٹی ملی۔ عام مسلمان مخاطب نہیں، حکام
موجود نہیں اس لیے حدود و تعزیرات کی عدم تنفیذ کا غم پالنے کی ہمیں کیا ضرورت۔ فرشتے آکر اسلامی حکومت
قائم کریں گے اور جب وہ کسی مسلمان کے سر پر امامت کا تاج رکھ دیں گے تو اس وقت یہ مسئلہ قابلِ غور ہوگا

—— اس عذر لنگ کا مفصل جواب، مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی نے اپنی کتاب "فریضۂ اقامت دین"
میں دیا ہے۔ دو وجوہ سے یہ عذر اتنا لنگڑا ہے کہ دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔ ایک یہ کہ قرآن میں حدود و
تعزیرات کے احکام کا مخاطب اولوالامر کو نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کو بنایا گیا ہے۔ دوسری یہ کہ ہر عاقل
سمجھتا ہے کہ کسی ملک کی حکومت در اصل اس ملک کے عوام کی نمایندہ ہوتی ہے۔ عوام انتشار اور فوضویت
سے بچنے کے لیے اپنے اختیارات ایک فرد یا چند افراد کے حوالہ کر دیتے ہیں اور پھر وہ لوگ ان کی نیابت
میں حکومت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے اولوالامر بھی ان کی نیابت ہی میں تنفیذ احکام کے اختیارات
استعمال کرتے ہیں۔ اس پہلو سے بھی حدود و تعزیرات کے احکام کی اصل مخاطب پوری امت ہے نہ کہ صرف اولوالامر

اب ایک عرصے کے بعد اسی دعوے کو ایک دوسرے دعوے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ دعوے کی شکل
ذرا سی بدل گئی ہے لیکن نتیجے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ نیا دعویٰ یہ ہے کہ حدود و تعزیرات اور دوسرے
اجتماعی احکام کا مخاطب ہے تو پورا مسلم معاشرہ، مگر بے اختیار معاشرہ نہیں بلکہ آزاد و با اختیار معاشرہ۔ بے اختیار
مسلم معاشرہ شریعت کے اجتماعی احکام کا سرے سے مخاطب نہیں ہے۔ مدعی نے یہ بات بھی واضح کر دی ہے
کہ بے اختیار مسلمان اس بات کے بھی مکلف نہیں ہیں کہ وہ حالات کو بدلنے اور اسلامی حکومت قائم کرنے
کی جدوجہد کریں۔ ان کے نزدیک اجتماعی احکام کی نوعیت یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کا با اختیار معاشرہ وجود
میں آجائے تو اس وقت مسلمان ان اجتماعی احکام کے مخاطب و مکلف ہوں گے۔ اس سے پہلے وہ ان کے
مخاطب نہیں ہیں، ان کے نزدیک تمام انفرادی و اجتماعی احکام کو نافذ کرنے یا مختصر لفظوں میں اسلامی حکومت
قائم کرنے کو ہندستان جیسے ملک میں اسلامی شعار قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ یہاں مسلمانوں کا فریضہ صرف انفرادی
بحیثیت افراد انفرادی احکام پر عمل کرنا ہے اس سے زیادہ کے نہ وہ مخاطب ہیں نہ مکلف۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا نتیجے کے لحاظ سے یہ موقف اس موقف سے مختلف نہیں ہے جس کا ذکر اوپر گزرا۔
پہلے موقف کے حامی نے اولوالامر کو مخاطب قرار دے کر جان چھڑائی تھی اور اس موقف کے موجد نے با اختیار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

(جولائی ۱۹۶۵ء کے اشارات سے پیوستہ)

سید احمد قادری

ہم پوری شریعت کے مخاطب ہیں

مسلمان جس ملک میں بھی آباد ہوں، وہ شریعت اسلامیہ کے تمام انفرادی واجتماعی احکام کے مخاطب ہیں وہ ان احکام کے مخاطب بھی ہیں جو مکی آیتوں میں نازل ہوئے اور ان احکام کے مخاطب بھی ہیں جو مدنی آیتوں میں نازل ہوئے۔ نزولِ قرآن کی تکمیل سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر قیامت تک جو گروہ بھی ایمان لایا ہے یا آئندہ لائے گا وہ پورے قرآن کا مخاطب اور تمام کے تمام اسلامی احکام کا ان شروط وحدود کے ساتھ مکلف ہے جو کتاب و سنت نے مقرر کی ہیں۔

المسلم ملتزم بحکم	مسلمان جہاں کہیں بھی ہو اسلام کے حکم کا
الاسلام حیث مایکون	ملتزم ہے (یعنی اسلامی احکام کی پابندی اس پر
(شرح السیر الکبیر ج ۴ ص ۱۲۳)	لازم ہے)۔

یہ چھوٹا سا جملہ امت مسلمہ کا ایک ایسا عقیدہ ہے جس سے آج تک ائمۂ دین اور علمائے امت میں سے کسی ایک نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے۔ یہ بات کوئی امام وقت سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ کسی ملک کی مسلمان آبادی شریعت کے اجتماعی احکام کی مخاطب ہی باقی نہ رہے لیکن اس دور میں غلبۂ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جد وجہد سے راہِ فرار اختیار کرنے کے لیے کچھ ایسے لوگ ضرور موجود ہیں جو خود ساختہ باتیں کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اب سے کچھ پہلے بعض لوگوں نے حدود و تعزیرات کے بارے میں یہ عذر پیش کیا تھا کہ عام مسلمان ان احکام کو نافذ کرنے کے لیے سرے سے مخاطب و مکلف ہی نہیں ہیں بلکہ ان کو

ماہنامہ

زندگی رام پور

جلد :- ۳۵
شمارہ :- ۳

جمادی الاولیٰ ۸۵ھ
ستمبر ۱۹۶۵ء

مدیر :- سید احمد قادری

- خط و کتابت و ارسال زر کا پتہ   منیجر زندگی رام پور - یوپی
- زر سالانہ: چھ روپیہ ــ ششماہی: تین روپیہ ــ فی پرچہ :- ۶۰ پیسے

ممالک غیر :- بارہ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

مالک: جماعت اسلامی ہند - ایڈیٹر: سید احمد عروج قادری - پرنٹر پبلشر: اختر حسن - مطبع: دہلی پرنٹنگ ورکس محلہ بنگلہ آزاد رام پور
مقام اشاعت: دفتر زندگی کوٹھی رام پور یوپی

ماہرین حدیث اٹھ کھڑے ہوئے ـــ اور اپنی زندگیاں اس فتنے کا مقابلہ کرنے میں کھپا دیں۔ وہ گھروں سے نکلے دنوں ہفتوں اور مہینوں کے پیدل سفر کر کے حدیث کے راویوں سے خود ملاقاتیں کیں اور تمام راویوں کے حالات کی چھان بین کی۔ ایک طرف حدیثوں کو سن سن کر ملایا تو دوسری طرف راویوں کے متعلق کھل کر پتہ چلایا کہ وہ لوگ خود کیسے ہیں؟ ـــ ان کی زندگی، ان کا چال چلن، ان کے یاد رکھنے کی طاقت، ان کی سوجھ بوجھ، ان کی دیانت اس درجے کی ہے کہ نہیں کہ انھوں نے وہی کچھ ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا ہو جو کچھ خدا کے رسول کو کہتے ہوئے سنا یا کرتے ہوئے دیکھا ہو؟۔ اس طرح حدیث کے راویوں میں ایک دو نہیں ـ سیکڑوں نہیں ـ ہزاروں نہیں بلکہ ایک لاکھ سے اوپر آدمیوں کے حالات زندگی جمع کیے گئے۔ یہی حدیث کے راویوں کی تاریخ "اسماء الرجال" کا فن کہلاتا ہے۔ اس زبردست تاریخ کے آئینے میں جس راوی پر ذرا سا بھی شبہ ہوا اس کی بیان کی ہوئی حدیث کو صحیح حدیثوں میں سے نکال دیا گیا۔ یہ اسماء الرجال کا فن جو حدیث کی تاریخ کو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی بنانے کے لیے ایجاد ہوا اس کی مثال دنیا کی کسی اور تاریخ میں نہیں ملتی۔

حدیثوں کو جھوٹی اور نقلی حدیثوں سے بچانے کے لیے اس قدر پاپڑ کیوں بیلنے پڑے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود قرآن کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے حدیثوں کی سخت ضرورت ہے۔ خدا کی کتاب کے ساتھ خدا کا ایک رسول اسی غرض سے ہمیشہ ہر دور میں بھیجا گیا کہ وہ خدا کی کتاب کو زبان سے پڑھ جائے، اس کا مطلب سمجھائے اور اس کی باتوں کو اپنے عمل کے ذریعہ پھیلا کر سامنے لائے۔ چنانچہ یہ کام حضورؐ نے پوری طرح کیا۔ قرآن تو دین کی بنیاد ہے۔ اس میں دین کی بنیادی باتیں اور زندگی کے تمام معاملوں میں بنیادی ہدایات ہیں۔ ان بنیادی باتوں کی لفظی اور عملی تشریح حدیث میں ملتی ہے۔ قرآن کی روشنی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کے ۲۳ سال میں گھر، بازار، خاندان، قوم، عدالت، ریاست اور بین الاقوامی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملوں میں جس جس طرح جو کچھ کیا اور کہا وہ سب کا سب حدیثوں میں محفوظ ہے۔ پیغمبر کی پوری زندگی اسی مقصد سے تاریخ نے اس حد تک محفوظ کی ہے کہ گمان نہیں کیا جا سکتا! ـــ ہم جانتے ہیں کہ وہ کس کروٹ سے سوتے تھے بستر سے کس طرح اٹھتے اور اس وقت ان کی زبان پر کیا الفاظ اور کونسی دعا ہوتی ـــ گھر سے باہر چلتے تو کونسا پاؤں نکالتے اور کیا دعا کرتے تھے اور مسجد میں داخل ہوتے تو پہلے کونسا قدم آگے بڑھاتے اور کیا دعا کرتے تھے؟ بولتے تو بات کے مختلف انداز سے کیا ہوتے؟ مسکراتے تو کتنے دانت نظر آتے ـــ چلتے تو چال کیسی لگتی تھی؟ بیٹھتے تو بیٹھنے کے مختلف انداز کیا ہوتے تھے؟ کوئی چیز تقسیم کرتے تو کس ہاتھ کی طرف

سے یہ تقسیم شروع فرماتے تھے ۔ گھر میں ان کا کیا حال تھا ۔ بازار میں کیا اور میدان جنگ میں کیا ؛ وغیرہ وغیرہ مختصر یہ کہ نبوت کی ۲۳ سالہ زندگی کا ایک ایک سانس ۔ خلوت اور جلوت کا ایک ایک رخ ۔ ایک ایک نظر ایک ایک قدم اور ایک ایک عمل اور ایک ایک لفظ لوگ اس طرح اپنے سینوں میں اتار رہے تھے ۔ جیسے سارا زمانہ اس وقت ہر لمحہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تکتے رہنے کے سوا اور کچھ کر ہی نہیں رہا تھا ۔ سچ یہ ہے کہ خدا نے جس طرح اپنی آخری کتاب کو محفوظ رکھنے کے لیے حافظوں کے سینے کھول دیئے تھے اسی طرح اس کتاب کو لانے والے رسول کی زندگی اور اس زندگی میں قرآن کی عملی تشریح کو محفوظ کرنے کے لیے اس زمانہ کے مسلمانوں کو بھی رسولؐ کے زبردست عشق سے سرشار کر دیا تھا ۔ تاکہ رہتی دنیا تک یہ کتاب اور اس کتاب کی عملی تشریح باقی رہے اور جس کا جی چاہے ۔ اس سچائی کے جیتے جاگتے خزانے سے اپنی جھولیاں بھر لے ۔

قرآن کا دعویٰ یہ ہرگز نہیں کہ میں ہی خدا کی پہلی اور اکیلی کتاب ہوں ۔ اس کے برعکس اس کا کہنا تو یہ ہے کہ میں کوئی نئی چیز نہیں ۔ ہر ملک اور ہر زمانے میں خدا نے اپنی کوئی خاص کتاب دے کر اپنا رسول بھیجا اس رسول نے تعلیم دی کہ سب آدمی ایک مرد آدم اور ایک عورت حوا کی اولاد ہیں اور ایک ایسے خدا کے بندے ہیں جس کی خدائی میں کوئی ذرا بھی ساجھی نہیں ۔ اس لیے اے لوگو ! اسی ایک اور زبردست خدا کی پوجا کرو اور زندگی کے ہر معاملے میں اس کی بھیجی ہوئی تعلیم پر عمل کرو ۔ ایسا کرو گے تو دونوں جہاں میں تمہارا بھلا ہوگا ۔ اور مرنے کے بعد تم جنت کے ان سدا بہار باغوں میں بسائے جاؤ گے جہاں نہ کوئی ڈر ہے اور نہ غم لیکن اگر تم نے اس ایک سچے خدا سے ناطہ توڑا یا اس کی خدائی میں کسی کو بھی ساجھی مان کر ایک بڑے خدا کے ساتھ چھوٹے چھوٹے خیالی خداؤں کی پوجا کی تو پھر تمہارا بڑا ہی دکھ بھرا انجام ہوگا ۔ اس دنیا میں چاہے سب کچھ مل جائے مگر دل کا چین ہرگز نہ ملے گا اور اسی دنیا میں دم توڑتے ہی تم دکھ بھرے عذاب میں پکڑ لیے جاؤ گے جس سے چھوٹ کر نکل آنا ممکن نہیں ۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ کی بھیانک آگ ہے ۔ اور یہ ایک بہت ہی برا ٹھکانہ ہے ۔

قرآن کہتا ہے کہ ہر زمانے میں خدا نے یہی پیغام بھیجا تھا لیکن بعد میں لوگوں نے اپنے سب سے بڑے دشمن شیطان کے جال میں پھنس کر خدا کی باتوں کو بدل ڈالا ۔ اور اپنی طرف سے ایسی باتیں گھٹا یا بڑھا دیں کہ جس کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ۔ جب کبھی ایسا ہوا کہ خدا کا اصل پیغام نظروں

سے انجیل بدلنے لگا تو خدا نے دوسرا رسول بھیجا اور دوسری کتاب اتاری ۔ چنانچہ نمونے کے طور پر قرآن نے بعض پہلی آسمانی کتابوں کے نام بھی بتا دیئے مثلاً یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور اتری، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتری تھی۔ سب سے آخر میں خدا نے یہ قرآن اتارا اور اس میں سچائی کا سارا کا سارا پیغام اتار کر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔ اس طرح قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ میں خدا کی آخری کتاب ہوں جس میں نہ کوئی جھوٹ ہے اور نہ کوئی جھوٹ اس میں آگے سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے ۔ اس لیے میری روشنی میں خود اپنی اپنی کتابوں پر نظر ثانی کرو۔ اور توحید کی جو امانت گم ہو گئی ہے اس کو میرے ذریعہ دوبارہ پالو۔ اور خدا کی نازل کی ہوئی تعلیم کے مطابق زندگی گذارنے کے لیے میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ اس لئے کہ میں درحقیقت خود تمہاری ہی کھوئی ہوئی کتاب ہوں ۔

لہٰذا اب ہر قوم اور ہر فرد کا یہ مقدس فرض ہوا کہ سب سے پہلے تو وہ خود ٹھنڈے اور صاف دماغ کیساتھ خود سوچے کہ وہ ایک اور زبردست خدا کا بندہ رہنا پسند کرتا ہے یا چھوٹے چھوٹے بہت سے مصنوعی خداؤں کا ؟ ـــ اگر اس کا دل خود پکار اٹھے کہ بندگی صرف ایک اور سچ مچ کے خدا ہی کی ہونی چاہیئے جسکی بندگی کا قلادہ گردن میں ڈالتے ہی وہ خدا کے سوا ہر شخص اور ہر چیز کی غلامی" سے نجات پا جاتا تو پھر اس کو دیکھنا چاہیئے کہ تمام دنیا کے مذہبی صحیفوں میں وہ کونسی آسمانی کتاب ہے جو خالص توحید کی تعلیم دیتی اور ہر قسم کے شرک سے شدت کیساتھ روکتی ہے ؟ ـــ اگر وہ یہ دیکھے اور یقیناً وہ یہی دیکھے گا کہ قرآن مجید ہی وہ اکیلی کتاب ہے جس میں محض اور خالص توحید کی تعلیم ہے تو پھر اس کو اسی کتاب کو اپنی کھوئی کتاب آسمانی تسلیم کر لینے میں کوئی رکاوٹ ہی باقی نہیں رہنی چاہیئے ـــ ہاں اس کے ساتھ ساتھ اسے خود اپنے یہاں کے صحیفے یا صحائف کا بھی مطالعہ کر کے یہ بات معلوم کرنی چاہیئے کہ اس کتاب میں شرک کے اندر کہیں کہیں دبی ہوئی وہی توحید کی تعلیم کی جھلکیاں ملتی ہیں کہ نہیں ؟ ـ اگر ایسا ہو تو پھر اس بات پر اس کا یقین اپنی آخری انتہاؤں کو چھونے لگا کہ قرآن میں جو تعلیم ہے یقیناً وہی تعلیم اس کے یہاں کی کتاب میں کبھی نہ کبھی بیلاگ اور بے کھوٹ موجود رہی ہوگی ۔ اس لئے کہنا چاہیئے کہ قرآن اس کے لیے کوئی نئی اور اجنبی کتاب ہرگز نہیں ـــ بلکہ اس کی خود اپنی مذہبی کتاب کا صحت نامہ اور تازہ ترین ایڈیشن ہے حیرت ہوتی ہے کہ نہ صرف توریت اور انجیل بلکہ قرآن سے ہزار ہا سال پرانی کتابوں ژند و پاژند اور ویدوں میں بھی ٹھیک اسی توحید خالص کے ایسے صاف اشارے آج بھی ملتے ہیں جن کو قرآن خدا کی اصل تعلیم

اور اصل پیغام قرار دیتا ہے ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس تعلیم توحید کے ہوتے ہوئے اس کے برعکس شرک کی گنجائش کس طرح نکالی گئی ہے ۔؟ خود توریت و انجیل میں توحید خالص کی جھلکیاں مل جاتی ہیں یہ تعجب خیز ہے کہ اولڈ ٹیسٹامنٹ اس حد تک تتر بتر ہوئی کہ اس کے ان ۵۲ حصوں کا سرے سے کہیں پتہ ہی نہیں چلتا جن کے اشارے موجودہ ۳۹ حصوں میں آج بھی موجود ہیں اور جن کا گم ہو جانا خود عیسائیوں کو تسلیم ہے ۔ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۔ ایڈیشن ۱۹۴۷ء ۔ بائبل کے زیر عنوان) لیکن اتنے بڑے حصوں کے تلف ہو جانے کے باوجود غیر توحیدی تعلیمات کے ساتھ ساتھ قرآنی توحید خالص کے آثار کا کسی بھی درجے میں بچ رہنا یقیناً قرآن کے اس دعوے کا اٹ ثبوت ہے کہ بےشک توحید خالص کی تعلیم سارے جہاں کے مذاہب کی اصلی تعلیم رہ چکی ہے ۔ اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ہندوؤں کی مقدس کتابیں ویدوں میں بھی قرآن کی توحید خالص کا پیغام آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے ۔ حالانکہ قرآن اور ویدوں میں زمانے کا اتھاہ فاصلہ ہے ۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہندوستان میں خدا کی کونسی کتاب اتری تھی ۔ ممکن ہے وہ کتاب "وید" ہی ہوں ، ممکن ہے ۔ اور کوئی دوسری کتاب ہو جو اولڈ ٹیسٹامنٹ کے ۵۲ گمشدہ حصوں کی طرح یکسر گم ہو گئی ہو ۔ خود ویدوں کو ماننے والے حضرات بھی تاریخی طور پر ویدوں کے متعلق یہ نہیں معلوم کر سکے کہ یہ کتابیں اگر اتری تھیں تو کب اور کس کے پاس اتری تھیں ؟ ۔۔۔ اس کے باوجود ہم یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں بھی کوئی نہ کوئی آسمانی کتاب لازمی طور سے اتری ہوگی اور یہ کہ ویدوں میں اگر خدا کا نازل کردہ پیغام اترا نہیں ہے تو نقل ضرور ہوا ہے ۔ قانون اور مذہب کے ایک ریسرچ اسکالر مسٹر لکشمی نرسو بی ۔ اے ایل ایل بی نے "IS MOHAMMAD MAHAMATYI ?" نامی جو کتاب لکھی اور جس کو ساہتیہ سیوا سدن نے شائع کیا ہے ۔ وہ کتاب دیکھی جائے تو اس میں قرآن کی توحید خالص کی تعلیم کا سراغ خود گیتا ، ویدوں اور اپنشدوں میں بھی موجود ملے گا ۔ فرق بس اتنا رہے گا ۔ کہ قرآن میں صرف توحید خالص ہے ۔ شرک کی پرچھائیں تک نہیں ، جبکہ اس کے ماسوا مذہبی کتابوں میں توحید بھی ملتی ہے ۔ تو اس کے ساتھ ہی ساتھ توحید کی ضد شرک بھی موجود ملتا ہے ۔ اب وہ لوگ جن کو خدا نے آنکھ اور کان اور دل جیسی نعمتیں دی ہیں خود فیصلہ کریں کہ اس توحید اور شرک میں سے کونسی ایک چیز خدائی تعلیم ہے اور کون سی انسانی اضافہ ؟ ۔۔۔ اس طرح ہر شخص کو یہ حقیقت اگر زبان سے نہیں تو دل سے ماننی ہوگی کہ اس فیصلے کے کرنے میں قرآن نے آخری مدد کر کے سارے جہان کے مذاہب پر کتنا بڑا احسان

کیا ہے!۔

نمونے کے طور پر ہم سناتن دھرم (گیتا۔ انپشد اور ویدوں) کی تعلیمات میں سے محض چند اقتباس ذیل میں پیش کرتے ہیں جن کو ہم نے غیر مسلم دوستوں کی کتابوں میں سے نقل کیا ہے۔

۱۔ خدا کے سوا کسی کو مت پوجو" (رگ وید ۸-۱-۱)

۲۔ وہ ایک ہی ہے۔ اسی کی عبادت کرو"۔ (رگوید ۲۔ ۴۵۔ ۱۶)

۳۔ وہ ایک ہی عبادت کرنے اور پوجنے کے قابل ہے"۔ (اتھروید ۔ ۲-۲-۲)

۴:- وہ جنم نہیں لیتا۔ وہ مرتا نہیں۔ نہ ہی وہ کسی رحم سے جنم لیتا ہے۔ نہ ہی کوئی اور اس سے جنم لیتا ہے۔ وہ "اجا" یعنی جنم نہ لینے والا ہے۔ نیتا سُوتا ہے یعنی ابدی ہے۔ پرانو یعنی قدیم ہے۔

قرآن کی خصوصیات

قرآن کی سب سے بڑی خصوصیت

① قرآن سب سے زیادہ محفوظ اور قابل اعتبار کتاب

یہ ہے اور اس خصوصیت میں دنیا کی کوئی بھی دوسری مذہبی کتاب شریک نہیں کہ آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن دنیا کے سامنے اس اعلان کے ساتھ پیش کیا تھا کہ لو! یہ خدا کی کتاب ہے اور اس کی حفاظت بھی خدا نے اپنے ذمے کر لی ہے۔ اس لئے نہ کوئی اس کو بگاڑ سکتا ہے اور نہ مٹا سکتا ہے۔ بے شک وہی قرآن اس وقت تک جوں کا توں محفوظ چلا آ رہا ہے۔ اور اس میں بلا مبالغہ نہ ایک حرف گھٹایا جا سکا نہ بڑھایا جا سکا۔ اس کتاب کا تاریخی سلسلہ اس کتاب کو لانے والے کے ساتھ اس طرح جڑا ہوا ہے کہ جیسے یہ کتاب ابھی اور اسی وقت پیش کی گئی ہو۔ ہزار ڈیڑھ ہزار سال زمانہ کوئی معمولی مدت نہیں ہے۔ لیکن اس قدر لمبے زمانے نے ہر شئے کو متاثر کیا مگر قرآن زمانے کے تمام اثرات سے بلند اور محفوظ رہا۔ کیسے ڈالا یہ تو کہہ سکتا ہے کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے نہیں آئی۔ اگرچہ ایسی بات کہنے کی کسی کو عقل اجازت نہیں دیتی۔ اس لیے کہ جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر پڑھا لکھا ماننے کو تیار نہیں وہ بھی یہ نہیں کہ معمولی پڑھا لکھا ہے۔ زیادہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکے اور اتنا پڑھا

لکھا انھیں کوئی شخص ثابت نہ کر سکا جتنا قرآن جیسی عظیم الشان اور ہمہ گیر کتاب "تصنیف" کرنے کے لیے ضروری ہونا چاہیے! — تاہم کوئی شخص ان تمام حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کر کے قرآن کے آسمانی کتاب ہونے کا انکار کر سکتا ہے۔ مگر کسی بھی پڑھے لکھے آدمی کو یہ کہنے کی مجال نہیں ہو سکتی کہ یہ وہ کتاب نہیں ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے کچھ کم ڈیڑھ ہزار سال پہلے انسانیت کی گود میں ڈالی تھی۔ اس لحاظ سے خالص تاریخی شواہد کی بنیادوں پر قرآن مجید سب سے زیادہ بھروسے کے قابل کتاب ہے۔

اس کی یہ شاندار حفاظت بھی خدا نے جس عجیب و غریب ڈھنگ سے کی ہے وہ بجائے خود آدمی کو دنگ کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اسی کتاب میں خدا نے ایک ایسی خاص بات رکھی ہے کہ وہ خدا کے ہر بندے کو پورا کا پورا سانی یاد ہو جاتا اور سینے میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ کیا بچہ، کیا بوڑھا۔ کیا مرد، کیا عورت کیا اندھا، کیا سوانکھا — سیکڑوں صفحات اور ہزاروں ہزار الفاظ کی یہ کتاب جو اعلیٰ ترین عربی زبان میں ہے، جس طرح عربوں کو یاد ہو جاتی ہے ٹھیک اتنی ہی آسانی کے ساتھ ایک ہندوستانی، ایرانی، انڈونیشی، افریقی، امریکی، چینی اور جاپانی بچے تک کو زبانی یاد ہو جاتی ہے۔ اور پھر عمر بھر یاد رہتا ہے۔ جی ہاں مطلب سمجھے بوجھے بغیر معنی جانے بغیر دنیا کے ایک بچے کا معصوم ذہن اور ایک بوڑھے کا بھول کا مارا ہوا حافظہ اپنے اللہ کی اس کتاب کو ایک ایک لفظ اور اعراب کے ساتھ اس طرح اپنے دل کی گہرائیوں میں جذب کر لیتا ہے جیسے وہ اسی کے دل پر اتری ہو! — اندھے اس کو دیکھے بغیر محض سن سنا کر یاد کر لیتے ہیں بلکہ کہنا چاہیے کہ اندھے تو خاص طور سے قرآن کے اتنی کثرت سے "حافظ" ملتے ہیں کہ عرف عام میں مسلمان نابینا کو لوگ "حافظ جی" ہی کہہ کر پکارنے لگے :-

۲ قرآن۔ توحید خالص کی کتاب

اس کتاب کی دوسری خوبی جو تنہا اسی میں پائی جاتی ہے اور افسوس کہ دنیا کی کسی دوسری مذہبی کتاب میں باقی نہیں رہی یہ ہے کہ اس کا ہر ہر حرف آدمی کی پیشانی کو آدمی کے ایک ور سچے خالق اور پالنہار کے آگے جھکا دینا چاہتا ہے اور در در کی بھیک مانگنے سے بچا کر ایک ہی زبردست چوکھٹ کا ہو رہنے کے لیے بے تاب کرتا ہے اور تو اور خود خدا کے رسول کے آگے بھی یہ کتاب سجدہ ریز ہونے کی اجازت نہیں دیتی وہ اپنے ہر ماننے والے سے یہ اقرار لیتی ہے کہ وہ خدا کے رسول کو بھی خدا کا غلام اور خدا کا رسول ہی تسلیم کرے گا اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ یہ کتاب خدا کی یکتائی اور خدائی شان کے بیان سے اس قدر بھری ہوئی ہے کہ جو شخص قرآن کو سچے دل سے اپنا لے وہ خدا کے سوا کسی اور کی

تو کیا خود اپنی خواہشات کی پوجا کرنے کے خیال ہی سے لرز اٹھتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں خدا کی صفات کا اس قدر پھیلاؤ اور جامعیت کے ساتھ بیان ہے کہ آدمی خدا کی کسی شان اور کسی صفت کو خدا کے سوا کسی بھی چیز یا کسی بھی ہستی میں مان کر خدا کی خدائی میں کسی بھی دوسرے کو ساجھی قرار دے ہی نہیں سکتا۔ ہر چند سطروں کے بعد بات کی مناسبت سے خدا کی کوئی نہ کوئی صفت بیان ہوتی ہے۔ مختلف واقعات رہ رہ کر مختلف انداز سے دہرائے جاتے ہیں۔ زمین و آسمان اور حیات و کائنات کی جو چیزیں خدا کی ایکتا اور خدا کی تنہا خدائی کا کوئی گہرا ثبوت اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں یہ کتاب ان کی قسم کھا کر گویا ان کو گواہی میں پیش کرتی ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کی سچی کہانیاں سنا کر یہ بات رہ رہ کر۔ پلٹ پلٹ کر سمجھائی جاتی ہے کہ ایک اور حقیقی خدا سے کٹتے ہی اور جھوٹے خداؤں سے جڑتے ہی آدمی زندگی سے کٹتا اور ہلاکت و بربادی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جڑ جاتا ہے۔

یہی راز ہے کہ مسلمانوں میں دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی اور جو کچھ آیا ہو مگر ٹھوس بت پرستی ہرگز اور کبھی نہیں آسکی۔ جس طرح تاریخ بتاتی ہے کہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے خود مذہبی رہنماؤں کے حکم کی خلاف ورزی کر کے ان کے بت بنا لیے۔ گوتم بدھ جی کی مثال سامنے ہی ہے کہ جس تاریخ میں یہ بات موجود ہے کہ انھوں نے اپنی مورتی بنانے اور پوجنے سے سختی کے ساتھ روکا تھا اور "ہین یان فرقہ" اس بات کو مانتا بھی رہا، وہاں اسی تاریخ میں یہ بات بھی درج ہے کہ مہایان فرقہ کی بھاری اکثریت نے گوتم بدھ صاحب کے بت ڈھال لیے اور ان کی پوجا شروع کر دی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس طرح کی بڑی گڑبڑی قرآن کے ماننے والوں کے ساتھ پیش نہیں آئی۔ یہ تو ہوا کہ قرآن و حدیث سے کوسوں دور ہٹ جانے اور دوسری قوموں کے رنگ میں رنگ جانے کے بعد بعض مسلمان فرقوں نے خدا کی کچھ صفات کو کھینچ تان کر کے خدا کے رسول اور ولی، بزرگوں کے ساتھ جوڑ بٹھا لیا اور پھر ان بزرگوں کی قبروں کے گرد میلے لگائے، ہاتھ پھیلائے اور پوجا تو نہیں ادب کے طور پر سر بھی جھکا دیا۔ اس لیے کہ خدا کی صفات کا غیر خدا سے جوڑ بٹھاتے ہی کسی نہ کسی درجے میں شرک کا بھیانک روگ لاگو ہو جاتا ہے۔ مگر اسلام سے اس قدر دور ہٹ جانے والے مسلمان بھی یہ جرأت نہیں کر سکے کہ ان بزرگوں کے بت ڈھال لیں اور ان کی پوجا پاٹھ شروع کر دیں۔ وہ قبروں کے آگے بھی جھکے تو یہ کہتے ہوئے جھکے کہ ہم ان کو پوج نہیں رہے بلکہ ادب کے طور پر جھک رہے ہیں۔ قرآن کی توحید

خالص کی تعلیمات کی گرفت اتنی سخت ہے کہ قرآن سے اس قدر دور جا پڑنے والوں کو بھی بت پرستی کی ہمت نہیں ہو سکی۔

③ قرآن مکمل ترین تصورِ آخرت کی طرف کھینچنے والی واحد کتاب

قرآن کی تیسری خوبی جس میں کسی حد تک توریت شریک ہے ورنہ بہت سی مذہبی کتابیں تو اس خوبی سے محروم ہی ہو چکیں یہ ہے کہ وہ موت کے بعد اس نئی دنیا میں انسان کے اٹھائے جانے اور سزا و جزا پانے کی آخری تصویر کھینچتا ہے جس کا نام اس کی زبان میں "آخرت" ہے۔ ظاہر ہے وہ ایک ایسی دنیا ہے جس کی اصل حقیقت آدمی یہاں اسی دنیا میں بیٹھ کر عقل اور حواس کے ذریعے سمجھنے سے کچھ اسی طرح بے بس ہے جس طرح ماں کے پیٹ میں بند پڑا ہوا بچہ ماں کے پیٹ سے باہر کی اتنی بڑی دنیا کا تصور تک کرنے سے معذور ہو سکتا ہے۔ قرآن میں آدمی کے بنانے والے نے آدمی کو کس عجیب و غریب طرزِ استدلال اور کیسے دل نشیں طریقہ سے اس آنے والی ان دیکھی دنیا کا عقیدہ دیا ہے۔ بس یہ چیز دیکھنے کی ہے، کہنے سننے والی بات ہی نہیں۔ وہ نہ آدمی کے دماغ کو فلسفے کے آسمانوں میں اڑاتا ہے اور نہ زمین کی تہ میں اترنے پر مجبور کرتا ہے۔ بلکہ انسان کے اندر اور باہر اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی کائنات کی طرف اشارے کر کے اسی دنیا کو آنے والی زندگی اور آنے والی دنیا کا ایک جیتا جاگتا ثبوت بنا دیتا ہے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ اس کا طرزِ استدلال باہر کی طرف سے کوئی چیز اندر داخل کرنے کے بجائے آدمی کی عقل اور جذبات دونوں کو اس طرح چھیڑتا ہے کہ خود آدمی کے اندر آخرت کا سویا ہوا عقیدہ اس طرح جاگ اٹھتا ہے جیسے کسی کو کوئی بھولی ہوئی بات اچانک یاد آ جائے ۔ وہ مضراب کی طرح زندگی کے تاروں کو چھیڑتا ہے۔ اور اصل نغمہ خود اس زندگی کے ساز ہی سے پیدا ہونے لگتا ہے پھر یہ طرزِ استدلال بیک وقت انتہائی سادہ اور سامنے کا بھی ہوتا ہے اور انتہائی گہرا بھی۔ تاکہ ہر سطح کا آدمی اپنی عقل و دانش کے مطابق ان حقائق کی تہ میں گہرا اتر سکے۔ اس طرزِ استدلال میں اس نے بےشک اسی طریقہ سے کام لیا ہے جس کا استعمال ان دیکھی چیز کو سمجھانے کے لیے واحد طریقہ ہے یعنی تمثیلی انداز۔ اس طرح آدمی کو اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی اور خود اپنے اندر چھپی ہوئی چیزوں ہی کی مدد سے آخرت پر ایمان لانا آسان، اور اس کی کشش کو پوری قوت سے محسوس کرنا بالکل فطری اور سہل ہو جاتا ہے۔

قرآنی عقیدۂ آخرت کا نچوڑ یہ ہے کہ یہ دنیا تمہاری امتحان گاہ ہے ۔ آخرت کی کھیتی ہے ۔ یہاں تم درحقیقت محض بونے کے لیے آئے ہو تاکہ جو کچھ بو رہے ہو آخرت میں اسی کی فصل کاٹو ۔ اس دنیا میں عمل تو پورا کا پورا ہے مگر پوری سزا و جزا نہیں ۔ یہاں نیکی کرنے میں دکھ بھی اٹھانا پڑتا ہے اور برائی کر کے تھوڑی دیر کو مزے بھی اڑائے جا سکتے ہیں ۔ اس لیے ایک ایسی دنیا آنے والی ہے جہاں ذرہ ذرہ نیکی اور بدی سامنے آجائے گی ۔

کبھی اس دنیا میں بدی کی دکھ بھری سزاؤں کا ذکر کر کے اور کبھی نیکی اور قربانیوں کے عظیم الشان انعامات کی خبریں سنا کر اللہ نے اس کتاب میں آدمی کے ڈر اور امید کی دونوں قوتوں کو انتہائی موثر انداز میں چھیڑا ہے اور اس طرح اس عقیدے کو ایک خیال اور تصور کے بجائے گوشت پوست کی زندگی کا ایک جیتا جاگتا ٹکڑا بنا کر رکھ دیا ہے ۔ ایسا زندہ عقیدہ کہ اس عقیدے پر پورے ہوش و حواس کی درستگی کے عالم میں لاکھوں انسانوں نے بے جھجک بڑھ بڑھ کر پوری دنیا اور ساری زندگی نثار کر ڈالی ۔

چونکہ عقیدۂ آخرت درحقیقت مذہب کا وہ بنیادی عقیدہ ہے تنہا جس کے ذریعہ آدمی اس دنیا کے مایا جال سے نجات پا سکتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ جس دنیا میں وہ خوابوں کا گھر بنانا چاہتا ہے یہ دنیا آنی جانی ہے ۔ یہاں نہ وہ اس سے پہلے کبھی آیا نہ ہمیشہ رہے گا اور نہ مرنے کے بعد کبھی دوبارہ واپس آئے گا ۔ محض اسی مکمل عقیدے کے بعد یہ ممکن ہے کہ آدمی اس دنیا کی محبت کے بندھنوں سے نکل کر آنے والی دنیا کے سفر کی تیاریاں پوری یکسوئی اور بڑی سے بڑی قربانی کے ساتھ جاری رکھ سکے ۔ اس لیے عقیدۂ آخرت کی بنیادی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اللہ نے محض نظری طور سے آخرت کو دلائل اور مثالوں ہی سے سمجھانے پر بس نہیں کیا بلکہ قرآن اسی دنیا کی تاریخ کے چند ایسے سچے اور عجیب واقعات بھی سناتا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے اس دنیا میں آدمی کو دوبارہ زندہ کیے جانے کا تجربہ کر کے آخرت کی حقیقت کو سر کی آنکھوں سے بھی دکھا دیا ہے اور یہ بات بخوبی سمجھا دی کہ ۔

۱ ۔ گناہوں کا انجام دکھ ذلت اور پشیمانی ہے ۔

۲ ۔ مرنے کے بعد آدمی کو ایک نئی دنیا میں نئی زندگی دینا اللہ کے لیے بالکل آسان بات ہے ۔

چنانچہ قرآن میں چند ایسے پاپیوں کی مثال بھی دی گئی ہے جن کی شکلیں ان کے گناہوں کے نتیجے میں بگاڑ کر بندروں جیسی بنا دی گئی تھیں اور ایسی بھی مثالیں موجود ہیں جن میں خدا نے اپنے نبی کے ذریعے اپنی قدرت کا تماشا کرایا کہ اس نبی (مثلاً عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا " قُم بِاِذنِ اللہ " (خدا کے حکم سے کھڑا ہو جا) اور وہ لاش زندہ

زندہ ہو گئی ۔

یہ واقعات جن کا قرآن میں ذکر موجود ہے درحقیقت اس بات کے عملی تجربے اور عملی ثبوت کے طور پر پیش کیے گئے تھے کہ تمام انسانوں کو اسی طرح مرنے کے بعد دوسری دنیا میں دوبارہ جی اٹھنا اور رہنا ہے۔ پورا پورا اہل ہو گیا ہے ۔ اب یہاں سے یہ بات سمجھ لینا بھی کچھ مشکل نہیں ہے کہ دنیا کے بعض مذاہب میں آواگون کا شبہہ کیوں اور کیسے پیدا ہوا ہو گا اور آخرت کا عقیدہ سمجھانے کے لیے جو واقعات پیش ہوئے ان کے معنی غلط نکال کر آخرت کے عقیدے کو تناسخ اور آواگون کے روپ میں کس طرح تبدیل کیا گیا ہو گا ۔ اگر تناسخ کا عقیدہ آخرت کے عقیدے کی بگڑی ہوئی شکل ہے تو کہنا چاہیے کہ دنیا کی ہر مذہبی کتاب میں اس عقیدے کے اشارے ملتے ہیں بس فرق اتنا ہے کہ قرآن میں (بشرطیکہ کوئی پورا قرآن پڑھ کر پوری بات سمجھنا چاہے) اس شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی گئی کہ آخرت کا عقیدہ آواگون کے عقیدے میں خلط ملط ہو کر رہ جائے ۔

بعض غیر مسلم حضرات نے اس بات کا بھی جی بھر کر مذاق اڑایا ہے کہ اسلام کی کتاب قرآن میں جنت کی جن نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں "حور" اور "شراب" جیسی چیزوں کا بھی نام ہے ۔ گویا اس طرح یہ حضرات جنت کی حور کو "دنیا کی عورت" اور جنت کی پاک شراب کو دنیا کی ناپاک شراب مان کر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسلام تو آدمی کو جنسی عیاشی کے پھسلاوے دیتا ہے ۔ ان تکلیف دہ الزامات کے جواب میں سوائے اس کے اور کیا عرض کیا جائے کہ یہ حضرات یہ خطرناک بات اس اسلام اور قرآن کے متعلق کہہ رہے ہیں جو کسی غیر عورت کی طرف بری نظر ڈالنے کو بھی آنکھ کا زنا قرار دیتا ہے اور سختی سے حکم دیتا ہے کہ " ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں نیچی نظریں رکھیں" اور یہ بات وہ اس اسلام کے بارے میں کہہ رہے ہیں جس نے شراب کو نہ صرف یہ کہ ایک جرم قرار دے کر اس پر کوڑوں کی سزا رکھی بلکہ قرآن میں شراب کی ممانعت آتے ہی یہ بھی ہوا کہ اس زمانے کے مسلمانوں نے اسی دم جام و مینا توڑ ڈالے اور پھر ہمیشہ کے لیے نالیوں میں بہتی ہوئی اس سماج سے دور چلی گئی بلکہ کہنا چاہیے کہ دنیا کی تاریخ میں صرف اسلام نے چٹکی بجاتے شراب جیسی لعنت کو پورے سماج سے نکال باہر کیا اور اس طرح شراب بندی کا واحد شاندار ریکارڈ ہمیشہ کے لیے قائم کر دیا ۔

غالباً یہ غیر مسلم اعتراض کرنے والے ایک مسلمان کو اتنی شکایت کا حق ضرور دیں گے کہ آپ لوگ دنیا کے ادب عالیہ میں عورت اور شراب کے الفاظ کا استعمال بکثرت ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو بڑی خوشی اور معقولیت کے ساتھ یہ رائے قائم رکھ سکتے ہیں کہ ہمارے خلاف پسندیدہ اونچے اور [illegible] دیجیے (باقی ص ۶۴ پر)

وصیتِ صغریٰ

مترجمہ جناب محمد حمید اللہ صاحب

ابوالقاسم مغربی کا سوال اور حضرت امام ابن تیمیہ کا جواب

الشیخ الامام، سلف کی یادگار اور خلف کے مقتدا اور بلادِ مشرق و مغرب میں جن شخصیتوں سے مجھے ملاقات کا شرف حاصل ہے ان میں سب سے ممتاز عالم، تقی الدین ابوالعباس احمد ابن تیمیہ ازراہِ نوازش مجھے ایسی وصیت فرمائیں جس میں میرے لیے دین و دنیا کی بہتری ہو اور ایک ایسی کتاب کی نشان دہی کر دیں جس میں حدیث اور دوسرے شرعی علوم کی بابت اعتماد کر سکوں۔ نیز یہ بھی واضح فرمادیں کہ واجبات کے بعد بہترین اعمال صالحہ کیا ہیں اور میرے لیے بہترین معیشت کیا ہو سکتی ہے۔ یہ ساری باتیں اختصار کے ساتھ مطلوب ہیں۔ اللہ ان کو اپنی حفاظت میں رکھے اور ان پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔

جواب

الحمد للہ رب العلمین ــــ ساری تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو ساری مخلوقات کا پالنے والا ہے۔ وصیت کی بابت میں یہ عرض کر دوں کہ اللہ اور اس کے رسول کی وصیت سے زیادہ مفید کوئی وصیت نہیں ہے۔ بشرطیکہ انسان اس کو سمجھے اور پھر اسی کے مطابق عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ	ہم نے تم کو اور ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی یہ حکم دیا تھا کہ تم خدا سے ڈرتے رہنا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ کو یمن بھیجا تو یہ وصیت کی۔

یا معاذ اتق اللہ حیثما	اے معاذ! تم جہاں کہیں بھی رہو اللہ سے
کنت واتبع السیئۃ الحسنۃ	ڈرتے رہو اور جب بھی کوئی برائی سرزد ہو جائے فوراً
تمحہا وخالق الناس بخلق	اس کے بعد نیکی عمل کرو تاکہ وہ برائی کو زائل کر دے
حسن	اور لوگوں سے حسن اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت معاذؓ کی بڑی عزت و منزلت تھی اس کا پتہ خود حضورؐ کے اس قول سے ملتا ہے :-

یا معاذ! واللہ انی لاحبک	اے معاذ! خدا کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں

اور یہی وجہ ہے کہ حضورؐ اکثر انہیں سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا کرتے تھے۔ ان کی بابت یہ روایت بھی ہے کہ امت میں حلال اور حرام کا سب سے زیادہ علم ان کو ہے اور وہ میدان حشر میں علماء سے ایک قدم آگے ہوں گے۔ ان کی فضیلت اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ نبیؐ نے انہیں اپنی طرف سے اہل یمن کے لیے مبلغ، داعی، فقیہ، مفتی اور حاکم بنا کر بھیجا۔

علاوہ بریں نبیؐ ان کی تشبیہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے دیا کرتے تھے اور ابراہیمؑ انسانوں کے امام ہیں حضرت ابراہیمؑ سے مشابہت کی بنا پر حضرت ابن مسعود کہا کرتے تھے کہ :-

ان معاذا کان امۃ قانتا	بے شک معاذ (لوگوں) کے امام اور (خدا کے)
للہ حنیفا ولم یک من المشرکین	فرماں بردار تھے جو خدا کی اطاعت میں یکسو اور مشرکوں میں سے نہ تھے

جب نبی نے انہیں مذکورہ بالا وصیت فرمائی تو انھوں نے اسے جامع سمجھا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ وصیت ہر سوجھ بوجھ رکھنے والے انسان کے لیے جامع ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ قرآنی وصیت کی تفسیر بھی ہے۔

اس کی جامعیت کی شرح یوں ہے کہ بندے پر دو طرح کے حقوق ہیں۔ پہلا اللہ عزوجل کا حق اور دوسرا اس کے بندوں کا حق۔ ان حقوق کی ادائیگی میں بندے سے لازماً اس طور سے کوتاہی ہو جایا کرتی ہے کہ کبھی تو وہ ایسے حکم کو ترک کر دیتا ہے جس کو بجا لانا اس کے لیے واجب قرار دیا گیا ہے اور کبھی ایسے کام کر گزرتا ہے جس سے اس کو روکا گیا ہے۔ پس نبیؐ نے فرمایا :-

اتق اللہ حیثما کنت	جہاں کہیں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو

اور یہ جملہ بہت ہی جامع ہے۔ نبیؐ کے قول کے جز (حیثما کنت) میں اس بات پر تاکید ہے کہ بندہ کھلے اور

جیسے ہر حال میں تقوے کا محتاج ہے۔ پھر فرمایا:۔

واتبع السیئۃ الحسنۃ — برائی سرزد ہوجانے پر فوراً نیکی کر دو،

تمحہا — برائی کو مٹا دے گی

کیونکہ جب مریض کوئی مضر چیز کھا لیتا ہے تو طبیب اس کے لیے کوئی ایسی چیز تجویز کرتا ہے جو اس کی مضرت کو دور کر دے اور بندے سے گناہ کا سرزد ہوجانا بشریت کا تقاضا ہے پس دانا وہ ہے جو نیکیاں کرتا ہے جو اس کی برائیوں کو مٹا دیا کرتی ہیں۔ اور حدیث میں "السیئۃ" اگرچہ مفعول ہے مگر اسے پہلے رکھا گیا ہے کیونکہ یہاں مقصود اس کو مٹانا ہے نہ کہ عمل نیک۔ پس یہ اسی طرح ہے جیسا کہ نبی کا قول اعرابی کے بول کی بابت ہے

صبوا علیہ ذنوبا من ماء — اس پر ایک ڈول پانی بہا دو

مگر یہ ضروری ہے کہ جس قسم کی برائی سرزد ہو اسی قسم کی نیکی کی جائے تاکہ وہ اس کی مضرت کو ختم کرنے میں دور رس ثابت ہو

گناہوں کے انجام سے بچانے والی چیزیں

جو چیزیں گناہوں کے انجام بد سے بچانے والی ہیں ان میں پہلی چیز "توبہ" ہے اور دوسری چیز استغفار ہے۔ اگرچہ وہ بغیر توبہ کے ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بندہ جب مغفرت چاہتا ہے تو اس کی دعا کو سن کر اسے بخش دیتا ہے اگرچہ بندے نے توبہ نہ کی ہو۔ اگر توبہ و استغفار ایک ساتھ ہو تو یہ بہترین شکل ہے۔

تیسری چیز جو گناہوں کا کفارہ بن جایا کرتی ہے وہ اعمال صالحہ ہیں۔ کفارے دو طرح کے ہوتے ہیں متعین کفارے اور مطلق کفارے۔ متعین کفارے کی مثال یہ ہے کہ ظہار کرنے والا یا رمضان میں جماع کرنے والا یا حج میں بعض ممنوعات کا مرتکب یا اس کے بعض واجبات کا تارک یا شکار کرنے والا ہر ایک کے لیے الگ ایک متعین کفارہ ہے اور یہ کفارے چار قسم کے ہیں۔ جانور کی قربانی، غلام کا آزاد کرنا اور صدقہ اور روزہ۔ اسی طرح کچھ مطلق کفارے ہیں جیسا کہ حضرت حذیفہؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:۔ "انسان کی آزمائش اس کی بیوی، مال اور اولاد میں ہے۔ اور اس کا کفارہ نماز، روزہ، صدقہ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہیں۔ اس بات پر قرآنی آیات اور صحیح احادیث بھی دلالت کرتی ہیں جن میں پنجگانہ نمازوں، جمعہ، صیام، حج اور ایسے سارے اعمال کو کفارے کے طور پر بیان کیا گیا ہے جن کی بابت یہ کہا گیا ہو کہ جس نے ایسا کیا یا ایسا کیا وہ بخش دیا گیا یا اس کے سارے گناہ بخش دیے گئے۔ اور یہ مذکورہ بالا چیزیں کثرت سے احادیث نبویہ میں بالخصوص

فضائل اعمال کے باب میں کسی بھی متلاشی کو مل سکتی ہیں۔

جان لو کہ مذکورہ بالا چیزوں کی طرف توجہ انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ کیونکہ انسان سن شعور کے وقت سے اہل علم اور دین دار لوگوں کے درمیان پروان چڑھنے کے باوجود جاہلیت کی بہت ساری چیزوں میں ملوث ہو جایا کرتا ہے تو پھر اس کا حشر ایسی سوسائٹی میں کیا ہوگا جس میں اسے اہل علم اور دین دار لوگوں کی صحبت میسر نہ ہو خصوصاً آج کل کے دور میں اور ایسے درمیانی ادوار میں جو بعض اسباب کی بنا پر دورِ جاہلیت سے مماثل ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابو سعید کی حدیث ہے جس میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

لتتبعن سنن من كان قبلكم	تم اپنے سے اگلوں کے طریقے کی پیروی
حذو القذة بالقذة حتى لو	اس طرح قدم بقدم کروگے کہ اگر وہ بجو کے بل
دخلوا جحر ضب لدخلتموه قالوا	میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی داخل ہو جاؤ گے
يا رسول الله اليهود والنصارى	صحابہ کرام نے دریافت کیا اے رسول خدا کیا اگلوں
قال: فمن؟	سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ حضورؐ نے جواب
	دیا تو پھر کون؟

یہ ایسی خبر ہے جس کی تصدیق باری تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ	پس تم اپنے حصے سے اسی طرح لطف اندوز
كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ	ہوئے جس طرح تمہارے اگلے اپنے حصے سے لطف اندوز
قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ	ہوئے تھے اور جس طرح وہ باطل میں ڈوبے رہے
كَالَّذِي خَاضُوا	اسی طرح تم باطل میں ڈوبے رہے۔

علاوہ ازیں صحیح اور حسن احادیث میں بھی اس کے بہت سے شواہد مل سکتے ہیں۔ مذکورہ بالا صورت حال ایسی ہے جس میں خاص طور سے دین سے نسبت رکھنے والے گرفتار ہیں۔ جیسا کہ ابن عیینہ اور دوسرے اسلاف کا قول ہے کہ یہود کے اکثر احوال ایسے ہیں جن میں بعض وہ افراد بھی گرفتار ہیں جن کا شمار دین داروں میں ہوتا ہے اس حقیقت کو ہر وہ شخص جانتا ہے جو اللہ کے رسول کے لائے ہوئے دین کا فہم رکھتا ہے اور اسے لوگوں کے

احوال پر منطبق کرتا ہے۔

جب حقیقت حال یہ ہے تو اس شخص کے لیے جس کو یہ سعادت حاصل ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور اس طرح اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور ہدایت مل چکا ہو یا اس شخص کے لیے جو کبھی نور ہدایت سے محروم رہا ہو پھر اللہ تعالیٰ نے اسے علم و عرفان کی زندگی بخشی ہو یہ ضروری ہے کہ وہ جاہلیت کے احوال اور دو ملعون اور گمراہ امتوں یعنی یہود و نصاریٰ کے راستوں پر غور و خوض کرے۔ اس غور و خوض کے نتیجے میں وہ فوراً جان لے گا کہ ان میں سے بعض چیزوں میں خود اس کی بھی آزمائش ہے پس عوام اور خواص کے لیے سب سے مفید چیز اس بات کا علم ہے جو انسانوں کو ان علتوں سے بچا سکے اور وہ یہ ہے کہ برائیوں کے سرزد ہو جانے پر فوراً نیکیاں کی جائیں اور نیکیوں میں وہ ساری چیزیں داخل ہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اعمال، اخلاق اور صفات کے ضمن میں دیا ہے۔

گناہوں کے انجام سے بچانے والی چوتھی چیز

انسانوں پر نازل ہونے والی مصیبتیں بھی گناہ کے انجام کو زائل کر دیا کرتی ہیں کیونکہ وہ گناہوں کا کفارہ بن جایا کرتی ہیں اور اس زمرے میں وہ ساری چیزیں داخل ہیں جن سے انسان کو تکلیف پہنچتی ہے جیسے رنج و غم، ہتکِ عزت، مالی نقصان اور جسمانی تکلیف وغیرہ ــــ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس بات کی وضاحت کر دی کہ اللہ کے حق کی ادائی عمل صالح اور خرابیوں کی اصلاح میں مضمر ہے تو یہ فرمایا:۔

خالق الناس بخلق حسن — انسانوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ

اور یہی انسانوں کا حق ہے۔

حسنِ اخلاق کا مظاہرہ

لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا یہ ہے کہ جو تم سے کٹے تم اس سے سلام، اکرام، دعا، اس کے لیے استغفار اور اس کی تعریف اور اس سے ملاقات کے ذریعہ جڑو اور جو تمہیں علم نفع اور مال سے محروم کر دے تم اسے دو اور تم اس کو معاف کر دو جس نے تمہارے اوپر مال آبرو یا دیت کے معاملے میں ظلم کیا ہے ان میں سے بعض چیزیں تو واجب ہیں اور بعض مستحب۔

خلق عظیم

وہ خُلقِ عظیم جس سے اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو متصف قرار دیا ہے مکمل دین ہے جو اللہ کے تمام مطلق اوامر پر حاوی ہے یہی رائے مجاہد اور دوسروں کی ہے اور یہی قرآن کی تاویل ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا (کان خلقه القرآن) آپ کا اخلاق قرآن تھا۔

اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو پسند فرماتا ہے اس کو انشراح صدر اور طیب خاطر کے ساتھ بجا لایا جائے ۔

مذکورہ بالا ساری باتیں اللہ کی وصیت میں داخل ہیں کیونکہ تقویٰ اللہ کا اسم ان تمام افعال پر مشتمل ہے ن کا حکم اللہ نے وجوب کے درجے میں یا استحباب کے درجے میں دیا ہے اور جن چیزوں سے اس نے تنزیہاً یا تحریماً ...کا ہے اس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سبھی آجاتے ہیں لیکن کبھی تقوے سے مراد عذاب کا وہ خوف ہوتا ہے جو انسان کو حرام چیزوں سے روک دیا کرتا ہے جس کی تشریح حضرت معاذؓ کی حدیث میں آچکی ہے اور جس کی وضاحت حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں بھی موجود ہے جس کی روایت امام ترمذیؒ نے کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے ۔

قیل یا رسول اللہ ما اکثر ما یدخل الناس الجنۃ ؟ قال تقوی اللہ وحسن الخلق قیل : وما اکثر ما یدخل النار ؟ قال : الاجوفان ـ الفم والفرج ـ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اے رسول خدا وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے لوگ کثرت سے جنت میں داخل ہوتے ہیں حضور نے فرمایا تقویٰ اور حسن اخلاق ۔ پھر پوچھا گیا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے لوگ کثرت سے دوزخ میں داخل ہوتے ہیں ۔ ارشاد ہوا ۔ دو خلائیں ۔ منہ اور شرم گاہ ۔

اور صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں روایت کرتے ہیں : ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ـ اکمل المومنین ایمانا احسنہم خلقا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان والوں میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جو سب سے زیادہ با اخلاق ہو ۔

پس ایمان کے کمال کو حسن اخلاق کے کمال پر موقوف قرار دیا گیا اور یہ ظاہر ہے کہ ایمان پورے کا پورا اللہ کا تقویٰ ہے ۔ چونکہ تقویٰ اکمل دین ہے اس لیے اس کے کلیات و جزئیات کی تفصیل بیان ممکن نہیں ۔ لیکن یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ انسان کی ہر قسم کی فلاح اس بات میں ہے کہ وہ صرف اپنے رب کی عبادت کرے اور اس سے مدد چاہے جیسا کہ ذیل کے ارشاد باری تعالیٰ سے ظاہر ہے ۔

ایاک نعبد وایاک نستعین — ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے

فاعبدہ وتوکل علیہ۔ علیہ — مدد چاہتے ہیں پس اسی کی عبادت کرو اور اسی پر تکیہ کرو

توکلت والیہ انیب — میں نے اسی پر تکیہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں

فابتغوا عند اللّٰہ الرزق و — اور اللہ سے روزی طلب کرو، اسی کی عبادت

اعبدوہ واشکروا لہ — کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔

مذکورہ بالا کیفیات اسی وقت حاصل ہو سکتی ہیں جبکہ بندہ مخلوق سے اپنے اس قلبی تعلق کو جو اسے ان سے کوئی فائدہ حاصل کرنے یا ان کی خوشنودی کے لیے کوئی کام کرنے کے نتیجے میں ہوتا ہے ختم کرکے اپنے رب کو اپنا مقصود بنالے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ فاقہ، خوف وہراس اور دوسری تمام حالتوں میں اپنی مراد ہمیشہ اسی اللہ سے مانگے اور اس کی پسندیدہ چیزوں کو صرف اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے انجام دے۔ جب وہ یقین وعمل کے اس درجہ میں پہنچ جائے گا تو اللہ اسے ایسا عظیم اجر عطا فرمائے گا جو دائرۂ بیان میں نہیں آسکتا۔

واجبات کے بعد بہترین اعمال فرائض کے بعد تفصیلی طور پر بہترین اعمال کی نشان دہی کا سوال ایسا ہے جس کا جواب مختلف انسانوں کے معاملہ میں مختلف ہوگا۔ اس لیے کہ انسانوں کے احوال ان کی قدرت اور فراغت کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے اوامر کا علم رکھنے والوں کے نزدیک یہ بات اجماع کی حد تک پہنچ چکی ہے کہ اللہ کے ذکر کی ہمیشہ پابندی بندے کے لیے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جس میں وہ اپنے آپ کو مشغول رکھتا ہے۔ اس پر حضرت ابوہریرہؓ کی وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کی روایت امام مسلم نے کی ہے۔

سبق المفردون قالوا — مفردون بازی لے گئے۔ صحابہ کرامؓ نے

یارسول اللّٰہ وما المفردون؟ — پوچھا اے رسول خدا مفردون کون لوگ ہیں

قال الذاکرون اللّٰہ کثیراً — حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے

والذاکرات۔ — والے مرد اور عورتیں۔

اور اس حدیث نے جس کی روایت امام ابوداؤد نے کی ہے حضرت ابوالدرداءؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:-

الا أنبئكم بخير اعمالكم	کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتادوں جو تمہارے
وازكاها عند مليككم	سارے اعمال میں سب سے اچھا، تمہارے خدا کے
وارفعها في درجاتكم وخير لكم	نزدیک سب سے زیادہ پاک اور تمہارے درجات کو
من اعطاء الذهب والورق و	سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہے اور جو اس سے
من ان تلقوا عدوكم فتضربوا	بہتر ہے کہ تم (راہ خدا میں) سونا اور چاندی خرچ
اعناقهم ويضربوا اعناقكم	کرو نیز اس سے بھی بہتر ہے کہ تم اپنے دشمنوں کے
قالوا: بلى يا رسول الله	مقابلہ میں آؤ پھر تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری
قال ذكر الله	صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کیوں نہیں اے رسولِ
	خدا۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کا ذکر۔

اللہ کے ذکر کی یہ اہمیت مشاہدہ، نقل اور عقل پر مبنی بیشتر قرآنی و ایمانی دلائل سے بھی واضح ہے اور اس کا سب سے کم تقاضا یہ ہے کہ بندہ ان دعاؤں کی پابندی کرے جو معلم الخیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں جیسے دن کی ابتدا اور انتہا کے وقت کی دعائیں، سونے کے وقت کی دعا، سو کر اٹھنے کی دعا، نمازوں کے فوراً بعد کی دعا اور متعینہ اذکار جیسے کھانے اور پینے کے وقت، لباس پہننے کے وقت، جماع کے وقت، مکان، مسجد اور بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت، بارش ہونے اور بجلی کے چمکنے کے وقت اور اسی طرح دیگر مواقع پر کیا کہا جائے۔ اس ضمن میں دن اور رات کے اعمال کے عنوان سے کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں۔

پھر مطلق ذکر کی پابندی کرنی چاہیے اور اس میں سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ ہے اور کبھی ایسے حالات بھی ہوتے ہیں جن میں دوسرے ذکر جیسے سبحان اللہ، والحمد للہ، واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ لا الٰہ الا اللہ سے افضل شمار کیے گئے ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ ہر وہ چیز جو خدا سے قریب کرنے والی ہو ذکر میں داخل ہے چاہے وہ علم کا سیکھنا یا سکھانا ہو، یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہو یا صرف ایسی چیز ہو جس کا زبان سے تذکرہ کیا گیا ہو، یا دل میں تصور کیا گیا ہو۔

علم کے تعلیم و تعلم میں مشغولیت سب سے افضل ذکر ہے مذکورہ بالا تشریح کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی

کہ اگر کوئی شخص فرض کی ادائیگی کے بعد کوئی مفید علم حاصل کرنے میں لگتا ہے یا ایسی مجلس میں بیٹھتا ہے جس میں وہ اس فہم دین کو خود سیکھتا ہے یا دوسروں کو سکھاتا ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے فقہ قرار دیا ہے تو یہ بھی سب سے افضل ذکر ہے۔ اسی بنا پر افضل کاموں سے متعلق اگلوں کے مابین تم کوئی بڑا اختلاف نہیں پاؤ گے۔ پھر بھی بندہ اگر کسی چیز کے حکم میں کوئی اشتباہ دیکھے تو اسے چاہیے کہ مسنون طریقے پر استخارہ کرے دعا کرے کیونکہ دعا ہر بھلائی کی کلید ہے، مگر عجلت سے کام نہ لے کہ یہ کہنا شروع کر دے کہ میں نے خدا کو پکارا مگر میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ ان دعاؤں کا اہتمام مبارک اوقات جیسے رات کا آخری حصہ، نمازوں کے بعد، اذان کے وقت اور بارش کے وقت اور اسی طرح کے دوسرے اوقات میں کرے۔

بہترین ذریعۂ معاش

بہترین ذریعۂ معاش یہ ہے کہ بندہ اللہ پر بھروسہ رکھے اور اسے یقین ہو کہ اللہ بندہ کے لیے کافی ہے اور اسے اپنے رب سے پوری خوش گمانی ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ روزی کے لیے جدوجہد کرنے والا شخص ہر حال میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرے اور صرف اسی کو پکارے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں خدا کے اس ارشاد کی خبر دی ہے

کلکم جائع الا من اطعمتہ	تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے بجز اس شخص
فاستطعمونی اطعمکم یا عبادی	کے جس کو کہ میں کھلاؤں پس تم مجھ سے کھانا مانگو میں
کلکم عار الا من کسوتہ	تمہیں کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک
فاستکسونی اکسکم	ننگا ہے بجز اس شخص کے جس کو کہ میں پہنا دوں پس تم
الحدیث۔	مجھ سے لباس طلب کرو میں تمہیں لباس دوں گا۔

اور ترمذی کی روایت جو انھوں نے حضرت انس سے کی ہے، یہ ہے کہ حضرت انس رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لیسال احدکم ربہ	تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی ساری
حاجتہ کلھا حتی شسع	حاجتیں اپنے رب سے طلب کرے حتی کہ جوتے کا تسمہ
نعلہ اذا انقطع فانہ ان لم ییسرہ	بھی اگر ٹوٹ جائے تو اسے اللہ ہی سے مانگنا چاہیے
لم یتیسر	اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے عطا نہ کرے تو
	وہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں :۔

واسئلوا اللہ من فضلہ	اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کو طلب کرو

اور یہ بھی ارشاد ہے

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا	پس جب نماز ختم ہوجائے تو زمین میں پھیل
فی الارض وابتغوا من فضل اللہ	جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو ۔

اور اگرچہ یہ حکم جمعہ سے متعلق ہے مگر اس کا انطباق تمام نمازوں پر ہوتا ہے اور غالباً اسی وجہ سے (واللہ اعلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ مسجد میں داخل ہونے والا داخل ہونے کے وقت یہ کہے :۔

اللھم افتح لی ابواب	اے میرے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے
رحمتک	دروازے کھول دے ۔

اور نکلنے کے وقت یہ دعا پڑھے :۔

اللھم انی اسئلک من فضلک	اے اللہ ! میں تیرے فضل کا طالب ہوں

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :۔

فابتغوا عند اللہ الرزق و	اللہ تعالیٰ سے روزی مانگو، اس کی عبادت
اعبدوہ واشکروا لہ	کرو اور اس کے شکر گزار بنو ۔

اور یہ امر بے اور امر سے وجوب لازم آتا ہے پس رزق اور دوسرے تمام معاملات میں اللہ سے استعانت اور اسی پر اعتماد سب سے بڑی بنیاد ہے ۔

کسب معاش میں مومن کا طرز عمل مومن کو چاہیے کہ فراخی کے ساتھ مال کمائے تاکہ اس مال میں برکت ہو اور وہ مال کو حرص و طمع کے ساتھ نہ حاصل کرے بلکہ مال کی وقعت اس کی نظر میں بیت الخلا کے مانند ہونی چاہیے ۔ بیت الخلا کی اسے ضرورت تو ہوتی ہے مگر اس کے دل میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی ہے اور مال کو حاصل کرنے میں اس کی جدوجہد اس اہتمام کے مانند ہے جو وہ بیت الخلاء کے لیے کرتا ہے حسب ذیل مرفوع حدیث جس کی روایت امام ترمذی اور دوسرے لوگوں نے کی ہے ملاحظہ ہو ۔

من اصبح والدنیا اکبر	جس نے اس طور پر صبح کی کہ دنیا کا حصول ہی
ھمہ شتت اللہ علیہ شملہ	اس کی سب سے بڑی فکر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو پراگندہ

وفرق عليه ضيعته ولم
يأته من الدنيا الا ما كتب
له ومن اصبح والآخرة اكبر
همه جمع الله عليه شمله
وجعل غناه في قلبه واتته
الدنيا وهي راغمة

خاطر کردیتے ہیں اور اس کے کاروبار کو انتشار کا شکار
بنا دیتے ہیں اور اسے دنیا میں سے صرف اتنا ہی
حصہ ملتا ہے جتنا اس کے لیے مقدر ہو چکا ہوتا ہے
اور جس نے اس طور پر صبح کی کہ آخرت طلبی ہی اس کی
سب سے بڑی تمنا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے حالات کو
درست فرما دیتے ہیں اور اس کے دل کو غنی بنا دیتے
ہیں اور دنیا چار و ناچار اس کے پاس آتی ہے

اور بعض اسلافؒ کا قول ہے۔

تم دنیا کے مقابلے میں آخرت میں اپنے حصہ کے لیے زیادہ محتاج ہو پس جب تم توشۂ آخرت کی فراہمی سے اپنی جدوجہد کو شروع کرو تو کسبِ معاش کی بھی فکر کرو اور اس کا بھی معقول انتظام کرو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ
إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ وَمَا أُرِيدُ مِنْهُمْ
مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ
إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے
پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں میں ان سے
طالب رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھلائیں
خدا ہی تو رزق دینے والا زور آور اور مضبوط ہے

رہی یہ بات کہ صناعت، تجارت، معماری، زراعت اور اسی طرح کی دوسری چیزوں میں کس کو کس پر ترجیح دی جائے تو اس کا فیصلہ مختلف انسانوں کے معاملے میں مختلف ہوگا۔ مجھے اس معاملے میں کوئی عام اصول نہیں معلوم ہے لیکن جب انسان کے پیش نظر معاش کی کوئی صورت ہو تو اسے چاہیے کہ معلمِ خیر صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ استخارہ کرلے اس لیے کہ اس میں لامتناہی برکت ہے پھر اگر وہ کوئی ذریعہ معاش اختیار کرلے تو خواہ مخواہ کسی شرعی قباحت کے بغیر کسی دوسرے ذریعہ کو نہ اپنائے۔

قابلِ اعتماد کتابیں مختلف علوم میں قابلِ اعتماد کتابوں کا باب بہت ہی وسیع ہے اور اس کا جواب بھی مختلف ممالک میں انسانوں کے نشوونما کے مختلف احوال کے پیش نظر مختلف ہوگا اس لیے کہ انسانوں کو بعض ممالک میں علما اور ان کے مسلک و مذہب کی جو سہولتیں حاصل ہوتی ہیں وہ دوسرے ممالک میں

نہیں ہوتی ہیں لیکن جیسا کہ مرحشمہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اس علم کے حصول کے لیے دعا کرے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثت میں ملا ہے اس لیے کہ یہی وہ علم ہے جو علم کہلانے کا مستحق ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے یا تو وہ ایسا علم ہے جو نفع بخش نہیں ہے، یا وہ سرے سے علم ہی نہیں ہے اگرچہ اسے علم کا نام دے دیا گیا ہو۔ اور اگر وہ نفع بخش علم ہے تو لازماً اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث میں ہونا چاہیے۔ کوئی بھی علم ہمیں نبیؐ سے ملے ہوئے علم سے بے نیاز نہیں کرسکتا اگرچہ بظاہر وہ اس کے مثل ہو یا اس سے بہتر ہو اور مومن کا اولین مقصد نبیؐ کے اوامر نواہی اور سارے کلام کے مقصد کا فہم حاصل کرنا ہونا چاہیے اور جب اس کا دل کسی مسئلے میں اس بات پر مطمئن ہوجائے کہ یہی رسول کا منشا ہے تو پھر اس منشا سے ان تمام معاملات میں جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہیں نہ ہٹے اور حتی الامکان ان معاملات میں بھی جو اسے دوسرے انسانوں سے پیش آتے ہیں۔ اس منشا کے خلاف نہ جائے اور اسے اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ علم کے ہر باب میں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ اصولوں سے ہی رہنمائی حاصل ہو جب اسے کسی ایسی بات میں اشتباہ ہوجائے جس میں دوسرے لوگوں کے درمیان اختلاف ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ سے وہ دعا مانگے جس کی روایت امام مسلم نے حضرت عائشہؓ سے کی ہے

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو فرماتے

اللھم رب جبریل و	اے میرے (اللہ) جبریل و میکائیل اور
میکائیل و اسرافیل فاطر	اسرافیل کے رب، آسمانوں اور زمین کے پیدا
السموات والارض عالم الغیب و	کرنے والے، پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے
الشھادۃ انت تحکم بین عبادک	تو ہی اپنے بندوں میں ان باتوں کا جن میں وہ اختلاف
فیما کانوا فیہ یختلفون اھدنی	کرتے رہے ہیں فیصلہ کرے گا۔ تو اپنے حکم سے مجھے
لما اختلف فیہ من الحق باذنک انک	اس حق کی ہدایت کر دے جس میں اختلاف رونما
تھدی من تشاء الی صراط	ہوگیا ہے بے شک جسے تو چاہتا ہے راہ راست
مستقیم	کی ہدایت فرما دیتا ہے ۔

اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بیان فرمایا ہے:

یا عبادی کلکم ضال	اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک بھٹکا ہوا
الا من ھدیتہ فاستھدونی	ہے بجز اس شخص کے جس کو میں نے ہدایت دے دی پس

احسن عمل　　مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تمہیں ہدایت دوں گا ۔

کتب اور مصنفین کے سلسلے میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اشنار درس و مذاکرہ جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے دی۔ میری باتیں آگئی ہیں اور احادیث نبویہ پر مشتمل تصنیف شدہ کتابوں میں کوئی کتاب محمد بن اسمٰعیل بخاری کی صحیح بخاری سے زیادہ مفید نہیں ہے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ایک متبحر کو علم کے باب میں جن اصولوں اور بنیادوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ ساری کی ساری امام بخاری کے یہاں موجود ہیں۔ اس لیے ایک متبحر کے لیے ضروری ہے کہ اسے دوسری حدیثوں کا بھی علم ہو اور دوسرے فقہا اور بعض چیزوں میں اختصاص حاصل کیے ہوئے علماء کے کلام سے بھی اسے واقفیت ہو اور یہ حقیقت ہے کہ امت کے افراد نے علم کے سارے شعبوں میں کافی دستگاہ حاصل کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس کے قلب کو منور کر دیا اس کی ہدایت کے لیے اتنا ہی علم کافی ہے جتنا کہ وہ ان علوم سے حاصل کر سکا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے نور بصیرت سے محروم کر دیا اس کے لیے کتابوں کی زیادتی اور زیادہ گمراہی اور پریشانی کا سبب بن جاتی ہے جیسا کہ نبی ؐ نے حضرت ابولبید انصاری سے فرمایا تھا :-

اولیست التوراۃ والانجیل　　کیا یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس توراۃ

عند الیہود والنصاریٰ فماذا اتغنی عنھم　　انجیل نہیں ہے۔ ان سے انہیں کیا فائدہ پہنچا ؟

پس ہم اللہ بزرگ و برتر سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں رشد و ہدایت عطا فرمائے اور ہماری بھلائی کے راستے کو ہم پر واضح فرما دے اور نفس کی برائیوں سے ہمیں بچائے اور ہمیں ہدایت عطا کرنے کے بعد گمراہی میں نہ مبتلا کرے اور وہ ہمیں اپنی رحمت سے نوازے ۔ والحمد للہ رب العٰلمین وصلوٰۃ علیٰ اشرف المرسلین

مجلس شوریٰ کی روداد

منعقدہ ۴ جون ۶۵ء تا ۱۱ جون ۶۵ء

الحمد للہ کہ مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس بہ صدارت مولانا ابو اللیث صاحب ندوی اصلاحی امیر جماعت اسلامی ہند مورخہ ۴ جون ۶۵ء بروز جمعہ سہ پہر سے شروع ہوکر ۱۱ جون قبل نماز جمعہ بخیر وخوبی اختتام کو پہنچا۔ اس اجلاس میں جملہ ارکان شوریٰ شریک تھے جن کے اسماء حسب ذیل ہیں:-

۱۔ جناب کے سی عبد اللہ صاحب (کیرالہ)
۲۔ جناب عبد الرزاق لطیفی صاحب (حیدرآباد)
۳۔ جناب شمس پیرزادہ صاحب (بمبئی)
۴۔ جناب انیس الدین احمد صاحب (بہار)
۵۔ مولانا نظام الدین صاحب (بھوپال)
۶۔ مولانا سید حامد علی صاحب (میرٹھ)
۷۔ جناب نجات اللہ صدیقی صاحب (علی گڑھ)
۸۔ جناب محمد شفیع صاحب مونس (میرٹھ)
۹۔ جناب عبد الحی صاحب (رام پور)
۱۰۔ مولانا صدر الدین صاحب، مرکز (رام پور)
۱۱۔ مولانا سید احمد عروج قادری صاحب، مرکز "
۱۲۔ جناب محمد مسلم صاحب، مرکز (دہلی)
۱۳۔ جناب افضل حسین صاحب، مرکز (دہلی)
۱۴۔ جناب سید حامد حسین صاحب "
۱۵۔ محمد یوسف قیم جماعت اسلامی ہند

ارکان شوریٰ کے علاوہ جناب محمد یوسف صاحب صدیقی کو بھی اجتماع میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی لیکن وہ خرابی صحت کے باعث صرف چند ابتدائی نشستوں میں شریک ہو سکے۔

اجلاس کا آغاز مولانا سید احمد عروج قادری صاحب کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا جس کے بعد امیر جماعت نے اپنی افتتاحی تقریر میں جماعت اور بیرون جماعت کے قابل توجہ امور یا مسائل کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ وہ ہماری رہنمائی و مدد فرمائے۔

امیر جماعت کی افتتاحی تقریر کے بعد قیم جماعت نے گزشتہ اجلاس شوریٰ کی روداد پڑھ کر سنائی اس کے بعد جماعت کی سالانہ رپورٹ پیش کی گئی۔ رپورٹ کی خواندگی کے بعد بعض ارکان شوریٰ نے رپورٹ میں مندرج امور کے سلسلے میں بعض معلومات طلب کیں جو ان کو مہیا کی گئیں۔

دعوت وتبلیغ اور تربیت دعوت وتبلیغ اور رفقاء کی تربیت کی اہمیت جماعت کی شائع شدہ پالیسی میں ایک نوٹ کے ذریعہ واضح کر دی گئی ہے لیکن جائزے سے اندازہ ہوا کہ گزشتہ سال اس طرف مطلوبہ توجہ نہیں دی گئی اس لیے طے کیا گیا کہ رفقاء کو آئندہ دعوت وتربیت کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

یہ بھی طے ہوا کہ خواتین میں دعوت وتبلیغ کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کے پیش نظر مرکز اور امرائے حلقہ جات کو بھی اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

جماعت اسلامی کی دعوت اور اس کے طریقہ کار کو عوام وخواص تک موثر طریقے سے پہنچانے اور ان کو ذہن نشین کرانے کے لیے نقشہ جات، چارٹس گراف وغیرہ۔ جن کا تجربہ کل ہند اجتماع منعقدہ دہلی کے موقع پر کیا گیا تھا۔ اب ہمارے اجتماعات میں بہت مقبول ہو چکے ہیں چنانچہ طے کیا گیا کہ اس ذریعہ کو زیادہ موثر اور مفید بنانے کی کوشش کی جائے تاکہ اجتماعات کے مواقع پر اس سے کام لیا جا سکے۔

سرکاری درسیات کی اصلاح ملک کی مختلف ریاستوں کے سرکاری مدارس میں جو درسیات پڑھائی جاتی رہی ہیں وہ مختلف وجوہ سے قابل اعتراض اور قابل اصلاح ہیں چنانچہ جماعت کے مختلف تنظیمی حلقوں نے ان درسیات کا جائزہ لیا ہے اور قابل اعتراض اجزا کی نشان دہی کی ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ بعض امرائے حلقہ جات نے اپنی اپنی ریاستوں کے محکمۂ تعلیم کو اس طرف متوجہ کیا تھا لیکن کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہو سکی اس لیے طے کیا گیا کہ جائزہ کمیٹیوں کی رپورٹیں شائع کر دی جائیں اور جن تنظیمی حلقوں نے ابھی تک یہ رپورٹیں تیار نہیں کی ہیں وہ ان کو جلد از جلد مرتب کر کے شائع کرائیں۔

یہ بھی طے ہوا کہ تحریر وتقریر کے ذریعہ عوام کو اس طرف متوجہ کیا جائے اور ان کو اس سے باخبر رکھا جائے۔

دینی لٹریچر کے تراجم کی اشاعت جماعت کے تحت مندرجہ ذیل علاقائی زبانوں کی دار الاشاعتیں عرصہ سے مختلف ریاستوں میں قائم ہیں۔

۱۔ ملیالم (کیرلہ) ۲۔ تامل (مدراس) ۳۔ تیلگو (آندھرا) ۴۔ کنڑی۔ (میسور)
۵۔ گجراتی (بمبئی) ۶۔ مرہٹی (مہاراشٹر) ۷۔ بنگلہ (بنگال) ۸۔ آسامی۔ (آسام)

ان دارالاشاعتوں سے مختلف موضوعات پر دینی نقطہ نظر سے بحث کرتے ہوئے کتابوں کے تراجم شائع کیے جا رہے ہیں۔ ان زبانوں کے علاوہ ہندی اور انگریزی میں بھی متعدد کتابوں کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔

دعوت و تبلیغ اور اشاعت اسلام کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ بالا دارالاشاعتوں کے سامنے ایک بڑا مسئلہ یہ بھی رہا ہے کہ قرآن مجید، حدیث شریف اور سیرت طیبہ کو بھی مذکورہ بالا علاقائی زبانوں میں شائع کیا جائے لیکن ذرائع و وسائل کی کمی کے باعث اس سلسلے میں ابھی تک کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی ہے لہٰذا مجلس شوریٰ نے طے کیا ہے کہ مختلف دارالاشاعتیں اس کام کو بھی انجام دینے کی اس طرح کوشش کریں کہ مالی ذرائع و وسائل مہیا کرنے کے سلسلے میں اہل خیر حضرات سے تعاون کی اپیل کی جائے۔

ریلیف کا کام

گزشتہ سال بنگال، بہار اور اڑیسہ کے فسادات کے موقع پر جماعت اسلامی ہند ریلیف کا جو کام انجام دے رہی تھی وہ تقریباً پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے طے ہوا کہ اس کے حسابات کو پمفلٹ کی شکل میں شائع کر دیا جائے۔

کل ہند اجتماع

کل ہند اجتماع کے انعقاد کا مسئلہ بھی زیر غور آیا۔ اس کی ضرورت و اہمیت و افادیت کو محسوس کرنے کے باوجود حالات کا جائزہ لینے کے بعد طے کیا گیا کہ کل ہند اجتماع اس سال منعقد کرنا نہیں ہے۔

شوریٰ کی سابقہ رودادوں وغیرہ کی اشاعت

طے ہوا کہ تقسیم ہند کے بعد سے آج تک مجلس شوریٰ کی شائع شدہ رودادوں فیصلوں اور قراردادوں کو یکجا شائع کیا جائے تاکہ یہ تمام چیزیں جو اخبارات و رسائل میں منتشر ہیں دفعتاً یکجا دستیاب ہو سکیں اور حالات و ضروریات کے لحاظ سے جماعت کی پالیسی و پروگرام وغیرہ میں ہونے والی تبدیلیاں اور ارتقاء ان کے سامنے رہے۔

امرائے حلقہ جات کے لیے قابل توجہ امور

تنظیمی حلقہ جات میں دعوتی و تربیتی کاموں کی

کی رفتار اور بیت المالوں کی پوزیشن کا جائزہ لینے کے بعد طے کیا گیا کہ امرائے حلقہ جات کو توجہ دلائی جائے کہ وہ

- عوام (مسلمانوں اور غیر مسلموں) کو ہر سطح پر جماعت کی اصل دعوت سے آگاہ کرنے کی وسیع پیمانے پر کوشش کریں اور اس سلسلے میں رفقاء کو انفرادی و اجتماعی حیثیت سے بیش از بیش جدوجہد کرنے پر برابر متوجہ کرتے رہیں اور منصوبے کے مطابق پروگرام بنا کر ان سے کام لیتے رہیں۔
- مندرجہ بالا کے پیش نظر رفقاء کی انفرادی و اجتماعی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دیں اور تربیتی اجتماعات کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرتے رہیں۔
- بیت المالوں کے استحکام کے لیے امرائے حلقہ جات کے گزشتہ اجتماع میں جو مختلف تدابیر سامنے آئی تھیں حسب حال انہیں اختیار کر کے بیت المالوں کو مستحکم کرنے کی پوری فکر کریں اور رفقاء کو بھی اس طرف برابر متوجہ کرتے رہیں۔

- بیت المالوں کے استحکام کے لیے امرائے حلقہ جات کے گزشتہ اجتماع میں جو مختلف تدابیر سامنے آئی تھیں حسب حال انہیں اختیار کر کے بیت المالوں کو مستحکم کرنے کی پوری فکر کریں اور رفقاء کو بھی اس طرف برابر متوجہ کرتے رہیں۔

قراردادیں

مجلس شوریٰ نے مندرجہ ذیل موضوعات پر متفقہ طور سے قراردادیں منظور کی ہیں جو دعوت مورخہ ۱۶ جون ۱۹۶۵ء میں شائع کی جا چکی ہیں۔

۱۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲۔ فرقہ وارانہ ہنگامے اور پولیس کا رویہ

۳۔ ڈی۔ آئی۔ آر کا بے جا استعمال

۴۔ اردو زبان کو اس کا جائز حق دیا جائے۔

بجٹ

مرکزی بجٹ بابت اپریل ۱۹۶۵ء تا مارچ ۱۹۶۶ء پیش اور منظور ہوا۔ متوقع آمدنی ۷۶٫۰۰۰ روپیہ ہے اور متوقع مصارف ۸۰٫۵۰۰/- ہے۔ اس طرح ۴٫۵۰۰ کا متوقع خسارہ ہوتا ہے جو قرض سے کر پورا کیا جائے گا۔

اس کے بعد دعا پر اجتماع برخاست ہوا۔   محمد یوسف۔ قیم جماعت اسلامی ہند

مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند کی اہم قراردادیں

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ملت اسلامیہ ہند کی تعلیمی اور تہذیبی زندگی میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو ایک اہم مقام حاصل رہا ہے۔ مسلمانان ہند نے اس ادارہ کو عرصہ دراز کی جدوجہد کے بعد قائم کیا تھا اور اس سے ان کی بہت سی تمنائیں اور امنگیں وابستہ رہی ہیں۔ فطری امر ہے کہ اگر اس ادارے کو کوئی صدمہ پہنچے تو پورے ہندستان کے مسلمان درد و کرب محسوس کریں اور ان میں اضطراب کی لہر دوڑ جائے۔

مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند ضروری سمجھتی ہے کہ حالیہ واقعات پر کیے جانے والے تبصروں، وزیر تعلیم کے بیانات اور حکومت کے جاری کردہ آرڈیننس کے پیش نظر چند ضروری باتیں سامنے لائے۔

یونیورسٹی کا مسلم کیرکٹر

مسلم یونیورسٹی کے مسلم کیرکٹر کو مسلمانان ہند کے نزدیک اتنی اہمیت حاصل ہے کہ وہ کسی قیمت پر اسے مجروح نہ ہونے دیں گے۔ انتہائی ضروری ہے کہ اعلیٰ ترین سطح سے مسلمانوں کو اس بات کی ضمانت دی جائے کہ۔

(الف) مسلم یونیورسٹی کے نام سے لفظ مسلم خارج نہیں کیا جائے گا۔

(ب) اس امر کا اہتمام رکھا جائے گا کہ مسلم یونیورسٹی میں طلبہ، اساتذہ، انتظامی عملہ اور عہدہ داران کی غالب اکثریت حسب سابق مسلمانوں پر مشتمل رہے۔

(ج) حسب سابق مسلم یونیورسٹی میں دینی اور اخلاقی تعلیم و تربیت کا اور دینیات، اسلامی علوم، عربی فارسی اور اردو زبان و ادب اور ہندوستان میں مسلم دور کی تاریخ کی تعلیم اور ان علوم میں ریسرچ کا خصوصی اہتمام کیا جاتا رہے گا۔

(د) مسلم یونیورسٹی میں ان روایات کو قائم رکھا جائے گا اور ان کے نشو و نما کا اہتمام کیا جائے جو مسلم کلچر کی بقا و ترقی کے لیے ضروری ہیں اور ایسی سرگرمیوں کی ہمت افزائی نہ کی جائے گی جو مسلم کلچر کے منافی ہوں۔

ہمارے نزدیک یونیورسٹی کے مسلم کیرکٹر کے برقرار رہنے کا اس بات پر بہت کچھ انحصار ہے کہ وہاں اساتذہ، عہدہ داروں اور انتظامی عملہ میں ایسے افراد معتدبہ تعداد میں موجود ہوں جو اسلامی افکار

عقائد پر یقین رکھتے ہوں اور اسلامی اخلاق و کردار کے حامی ہوں۔ یونی ورسٹی کے انتظامی عہدوں اور تعلیمی شعبوں پر ایسے عناصر کا چھا جانا جو اسلام سے برگشتہ اور مذہب و اخلاق سے منحرف ہوں۔ یونیورسٹی کے مسلم کیرکٹر کی جڑ کھودنے کے مترادف ہے۔

آرڈی ننس واپس لیا جائے

یونیورسٹیوں کی داخلی آزادی اور خود مختاری اعلیٰ تعلیم کا ایک مسلمہ اصول ہے۔ ایک جمہوری ملک میں اقلیت کی قائم کی ہوئی یونیورسٹی کے لیے یہ آزادی صرف ایک تعلیمی مصلحت نہیں بلکہ ایک ناگزیر تہذیبی اور ثقافتی ضرورت بھی ہوتی ہے اس لیے مسلم یونیورسٹی کے نظم و نسق میں حکومت کی بے جا مداخلت کو مسلمان بجا طور پر ایک تعلیمی مصلحت کی خلاف ورزی کے ساتھ ہی اپنی تہذیبی اور تعلیمی آزادی پر بھی حملہ تصور کریں گے۔ دستور ہند نے اقلیتوں کا یہ حق تسلیم کیا ہے کہ وہ اپنے تعلیمی اداروں کو سرکاری امداد لینے کے باوجود اپنی مرضی کے مطابق چلا سکیں۔ حکومت نے مسلم یونیورسٹی آرڈی ننس نافذ کر کے ایک ایسا اقدام کیا ہے جس سے اس بات کا قوی اندیشہ لاحق ہو گیا ہے کہ مسلم یونیورسٹی کو مسلمان اقلیت اپنے منشا کے مطابق نہ چلا سکے۔ آرڈی ننس نے یونیورسٹی کورٹ اور ایگزیکٹیو کونسل میں منتخب نمائندوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں باقی رکھی ہے۔ ان مجالس کے تمام ارکان کی نامزدگی کا حق حکومت کو دے کر آرڈی ننس نے مسلمان اقلیت کو اس کے ایک دستوری حق سے محروم کر دیا ہے۔

اس آرڈی ننس نے وائس چانسلر کو یونیورسٹی کے عہدہ داران، اساتذہ اور انتظامی عملہ کے ارکان کی برطرفی کے سلسلے میں غیر معمولی اختیارات دے دیے ہیں اور وزیر تعلیم کے حالیہ بیانات کے پیش نظر ان اختیارات کے بے جا استعمال کا قوی اندیشہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ یہ بات عدل و انصاف کے سراسر منافی اور ایک جمہوری ملک میں سخت ناپسندیدہ ہے۔

مسلمان عوام و خواص میں مسلم یونیورسٹی آرڈی ننس کے خلاف غم و غصہ کے جو جذبات پیدا ہو گئے ہیں وہ مذکورہ بالا حقائق کی بنا پر بالکل فطری ہیں۔ اس اضطراب کو دور کر کے ان کا اعتماد بحال کرنے اور عدل و انصاف کا تقاضا پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حکومت اس آرڈی ننس کو واپس لے۔

مسلم یونیورسٹی آرڈی ننس کو واپس لینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ جن حالیہ واقعات کو اس اقدام کی بنیاد بنایا گیا ہے وہ کسی طرح بھی اس کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتے۔

طلبہ کا طرز عمل جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ ۲۵ اپریل ۱۹۶۵ء کے اس واقعہ کو انتہائی قابل رنج و افسوس

قرار دیتی ہے جس میں مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر نواب علی یاور جنگ صاحب کے ساتھ کچھ غیر ذمہ دار اور ناعاقبت اندیش طلبہ نے نہایت غیر اخلاقی، غیر انسانی اور مذموم سلوک کیا۔ ان کے اس طرز عمل کے پس منظر میں خواہ کتنے ہی قوی اور اشتعال انگیز اسباب کیوں نہ رہے ہوں مگر جن طلبہ نے بھی ایسا کیا ان کے لیے یہ کسی طرح روا نہ تھا کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور اپنے ادارے کے سب سے بزرگ فرد کے خلاف کسی طرح کا جارحانہ اقدام کر بیٹھتے۔ ایسی ناروا حرکت کرکے انھوں نے یونیورسٹی کی ممتاز روایات کو اس کے مصالح ومقاصد کو اور خود اپنے جائز مطالبات کو بڑا شدید نقصان پہنچایا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ وہ اپنی اس حرکت پر صدق دل سے نادم ہوں گے اور اس کی تلافی کے لیے وہ سب کچھ کریں گے جس کا حق اور انسانیت تقاضا کرتے ہیں۔

پولیس فائرنگ

اسی طرح مجلس شوریٰ پولیس کے اس طرز عمل کو بھی انتہائی نامناسب اور قابل مذمت سمجھتی ہے جو اس نے اس موقع پر اختیار کیا۔ مختلف تحقیقاتی وفود نے اس سلسلے میں واقعات کی جو تفصیل بتائی ہے اس کے پیش نظر پولیس نے لاٹھی چارج اور پھر آنسو گیس چھوڑنے کے ابتدائی اقدامات کے بغیر ہی یکایک فائرنگ کر دی اس لیے یہ فائرنگ واضح طور پر بالکل نامناسب اور غیر ضروری تھی اور اس سے صورت حال کو بگاڑ دینے کے سوا اور کوئی فائدہ بھی نہیں ہوا۔

عدالتی تحقیقات کی ضرورت

مسلم یونیورسٹی میں ارباب اختیار اور اساتذہ اور طلبہ کے درمیان ہمیشہ سے جو خوش گوار تعلقات اور اخلاق واخلاص پر مبنی روابط قائم رہے ہیں ان کو اس افسوسناک حادثے سے جو دھکا لگا ہے وہ انتہائی رنج وافسوس کا باعث ہے لیکن پارلیمنٹ اور یوپی کی مجالس قانون ساز کے ممبران پر مشتمل مختلف وفود نے یونی ورسٹی جا کر ان واقعات کی تحقیق کے بعد جو بیانات دیے ہیں ان کے پیش نظر یہ بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کہ یہ حملہ طلبہ اور اساتذہ کی کسی سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھا۔ جو کئی ماہ پہلے سے کی جا رہی تھی، یا اس حملہ کا تعلق نواب صاحب موصوف کے سیاسی موقف، مذہبی مسلک، یا ذاتی کردار سے تھا۔ یہ فتنہ انگیز نظریہ یونی ورسٹی کے دشمنوں نے یونی ورسٹی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے وضع کیا ہے۔ اسے یونی ورسٹی کی داخلی آزادی پر حملہ کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر حکومت کو اس بارے میں کوئی شک ہے تو اس کا حل یہی ہو سکتا ہے کہ اعلیٰ سطح کی عدالتی تحقیقات کرائی جائے تاکہ اس نظریے کا بے بنیاد ہونا واضح ہو سکے۔

وزیر تعلیم کو برطرف کیا جائے

ہمارے نزدیک یہ بات انتہائی رنج دافسوس، سخت تعجب اور بہت تشویش کی باعث ہے کہ مرکزی وزیر تعلیم بھی مسلم یونیورسٹی کے بدخواہوں کے مفسدانہ پروپیگنڈے کا شکار ہوگئے۔ انھوں نے ۲۵ راپریل کے واقعہ سے متعلق پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں جو بیان دیا ان کی وزارت کی جانب سے آرڈی ننس کا "پس منظر" بیان کرنے کے لیے جو اعلامیہ شائع کیا گیا اور ڈاکٹر سید محمود صاحب کے خط کے جواب میں انھوں نے جو باتیں لکھی ہیں وہ متعدد وجوہ سے قابل اعتراض اور باعث رنج وافسوس ہیں اور ہم ان کے خلاف پرزور احتجاج کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک مسٹر چھاگلہ کا یہ دعویٰ کوئی وزن نہیں رکھتا کہ ان کو ۲۵ راپریل کے واقعات اور ان کے اسباب سے متعلق "حقائق" کا علم ہے، انھیں اس بات کا کوئی حق نہیں کہ سنی سنائی باتوں اور بے بنیاد دعووں کو حقائق کا درجہ دے کر ایسے ناروا اقدامات کریں جن کے ملک وملت پر گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ انھوں نے کسی تحقیق کے بغیر یونی ورسٹی کے عہدہ داران، اساتذہ اور طلبہ پر سنگین الزامات لگا کر اور اس طرح یونی ورسٹی کے بدخواہ فرقہ پرست عناصر کے ہاتھوں کو مضبوط کرکے انتہائی غیر دانشمندانہ اور مذموم حرکت کی ہے۔

ان واقعات کے ضمن میں وزیر تعلیم نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ اگر یوپی گورنمنٹ کی تحقیقات کے نتائج سے ان کی تشفی نہ ہوئی تو وہ مزید تحقیقات کرائیں گے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ایسی تحقیقات چاہتے ہیں جو ان کی خواہش کے مطابق نتائج پیش کرے یہ رویہ آمرانہ اور غیر منصفانہ ہے اور ایک جمہوری ملک میں اسے کسی طرح گوارا نہیں کیا جاسکتا۔

یہ بات اب بالکل واضح ہوکر سامنے آگئی ہے کہ مسٹر چھاگلا مسلم یونی ورسٹی کے مسلم کیرکٹر کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حالیہ واقعات سے پہلے بھی ایک موقع پر وہ پارلیمنٹ میں یہ کہہ چکے ہیں کہ اگر بنارس ہندو یونی ورسٹی کے ارباب حل وعقد اس یونی ورسٹی کے نام سے لفظ "ہندو" نکالنے پر راضی ہوجائیں تو وہ مسلم یونی ورسٹی کے نام سے لفظ "مسلم" خارج کردیں گے۔ یہ کہتے وقت انھوں نے اس کا کوئی لحاظ نہیں رکھا تھا کہ نام میں تبدیلی کی یہ تجویز مسلم یونی ورسٹی کی متعلقہ مجالس میں منظور ہوسکے گی یا نہیں۔ ان کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مسلم یونی ورسٹی کے معاملے میں خود کو مختار مطلق سمجھتے ہیں اور ان اختیارات کو چند طے شدہ مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کرچکے ہیں۔

مسٹر چھاگلا نے اس عزم کا بھی اظہار کیا ہے کہ مسلم یونی ورسٹی کو ایسے عناصر سے پاک کیا جائے گا جو ان کے بقول "فرقہ پرست" "قدامت پسند" اور "رجعت پسند" ہیں۔ وزیر تعلیم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ فرقہ پرستی کا مفہوم نہ تو قانونی طور پر متعین ہے نہ سیاسی سطح پر ہی اس کی تعیین کی جاسکی ہے۔ اس لیے ان کے لیے یہ کسی طرح مناسب نہ تھا کہ وہ یونی ورسٹی پر یہ مبہم الزام اتنی بے پروائی سے عائد کر دیتے ایسا کرتے وقت انہیں یہ بھی خیال نہ رہا کہ یونی ورسٹی کو فرقہ پرستی کا ملزم ٹھہرا کر وہ غیر مسلموں کے ذہن میں اشتعال پیدا کر رہے ہیں اور اس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں میں منافرت کی آگ بھڑکا رہے ہیں۔ درآں حالیکہ اس حقیقت کا خود مسٹر چھاگلا کو بھی اعتراف ہے کہ طلبہ کی یہ تحریک فرقہ وارانہ نہیں بلکہ اس میں ہندو اور مسلم سبھی طلبہ شریک تھے۔

رہے قدامت پرستی اور رجعت پسندی کے الزامات تو جب کسی پر جا بجا ایسے الزامات عائد کر کے اسے گردن زدنی ٹھہرا دینا غالباً ہندوستان کے موجودہ اور سابق ارکان حکومت میں سے تنہا مسٹر چھاگلا ہی کا کارنامہ ہے۔ اب انھوں نے آرڈیننس کے ذریعہ اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے غیر معمولی اختیارات بھی حاصل کر لیے ہیں۔ ان باتوں سے یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہ مسلم یونی ورسٹی میں ایک خاص طرح کے افراد کا وجود ناپسند کرتے ہیں اور ان کو برے نام دے کر غیر معمولی حالات کی آڑ لے کر غیر معمولی اختیارات استعمال کر کے یونی ورسٹی سے نکالنا چاہتے ہیں۔

ہمارے نزدیک مسٹر چھاگلا کو کسی صورت میں بھی اس کا حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ اپنی پسند اور ناپسند کو مسلم یونی ورسٹی پر مسلط کرنے کی کوشش کریں۔ ان کے عزائم ملت اسلامیہ کی نظر میں مشکوک و مذموم اور تشویشناک ہیں اور جب تک حکومت ہند ان کو ان عزائم کی تکمیل کے مواقع سے محروم نہ کر دے ہندوستان کے مسلمان سخت اضطراب و بے چینی محسوس کرتے رہیں گے۔ اس اضطراب کے قدرتی نتیجے کے طور پر حکومت پر سے مسلمانوں کا اعتماد کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے اور ضروری ہے کہ اس اعتماد کو بحال کرنے کے لیے حکومت مؤثر اقدامات کرے۔

بین الاقوامی دنیا میں ہندوستان کی وسیع النظری کی ساکھ بنانے میں مسلم یونیورسٹی نے اہم حصہ لیا ہے۔ اس کا اپنے مسلم کیرکٹر کے ساتھ باقی رہنا اور ترقی کرنا ہندستان کے غیر فرقہ وارانہ طرز حکومت کا ایک بلند نشان رہا ہے۔ ایسے نازک مرحلے میں جب ملک میں آئے دن کے فرقہ وارانہ فسادات سے ساکھ خام

تاثر ہوچکی ہے مسلم یونیورسٹی کو صدمہ اس ساکھ کو اور زیادہ مجروح کردے گا۔

مذکورہ بالا حقائق کی بنا پر ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ مسٹر چھاگلہ کو مرکزی وزارت تعلیم کے عہدے سے جلد زجلد برطرف کیا جائے۔ ان کے بیانات عزائم اور اقدامات سے ملت اسلامیہ کو جو زبردست صدمہ پہنچا ہے اور ان میں جو غم وغصہ پیدا ہوچکا ہے اس کے پیش نظر حکومت ہند کے لیے دانشمندی کی بات یہی ہوگی کہ ای کے ذریعہ وہ مسلمانوں کے زائل ہوتے ہوئے اعتماد اور اپنے سیکولرزم کے دعوے کی ساکھ کو بحال کرسکتی ہے۔

حالات کو معمول پر لایا جائے مجلس شوریٰ سمجھتی ہے کہ یونیورسٹی کے حالات کو جلد از جلد معمول پر لانے کا اہتمام کیا جائے۔ آئندہ تعلیمی سال یونیورسٹی میں حسب معمول داخلے ہونے، تعلیم و تدریس اور ریسرچ اور یونیورسٹی کی دوسری سرگرمیوں کے مقررہ اوقات پر شروع ہوجانے اور معمول کے مطابق جاری رہنے کا انحصار اس امر پر ہے کہ موجودہ اندیشہ ناک اور غیر متیقن فضا ختم ہو۔ یونیورسٹی اور اس سے متعلق افراد پر الزام تراشیوں کا سلسلہ بند ہو اور جب یونیورسٹی کھلے تو سزائیں دینے اور اخراج کی کارروائیوں سے فضا نہ خراب کی جائے۔

(۲)

فرقہ وارانہ ہنگامے اور پولیس کا رول

آزادی کے بعد سے لے کر اب تک ایک بھی سال ایسا نہیں گزرا جب کہ فرقہ وارانہ جارحیت نے مسلمانوں کو اپنا نشانہ نہ بنایا ہو چنانچہ اس سال بھی جا بجا نگرپارٹ گورکھپور، گودھرا اور ملک کے بعض دوسرے مقامات پر یہ حادثات رونما ہوئے اور سیکڑوں افراد کو مستقل مصیبت میں مبتلا کرگئے۔

مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند ان واقعات پر اپنی گہری تشویش ظاہر کرتے ہوئے ارباب حکومت اور ملی تنظیموں کو حسب ذیل امور کی طرف توجہ دلاتی ہے۔

(الف) پچھلے متعدد واقعات سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ ایسے مواقع پر پولیس کا رول اکثر و بیشتر جانبدارانہ رہا ہے اور وہ خود فریق بن کر مسلمانوں کو اپنے ظلم و زیادتی کا نشانہ بناتی رہی ہے۔ بعض اوقات ذمہ داران حکومت نے بھی پولیس کی ان دھاندلیوں کا برملا اعتراف کیا ہے اور ملک کے متعدد لیڈروں نے اس طرف توجہ دلائی ہے۔

امن وقانون کے محافظین کی یہ قانون شکنی نہ صرف یہ کہ حکومت اور قانون پر سے عوام کا اعتماد زائل کر رہی ہے بلکہ انارکی کی راہیں بھی کھول رہی ہے۔ مجلس شوریٰ ریاستی حکومتوں اور مرکزی حکومت کو بالعموم اور مرکزی وزیر داخلہ کو بالخصوص اس صورت حال کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتی ہے اور یہ امید کرتی ہے کہ وہ اس کی اصلاح کے لیے مؤثر اقدامات کریں گے۔

(ب) فرقہ وارانہ حادثات کا یہ پہلو کسی وضاحت کا محتاج نہیں کہ اس کا نشانہ بننے والے خاندان اقتصادی طور پر تباہ ہو جاتے ہیں اور پھر سے ان کا اپنے پیروں پر کھڑا ہو جانا ان کے لیے تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ پھر اس کے نتیجے میں تعلیمی اور اخلاقی حیثیت سے جو پسماندگی ان خاندانوں میں آتی ہے اس کا اثر مدت دراز تک باقی رہنا یقینی ہے۔

اس لیے مجلس شوریٰ کی نگاہ میں حق و انصاف کا یہ بنیادی تقاضا ہے کہ جو بے گناہ شہری ان ہنگاموں کا شکار ہوتے رہتے ہیں، حکومت ان کی آبادکاری کا ذمہ لے۔

(ج) اس بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ فرقہ وارانہ امن و آشتی ہمارے ملک کی سب سے بڑی ضرورت ہے، ملک کی حقیقی قوت اس کے دس کروڑ عوام ہیں، مسلمان اس آبادی کا ایک اہم حصہ ہیں۔ ان کی مسلسل بے اطمینانی اور پریشانی کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ صرف انہی کا نہیں بلکہ پورے ملک کا ارتقاء رک جائے اور اس کی قوتیں اور وسائل و ذرائع ضائع ہوتے رہیں۔

آخر میں مجلس شوریٰ مسلمانان ہند کو تلقین کرتی ہے کہ وہ حالات کی ناسازگاری کے باوجود اللہ پر بھروسہ رکھیں اور اس کی بندگی اور صالح کردار سے اپنی زندگیوں کو آراستہ کریں کیونکہ اللہ کی رضا اور صالح کردار ہی اس طرح کی تمام مشکلات کا مجرب اور کامیاب حل ہے اور اسی کے سہارے مسلمان پچھلے ادوار میں نازک ترین حالات کا مقابلہ کر سکے اور اپنے کٹر دشمنوں کو اپنا مخلص دوست بنا سکے ہیں۔

مجلس شوریٰ ان شہداء اور مظلومین کے حق میں دعائے خیر کرتی ہے جو حالیہ ہنگاموں کا نشانہ بنے۔ خدائے مقلب القلوب سے دعا کرتی ہے کہ وہ اس خونِ ناحق اور مظلومیت کو انسانی ضمیر کو جگا دینے کا ذریعہ بنا دے جس کے نتیجے میں ہمارا ملک فرقہ وارانہ جارحیت سے نجات پا سکے اور یہاں کے تمام باشندے ایک دوسرے سے انسانی ہمدردی اور خیر خواہی کا رویہ اختیار کرتے ہوئے ملک کی ترقی و تعمیر و اصلاح میں حصہ لے سکیں۔

---

(۳)
ڈی، آئی، آر کا بے جا استعمال

آزادی انسان کا پیدائشی اور بنیادی حق ہے اور جرم ثابت کیے بغیر کسی کی آزادی کو سلب کرنا انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے لیکن ہماری حکومت کے منہ کو یہ خون لگ گیا ہے۔ وہ ہنگامی حالت کو بہانہ بنا کر ڈی آئی آر کی تلوار کو عوام کی گردنوں پر لٹکائے ہوئے ہے اور سی آئی ڈی کی بے بنیاد رپورٹوں سیاسی رقابتوں اور مقامی حکام اور پولیس اور سی آئی ڈی کی ذاتی دشمنیوں کی بنیاد پر اس کا اندھا دھند استعمال کر رہی ہے۔ یہ صورت حال حق و انصاف ملک کے سیاسی مستقبل اور جمہوریت کے لیے انتہائی خطرناک ہے اور اس لیے مجلس شوریٰ اس کی پر زور مذمت کرتی ہے۔

ڈی، آئی آر کے ناروا اور اندھا دھند استعمال کی نمایاں مثالیں جماعت اسلامی ہند کے کارکنوں کی گرفتاریاں ہیں۔ جماعت اسلامی سے خواہ کسی کو کتنا ہی اختلاف ہو، یہ کسی طرح ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ جماعت نے کبھی تخریبی سرگرمیوں میں حصہ لیا ہو۔ ملک کے امن و امان کو غارت کرنے کی کبھی کوشش کی ہو، یا کبھی کوئی غیر آئینی رویہ اختیار کیا ہو۔ جماعت اسلامی اپنی تمام سرگرمیوں میں اخلاقی حدود کی پابند ہے اور اپنے نصب العین کے حصول کے لیے اخلاقی پرامن اور تعمیری طریقے ہی اختیار کرتی ہے۔ ایک ایسی جماعت کے کارکنوں کو عدالت سے جرم ثابت کیے بغیر سالہا سال تک گرفتار رکھنا، عدالتی فیصلوں سے مجبور ہو کر رہا کرنے کے فوراً بعد دوبارہ گرفتار کر لینا۔ گرفتار شدگان کو رہا کرنے کے بجائے مزید گرفتاریاں کرتے چلے جانا۔ اور پرامن اور تعمیر پسند شہریوں کی آزادی سلب کرنے کے لیے ڈی آئی آر کا حربہ استعمال کرنا کسی طرح بھی کسی جمہوری و دستوری حکومت کو زیب نہیں دیتا۔ حق و انصاف، جمہوریت اور ملک کی سلامتی کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ اس طرح کے تمام آمرانہ اور ظالمانہ اقدامات کو فوراً واپس لیا جائے۔

مجلس شوریٰ کو اس امر پر بھی تشویش ہے کہ نظر بند رفقاء کے ساتھ جیلوں میں ناروا سلوک ہو رہا ہے ان میں سے بعض رفقاء کو بی کلاس بھی نہیں دی گئی ہے حالانکہ وہ اپنی پوزیشن کے لحاظ سے اس کے مستحق تھے۔ ان حضرات کا بعض کارکنوں پر تشویشناک اثر پڑا ہے اور ان کی صحت تباہ ہو کر رہ گئی ہے اگر حکومت نے ان کی آزادی سے انہیں محروم کیا ہے تو کیا انسانیت، جمہوریت اور حق و انصاف کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ان کی صحت کے ساتھ کھیلا جائے اور انہیں فرسٹ کلاس ذہنی اذیت میں مبتلا کر دیا جائے۔

(۴)
اردو کو اس کا جائز حق دیا جائے

اردو کے جائز اور منصفانہ مطالبات کو جس طرح مسلسل نظر انداز کیا جا رہا ہے اس میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کی حالیہ لسانی قرارداد سے کوئی فرق واقع نہیں ہوا ہے۔ اس لئے مجلس شوریٰ حکومت سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ:۔

۱۔ اردو کو یوپی بہار، دہلی، پنجاب، ہماچل پردیش، راجستھان، مدھیہ پردیش، آندھرا، بہار، اسٹرا و میسور کی علاقائی زبان تسلیم کرے۔

۲۔ اگر حکومت لسانی فارمولا نافذ کرنے پر مصر ہے تو مندرجہ بالا ریاستوں کی حد تک اردو کو لازمی میں جگہ دے کیونکہ وہ ان علاقوں کی زبان ہے۔

۳۔ ملک کی باقی تمام ریاستوں میں اردو کی تعلیم کا مناسب بندوبست کرے۔ خصوصاً اردو کی تعلیم کے لیے اساتذہ کے تقرر ان کی ٹریننگ، درسی کتب کی تیاری اور بروقت فراہمی وغیرہ کے سلسلے میں۔

۴۔ اردو کے رسم الخط کو برقرار رکھے۔

۵۔ دستور کی دوسری قومی زبانوں کی طرح اردو کی توسیع و ترقی کا بھی اہتمام کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ اردو نہ صرف ملک کی کثیر آبادی کی مادری زبان ہے بلکہ ملک کے گوشے گوشے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور ہر مذہب و ملت کے لوگ اسے بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اس کے نشو و نما میں سب کا ہاتھ رہا ہے یہ شمالی اور جنوبی ہند کے مابین رابطہ کی زبان ہے اور اس کے ساتھ نہایت ترقی یافتہ ادبی و علمی زبان ہے۔ انصاف اور ملک کے حقیقی مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ اسے فروغ دینے اور اس کا جائز مقام دلانے میں بلالحاظ مذہب و ملت سب لوگ تعاون کریں لیکن مسلمانوں پر خاص طور سے یہ ذمہ داری آتی ہے کیونکہ عربی کے بعد ان کا دینی و تہذیبی سرمایہ سب سے زیادہ اسی زبان میں ہے اس لیے مجلس شوریٰ مسلمانان ہند سے خاص طور پر اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے ہاں اردو زبان اور اس کے رسم الخط کی تعلیم و ترویج کا پورا پورا اہتمام کریں۔ ایسا نہ ہو کہ حکومت کی دھاندلیوں کے نتیجے میں نئی نسل کا رشتہ اپنے دین و تہذیب اسلامی و تہذیبی لٹریچر سے منقطع ہو جائے۔

تنقید و تبصرہ

سنت، قرآن کے آئینہ میں

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی صفحات ۳۲ کتابت، طباعت کاغذ اعلیٰ ۔ ناشر: ناظم انجمن اشاعۃ السنۃ ۳۴۸ جناح کالونی لائلپور ۔ مغربی پاکستان ۔ قیمت فی نسخہ ۲۵ پیسے یکصد دس روپے

پاکستان میں فتنۂ قادیانیت اور فتنۂ انکار حدیث نے اودھم مچا رکھا ہے ۔ فتنۂ انکار حدیث، فتنۂ قادیانیت سے کم نہیں ہے ۔ اس لیے اس کا ڈانڈا اصل میں انکار قرآن سے جا ملتا ہے ۔ چنانچہ وہاں، پرویز صاحب اس فتنے کے پردے میں قرآن کی بدترین معنوی تحریف کر رہے ہیں، زیر تبصرہ پفلٹ اس فتنے کی بیخ کنی کے لیے شایع کیا گیا ہے ۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی امیر جماعت اہل حدیث پاکستان اہل علم کے درمیان اپنے علم و فضل کے لحاظ سے معروف شخصیت ہیں، انھوں نے اس قیمتی مقالے میں قرآن کی آیات سے سنت کی اہمیت ثابت کی ہے ۔ جو شخص قرآن پر خلوص کے ساتھ ایمان رکھتا اور عقل سے محروم نہیں ہے وہ سنت کی اہمیت اور اس کی شرعی حیثیت کا انکار نہیں کر سکتا ۔ یہ پمفلٹ، علامہ سید سلیمان ندوی کی درج ذیل تحریر سے شروع کیا گیا ہے:

جن لوگوں کی نظر ملل و نحل اور علم کلام و عقاید اور تاریخ فِرَق پر ہے وہ آسانی سے اس بات کو مان لیں گے کہ اسلام میں جتنے بدعتی فرقے پیدا ہوئے وہ وہی ہیں جنہوں نے کتاب کو سنت سے یا سنت کو کتاب سے الگ کرنا چاہا ۔ خوارج نے کتاب کو مانا اور سنت سے انحراف کیا ان کے مقابل کے فرقے نے کتاب کو محرف بنا کر چھوڑا اور صرف اپنے ائمہ کی سنت کی پیروی کا دعویٰ کیا ۔ اسی طرح معتزلہ نے قرآن کو تاویل تسلیم کیا اور حدیث سے اعراض کیا اور راہ راست سے دور ہوگئے ـــــ جو کچھ پہلے ہوا وہ آج بھی ہو رہا ہے ـــ سید کے زمانہ

سے احادیث کا فن - نا آشنایانِ فن کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے - چونکہ ان کے خود ساختہ عقل کے معیار پر جو چیز پوری نہیں اترتی - اگر وہ قرآن کی کوئی آیت ہے تو اس کی دور از کار تاویل اور اگر حدیث ہے تو اس سے انکار کرکے اپنے زعم میں اسلام کے چہرے سے اس کے خلافِ عقل ہونے کا داغ مٹانا چاہتے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ داغ داغ سمجھ سمجھ کر خدا جانے اسلام کی صحیح تصویر کے کتنے اجزا مٹا چکے ہیں۔"

اس کو زے میں سید صاحب نے دریا بھر دیا ہے - یہ پمفلٹ بحیثیت مجموعی بہت خوب ہے اور ہم اس کے مطالعے کی سفارش کرتے ہیں۔ (ع ۔ ق)

(بقیہ اشارات)

اذا انتفی شرط انتفی وجوب - | طہارت کے ساتھ مشروط ہے اور زکوٰۃ میں خود اس کا وجوب ہی حصولِ نصاب کے ساتھ مشروط ہے یہاں تک کہ اگر نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ کا وجوب ہی نہ ہوگا

جواب کا حاصل یہ ہے کہ معترض نے وجوب کے مقید ہونے اور واجب کے مقید ہونے کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ اعتراض کیا ہے فرق یہ ہے کہ حدود کا وجوب امام کے وجود کے ساتھ مقید و مشروط نہیں ہے بلکہ مطلق ہے - ہاں اقامتِ حدود کے لیے امام کا وجود شرط اور موقوف علیہ کی حیثیت رکھتا ہے - مثلاً چوری کی حدِّ قطعِ ید کا وجوب، وجودِ امام کے ساتھ مشروط نہیں ہے کہ اگر امام موجود نہ ہو تو یہ وجوب ساقط ہو جائے، ہاں اس حد کی اقامت و تنفیذ وجودِ امام کے ساتھ مشروط ہے — اگر امام موجود نہ ہو تو کوئی عام آدمی اس حد کو نافذ نہیں کر سکتا اس کو یوں سمجھو جیسے نماز کا وجوب جس کی صحتِ ادا طہارت کے ساتھ مشروط ہے - اگر طہارت حاصل نہ ہو تو نماز کا وجوب ساقط نہیں ہوتا - ہاں طہارت کے بغیر نماز صحیح نہ ہوگی - معلوم ہوا کہ جس طرح فریضۂ صلوٰۃ کی ادائیگی کے لیے طہارت کی تحصیل واجب ہے اسی طرح فریضۂ حدود کی اقامت کے لیے امام کا تقرر واجب ہے بخلاف زکوٰۃ کے وہاں شریعت نے زکوٰۃ کے وجوب ہی کو حصولِ نصاب کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے - اگر نصاب موجود ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر موجود نہ ہو تو اس کا وجوب ساقط ہو جائے گا - اجتماعی احکام کی مشابہت نماز کے ساتھ ہے نہ کہ زکوٰۃ کے ساتھ نہیں معترض نے بے تمیزی کی وجہ سے ان کو زکوٰۃ کے ساتھ مشابہ قرار دیا ہے۔

اس جواب سے بھی پوری طرح واضح ہوا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک شریعت کے اجتماعی احکام (مثلاً حدود و تعزیرات) اسی طرح مطلق ہیں جس طرح نماز کا حکم مطلق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان احکام کو مقید کرنے کی کوئی

شرعی دلیل موجود نہیں ہے اب اگر کوئی شخص ان اجتماعی احکام کو مقید قرار دیتا ہے تو وہ ایک بالکل بے دلیل بات کہتا اور اہل السنۃ والجماعۃ کے متفقہ مسلک کے خلاف مسلک اختیار کرتا ہے ۔

کیا ہم اقامتِ صلوٰۃ کی تکمیل کر رہے ہیں؟

شریعت کے بہت سے احکام تو ایسے ہیں کہ آج ہم ناقص حد تک بھی ان کی تعمیل نہیں کر سکتے لیکن جن فرائض کو ادا کر کے ہم میں کے بہت سے افراد مطمئن ہو بیٹھے ہیں ۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے ہمارے روزے اور ہماری نمازیں بھی مکمل نہیں ہیں اس لیے کہ علمائے امت نے امام المسلمین کے فرائض کی فہرست میں ارکانِ اربعہ کی اقامت کو بھی داخل کیا ہے ۔ کسی کتاب میں اقامۃ الجمعۃ والاعیاد واخذ الصدقات (جمعہ اور عیدین کی اقامت اور زکوٰۃ کی تحصیل) کے الفاظ آئے ہیں اور کسی میں اقامۃ ارکان الاسلام کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ۔ احادیث میں آتا ہے کہ جب تک امام اقامتِ صلوٰۃ کرتا رہے اس کے خلاف بغاوت صحیح نہیں معلوم ہوا کہ اقامتِ صلوٰۃ امام کے اہم فرائض میں سے ایک فریضہ ہے ۔

ارکانِ اسلام کی اقامت کا مطلب یہ ہے کہ ائمۂ صلوٰۃ، محصلینِ زکوٰۃ اور امیر الحج کا تقرر اسی طرح رمضان کے روزوں اور عیدین کی نماز کے لیے رویت ہلال کی شہادت قبول کرنے والے قاضیوں کا تقرر امام خود یا اپنے نائبین کے ذریعہ کرے گا اور یہی تقرر شرعاً صحیح ہوگا ۔

اس تفصیل سے دو باتیں معلوم ہوئیں ۔ ایک یہ کہ جو لوگ ارکان اربعہ کو ہر پہلو سے محض انفرادی احکام کا درجہ دیتے ہیں ۔ ان کا خیال صحیح نہیں ہے ۔ دوسری یہ کہ آج ہم جن اماموں کے پیچھے نمازیں ادا کر رہے ہیں اور جن مفتیوں کے فتووں پر روزے رکھ رہے ہیں یہ ان فرائض کو ادا کرنے کی اعلیٰ نہیں بلکہ ادنیٰ اور کامل نہیں بلکہ ناقص شکل ہے ۔ خلافت کا اقتدار صرف اقامتِ حدود ہی کے لیے ضروری نہیں ہے بلکہ اقامت ارکان اربعہ کی تکمیل کے لیے بھی ضروری ہے جو لوگ اعلاء کلمۃ اللہ اور غلبۂ اسلام کی جدوجہد سے الگ رہ کر اپنی نمازوں اور روزوں کو مکمل سمجھ رہے ہیں اور اس پر مطمئن ہیں انہیں غور کرنا چاہیے کہ ان کا یہ اطمینان صحیح ہے یا غلط ۔

بقیہ: اللہ کی آخری کتاب ۔ یہ الفاظ ہرگز ان گرے پڑے معنی میں استعمال نہیں کیے ہوں گے جو اخلاق کے خلاف پڑتے ہوں بلکہ یقیناً یہاں ان کا استعمال اعلیٰ مقصد کے لیے ہوا ہے تو کیا ٹھیک اتنا ہی کریڈٹ جتنا کہ انسانی ادیب

کو دیا جا سکتا ہے ۔ یہ حضرات خدا کو نہیں دے سکتے ہ ۔ کہ اس نے اپنے "آسمانی ادب" میں ان الفاظ کو زمینی پستیوں کے ساتھ استعمال نہیں کیا ہے بلکہ وہ یقیناً عورت اور شراب سے تعلق رکھنے والی ان تمام جنسی قربانیوں کے صلے میں جو خدا کے لیے دی گئیں ۔ ایک ایسی "حور" کا وعدہ کر رہا ہے جس میں دنیا کی عورت کی ہر خوبی سے بڑی خوبی تو ہوگی مگر اس کی کوئی برائی اس میں موجود نہ ہوگی اور یہ کہ وہ ایک ایسی "شراب" کا ذکر کر رہا ہے جس کے پاک اور صاف اثرات میں دنیا کے گندے نشے کا نام و نشان تک نہ ہوگا ۔

سوچنے کی بات ہے کہ جو خدا جنت کا خالق ہے وہی اس دنیا کا بھی خالق ہے ۔ تو کیا اس نے اس دنیا میں ہمارے لیے ایک پاکیزہ مرد اور پاکیزہ خوبیوی کو سب سے بڑی نعمت نہیں بنایا جس سے ہم بڑے شوق سے جائز سکونِ زندگی حاصل کرتے ہیں اور کیا اس نے اس دنیا میں ہمیں محبت کی وہ دولت نہیں دی جو ہمیں جی جان سے پیاری ہے ۔ اس کے بعد آدمی آخر خدا کا شکر کیوں نہ ادا کرے کہ اس نے جنت کو بھی ہماری ان پسندیدہ ترین نعمتوں سے بھی بڑی نعمتوں سے سجایا ہے ۔۔۔ رہی یہ تشویش کہ بہت سی حوروں کی موجودگی میں جنتیوں کی بیویوں پر کیا گزرے گی تو خدا کا وعدہ ہے کہ جنتی مردوں اور جنتی عورتوں دونوں کے لیے وہاں نہ کوئی غم ہوگا اور نہ کوئی خوف ۔۔۔ جو خدا اس دنیا میں عورت کے اندر ایک خاص رشک کی قوت پیدا کر سکتا ہے وہی خدا کیا اس دنیا میں اس قوت کو الٹ نہیں سکتا ؟ خود اس دنیا میں اس کی ایک کھلی ہوئی مثال موجود ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان جب محبت میں رشک کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے کس طرح وہی رشک خدا کی محبت میں جا کر بالکل الٹ کر رہ جاتا ہے ۔ اس دنیا میں خدا سے محبت کرنے والے ہر شخص کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ ساری دنیا کے لوگ اسی ایک خدا سے محبت کرنے لگ جائیں جس سے اسے خود محبت ہے ۔ ایسا چاہتے اور سوچتے ہوئے ایک مومن کو رشک اور رقابت کے بجائے خوشی اور انتہائی خوشی حاصل ہوتی ہے ۔ (باقی)

Monthly 'ZINDGI' Rampur, Sept. 1965 Regd. No. L-688

ہندی میں سیرت پاک کے بعد،

اسلامی مملکت کے خلیفہ اول حضرت ابوبکر
کی مکمل سوانح حیات

* حضرت ابوبکر *

— مرتبہ —

کوثر یزدانی

قیمت — 90 پیسے

ابتدائی اسلامی تاریخ سمجھنے کے لئے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں دونوں کے لئے انتہائی مفید اور کار آمد کتاب۔

★ عام فہم ★ موثر انداز بیان ★ بیش قیمت مواد

خود بھی پڑھئے دوسروں کو بھی پڑھائیے

منیجر مکتبہ زندگی و کانتی رامپور۔ یوپی

Only Title printed at Shanker Press, Rampur

ماہنامہ

زندگی

رام پور، یوپی

سالانہ چھ روپئے　　　　فی پرچہ ۶۰ پیسے

لائق مطالعہ کتابیں

تجدید و احیائے دین — یہ کتاب تجدید اسلام کے مسئلے پر تاریخی اور اصولی بحث ہے اس میں سب سے پہلے اسلام اور جاہلیت کی اصولی کشمکش کا جائزہ لیا گیا ہے پھر تجدید کی حقیقت مجدد کی تعریف اور مجدد کے کام کی وضاحت کی گئی ہے اس کے بعد مجددین کے تجدیدی کارناموں پر تبصرہ کیا گیا ہے جنہوں نے تاریخ اسلام پر اپنا ایک مستقل اثر چھوڑا ہے مجددین کی فہرست عمر بن عبدالعزیز سے شروع ہو کر حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسمعیل شہید پر ختم ہوتی ہے۔

از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی — قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

مسئلہ قومیت — مغرب میں قومیت اور قوم پرستی Nationalism کا جو مفہوم ہے وہی مفہوم ہندوستان میں مقبول ہو رہا ہے مگر اسلام اس قومیت اور قوم پرستی کا قطعی مخالف ہے اس کتاب میں اس مسئلے کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے۔

از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی — قیمت ایک روپیہ ۷۰ پیسے

حقیقت شرک — اس رسالہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ انسان کی فطرت توحید ہے شرک کی غلطی محض سوء فہم اور دوسری کمزوریوں کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے —

از مولانا امین احسن اصلاحی — قیمت دو روپے

دین حق — اس مقالہ میں مولانا مودودی نے ثابت کیا ہے کہ اسلام ہی اللہ کے نزدیک قابل قبول دین ہے —

قیمت ۳۷ پیسے

شہادت حق — اس رسالہ میں امت مسلمہ کو اس کے مقصد وجود کا احساس دلایا گیا ہے —

از ابو الاعلیٰ مودودی — قیمت ۳۱ پیسے

— ملنے کا پتہ —

منیجر مکتبہ زندگی و کانتی۔ رامپور۔ یو۔ پی

ماہنامہ

زندگی

جلد:- ۳۵		جمادی الاخریٰ ۱۳۸۵ھ
شمارہ:- ۴		اکتوبر ۱۹۶۵ء

مدیر:- سید احمد قادری

● خط وکتابت وارسالِ زر کا پتہ — منیجر زندگی رامپور۔ یو۔ پی

● زرِ سالانہ:- چھ روپیہ ــــ ششماہی:- تین روپیہ ــ فی پرچہ:- ۶۰ پیسے
ــــ ممالک غیر سے:- بارہ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

مالک:- جماعت اسلامی ہند۔ ایڈیٹر سید احمد [illegible] قادری۔ پرنٹر پبلشر:- [illegible] حسن [illegible]۔ [illegible] پریس [illegible]
مقام اشاعت: دفتر زندگی رامپور

اشارات

سید احمد قادری

ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی صورت

بعض لوگ ایسا سمجھ سکتے ہیں کہ جب تک ہم خلافت علیٰ منہاج النبوۃ یا اسلامی حکومت بالفعل قائم نہ کر دیں، اس وقت تک اقامت دین کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ ہندستان میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے اور یہاں بالفعل اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکتی اس لیے ہم اس فریضے کے مکلف نہیں ہیں لیکن ایسا سمجھنا دین کے ایک مسلمہ اصول سے غفلت کا نتیجہ ہوگا۔ وہ مسلمہ اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر حکم کے سلسلے میں بندے کی اصل ذمہ داری یہ قرار دی ہے کہ وہ اسے انجام دینے کی سعی کرے اور اس سعی میں اپنی حد استطاعت تک کوتاہی نہ کرے۔ اگر اس نے سعی کرلی تو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گیا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انسان جب تک کسی حکم کی تعمیل میں کامیاب نہ ہو جائے اور بالفعل اس پر عمل نہ کرے اس وقت تک وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ انہیں اپنے خیال کی تصحیح کر لینی چاہیے۔ اس اصول کو دین کے ایک دوسرے مسلمہ اصول سے تقویت ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان پر اتنی ہی ذمہ داری عائد کرتا ہے جو اس کی حد استطاعت کے اندر ہو وہ کسی پر کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالتا جسے وہ اٹھا نہ سکے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ ۲۸۶)

اللہ تعالیٰ ہر نفس پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالتا ہے جو اس کی استطاعت میں ہو۔

اس اصول سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی انسان کسی ایسے حکم کا مکلف نہیں ہے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ دوسری یہ کہ جس حکم کا وہ مکلف ہے اس میں بھی اس کی ذمہ داری اسی حد تک ہے

جو اس کے مقدور کے اندر ہو ـــــــ اللہ کا تقویٰ تمام دینی احکام کی روح ہے اور اِتَّقُوا اللّٰہَ (اللہ کا تقویٰ اختیار کرو) کے حکم سے قرآن بھرا ہوا ہے لیکن اس کی ادر جامع حکم کی تعمیل کا مطالبہ بھی بندے کی استطاعت کے اندر ہی ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (تغابن ر۲) — پس (اے مسلمانو!) جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

اگر مومن اپنی استطاعت کی حد تک تقویٰ اختیار کر لے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے تقویٰ کا حق ادا کر دیا۔ یہی بات ہے جو سورۂ آل عمران میں کہی گئی ہے:۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ (آل عمران ر۱۱) — اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ حق ہے ڈرنے کا۔

ظاہر ہے کہ کسی کے حق کی ادائیگی استطاعت کے اندر ہی ممکن ہے اس سے باہر نہیں ـــــ جزوی احکام میں بھی بندے کی مزید تسلی و تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ نے استطاعت کی قیدیں لگائی ہیں مثلاً فرمایا گیا ہے:

وَاَعِدُّوا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ (انفال ر۸) — اور دشمنوں سے مقابلہ کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے مہیا رکھو

جب فرضیتِ حج کا حکم نازل ہوا تو اس میں بھی استطاعت کی قید لگائی گئی۔

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا (آل عمران ر۱۰) — اور لوگوں پر فرض ہے کہ وہ خدا کے لیے خانہ کعبہ کا حج کریں جن کو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو

اسی طرح مطلقہ بیوی کی رہائش کے لیے گھر مہیا کرنے اور بچے کی پرورش کا خرچ برداشت کرنے کے احکام دیتے ہوئے کہا گیا ہے:۔

اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ (الطلاق ر۱) — مطلقہ عورتوں کو (عدت کے لیے) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہو

لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَۃٍ مِّنْ سَعَتِہٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْہِ رِزْقُہٗ — جس کو وسعت ہو اس کو چاہیے کہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس کی آمدنی

لِيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا (الطلاق ۷)

نپی تلی ہو وہ جتنا اس کو خدا نے دیا ہے اسی کے مطابق خرچ کرے۔ خدا نے جس کو جتنا دے رکھا ہے اس سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے احکام میں اسی اصول کی توضیح کی ہے :-

ثَبَتَ فِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ (بخاری و مسلم)

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث مروی ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تمہارا بس چلے اسے انجام دو اور جب کسی چیز سے روک دوں تو اس سے اجتناب کرو۔

صحابہ کرام سے سمع و طاعت کی بیعت لیتے وقت حضور اپنی طرف سے یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ سمع و طاعت کا یہ معاہدہ تمہاری استطاعت کے اندر ہے اس سے باہر نہیں

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ كُنَّا نُبَايِعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَيَقُولُ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ (ترمذی، ابواب السیر)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمع و طاعت کی بیعت کرتے تو آپ ہم لوگوں سے فرماتے یہ سمع و طاعت انھیں چیزوں میں ہے جو تمہاری استطاعت کے اندر ہوں۔

أُمَيْمَةُ بِنْتُ رُقَيْقَةَ تَقُولُ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نِسْوَةٍ فَقَالَ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَرْحَمُ بِنَا مِنَّا بِأَنْفُسِنَا (ترمذی ابواب السیر)

حضرت امیمہ فرماتی ہیں کہ میں نے عورتوں کی ایک جماعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ نے ہم لوگوں سے فرمایا یہ بیعت ان چیزوں میں ہے جو تمہاری استطاعت اور طاقت کے اندر ہوں۔ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہم پر خود ہم سے زیادہ مہربان ہیں۔

کتاب و سنت کے ان نصوص نے بندۂ مومن کے دل میں یہ اطمینان پیدا کر دیا کہ اللہ و رسول کی

طرف سے اس کو کسی ایسے امر کا مکلف نہیں بنایا جائے گا جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ نیز یہ کہ وہ جس امر کا بھی مکلف بنایا جائے گا اس کی انجام دہی میں اس کی حد استطاعت کا لحاظ رکھا جائے گا۔

کچھ شرعی فرائض ایسے ہیں جن کا تعلق مکلف و مامور انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے یعنی وہ بذات خود مامور ہوتا ہے کہ ان پر عمل کر کے انہیں بروئے کار لائے اور شریعت کی عائد کردہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو۔ مثال کے طور پر فریضۂ صلوٰۃ کو سامنے رکھیے۔ اس فریضے کو ادا کرنے کے لیے سب سے پہلی چیز جو کسی مامور پر واجب ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ وہ ادا کرنے کا اہتمام اور اس کے لیے سعی کرے۔ اگر اس نے سعی کر لی اور کسی ایسے مانع کی وجہ سے نماز ادا نہ کر سکا جس پر اسے قابو نہ تھا تو اس کی ذمہ داری پوری ہو گئی اور وہ آخرت کی بازپرس سے بچ گیا۔ فرض کیجیے کوئی مسلمان کسی وقت کی نماز کا پورا اہتمام کر کے جماعت سے نماز ادا کرنے کے لیے گھر سے روانہ ہوا اور راستے میں کسی حادثے کا شکار ہو کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس اس صورت میں نہ صرف یہ کہ وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گیا بلکہ اس وقت کی نماز کا اجر بھی اسے مل گیا حالانکہ بالفعل اس نے وہ نماز نہیں پڑھی۔ دوسری چیز یہ کہ فریضۂ صلوٰۃ کو جس حد تک ادا کرنے کی اس میں استطاعت ہوگی اسی حد تک وہ مکلف ہوگا۔ اگر وہ کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتا۔ تو بیٹھ کر ادا کرے گا اور بیٹھ کر بھی ادا نہیں کر سکتا تو لیٹ کر اشاروں سے ادا کرنے کا مکلف ہے۔ سعی و کوشش کے بعد ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جانے اور مستحق اجر ہونے کی صراحت ذیل کی آیت میں ہے۔

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا	اور جو شخص نکلتا ہے اپنے گھر سے اللہ اور رسول
اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ	کی طرف ہجرت کے ارادے سے پھر (راستے میں)
الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ	اسے موت آ جاتی ہے تو اس کا اجر اللہ کے یہاں
(النساء ر ۱۴)	ثابت ہو گیا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک صحابی مکے سے ہجرت کر کے مدینے جانے کے لیے اپنے گھر سے نکلے لیکن ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ مقام تنعیم میں ان کا انتقال ہو گیا۔ جب مدینے اس کی خبر پہنچی تو صحابہ نے کہا کاش وہ مدینے پہنچ کر مرتے تو انہیں پورا اجر ملتا اس کے بعد مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور اس نے واضح کر دیا کہ انہیں پورا اجر مل گیا۔ پورا اجر ملنے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ انھوں نے اپنی ذمہ داری پوری

کرلی تھی ۔ احادیث رسول نے توضیح کردی ہے کہ یہ حکم صرف ہجرت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے ۔

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خرج حاجا فمات کتب لہ اجر الحاج الی یوم القیمة ومن خرج معتمرا فمات کتب لہ اجر المعتمر الی یوم القیمة ومن خرج غازیا فمات کتب لہ اجر الغازی الی یوم القیامة

(الترغیب والترہیب بحوالہ ابویعلی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو (مسلمان) حج کے ارادے سے نکلا پھر (راستے میں) مرگیا تو اس کے لیے قیامت تک حج کرنے والے کا اجر لکھا جاتا رہے گا اور جو عمرے کے ارادے سے نکلا پھر مرگیا تو اس کے لیے قیامت تک عمرہ کرنے والے کا اجر لکھا جاتا رہے گا اور جو اللہ کی راہ میں لڑنے کے لیے نکلا اور مرگیا تو اس کے لیے قیامت تک غازی کا اجر لکھا جاتا رہے گا ۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ذیل کی حدیث روایت کی ہے :۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال بینا رجل واقف مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعرفة اذ وقع عن راحلتہ فاقعصتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اغسلوہ بماء وسدر وکفنوہ بثوبیہ ولا تخمروا راسہ ولا تحنطوہ فانہ یبعث یوم القیمة ملبیا

(الترغیب والترہیب بحوالہ بخاری ومسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ ایک شخص میدان عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے اونٹ پر سوار تھے کہ اچانک وہ اپنے اونٹ سے گرگئے اور اونٹ نے ان کی گردن توڑ دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو پانی اور بیری سے غسل دو اور انھیں کے دونوں کپڑوں کا کفن دو اور ان کا سر نہ ڈھانکو اور نہ انھیں خوشبو لگاؤ اس لیے کہ یہ قیامت کے دن تلبیہ (لبیک لبیک) پڑھتے ہوئے اٹھائے جائیں گے

سورۃ النساء کی مذکورہ بالا آیت اور احادیث کی توضیح نے جو ہتم بالشان اصول ہمیں دیا ہے وہ یہ

کہ اللہ ورسول کے کسی حکم پر عمل کرنے کی مخلصانہ نیت اور اس کے لیے جد وجہد ذمہ داری کے اس بوجھ کو ہٹا دیتی ہے جو اس حکم نے انسان کے کندھے پر رکھا تھا۔ مانع کی وجہ سے بالفعل اس حکم کی عدم تعمیل کے باوجود وہ خدا کے سامنے سرخرو اور اس اجر کا مستحق ہوجاتا ہے جو اس حکم پر عمل کرنے والوں کے لیے مہیا کیا گیا ہے۔

بات واضح ہو چکی ہے لیکن اقامت دین کے نصب العین سے اس کا گہرا تعلق ہے اس لیے اس کی مزید توضیح مقصود ہے۔ حج اور ہجرت کی گزشتہ مثالوں میں ان اعمال سے مانع موت ہوئی ہے۔ موت ایک ایسی چیز ہے جس پر انسان کی عدم قدرت بالکل واضح ہے۔ شبہہ ہو سکتا ہے کہ شاید کسی دوسرے مانع کا یہ حکم نہ ہو۔

اوپر جو اصول بیان کیا گیا ہے اس سے یہ شبہہ دور ہو جانا چاہیے لیکن احکام شرع میں ایسی منصوص مثالیں بھی موجود ہیں جو اس شبہے کو بالکل ختم کر دیتی ہیں۔

قتال فی سبیل اللہ کو دین میں جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ امام وقت کی طرف سے اگر نفیر عام ہو جائے تو ہر بالغ اور تندرست مسلمان پر جہاد میں شرکت واجب ہو جاتی ہے۔ اس صورت حال میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو تندرست ہیں اور جہاد میں شرکت کر سکتے ہیں وہ دل کے پورے ولولے کے ساتھ شریک بھی ہونا چاہتے ہیں لیکن شرکت کے لیے سامان کی ضرورت ہے اور سامان ان کے پاس نہیں ہے وہ دوڑ دھوپ کرتے ہیں کہ خود اس کا انتظام کر لیں لیکن وہ اپنے مال میں اس کی گنجائش نہیں پاتے وہ دوڑے ہوئے امام کے پاس جاتے ہیں کہ بیت المال سے ان کی مدد کی جائے لیکن بیت المال بھی خالی ہے۔ وہ اب کیا کریں۔ بے بس ہو کر روتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں اور غزوے میں شریک نہیں ہوتے۔ ایسے افراد کا کیا حکم ہے؟ شرکت جہاد کی ذمہ داری ان سے ساقط ہوتی یا نہیں؟ اس غزوے کے اجر میں وہ شریک ہوئے یا نہیں؟ کتاب وسنت دونوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ ان کی مخلصانہ نیت اور سعی و کوشش نے نہ صرف یہ کہ شرکت جہاد کی ذمہ داری ختم کی بلکہ انہیں اجر میں بھی حصہ دار بنا دیا۔ سورۂ توبہ کی آیت ۹۲ پڑھیے۔ اس میں وہی نقشہ کھینچا گیا ہے جو اوپر گزرا اس آیت نے ایسے لوگوں کو الزام سے بری قرار دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش خبری سنائی ہے کہ وہ جہاد کے اجر میں شریک ہوئے بلکہ حضورؐ کے الفاظ تو یہ ہیں کہ مدینے میں قیام کے باوجود وہ سفر جہاد کے ہر مرحلے میں مجاہدین کے ساتھ رہے۔ معلوم ہوا کہ مخلصانہ نیت اور کوشش کے بعد موت سے کم درجے کا مانع بھی انسان کے سر سے ذمہ داری کا بوجھ

ہٹا دیتا اور اسے اجر کا مستحق بنا دیتا ہے۔

کچھ شرعی فرائض ایسے ہیں جن کا تعلق دوسروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایسی ذمہ داریوں میں یہ بات اور واضح ہے کہ ان کا مقصد جد وجہد اور سعی و کوشش کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہاں مامور کی ذمہ داری سرے سے یہ ہوتی ہی نہیں کہ وہ اس چیز کو وجود میں لے آئے بلکہ صرف یہ ہوتی ہے کہ اسے وجود میں لانے کی سعی کرے۔ اس کی واضح مثال اللہ کا یہ حکم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (التحریم ۶)

اے مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

یہ آیت دونوں قسم کے احکام کی جامع ہے ایک کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے اور ایک کا تعلق دوسروں سے ہے۔ ہم یہاں اب دوسری قسم کے احکام سے بحث کر رہے ہیں۔ یہ آیت ہر مسلمان کو اس کا بھی مکلف قرار دیتی ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اپنی اولاد کو بھی جہنم کی آگ سے بچائے۔ سوچیے۔ اس تکلیف اور اس ذمہ داری کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ اللہ نے ہر مسلمان کو ذمہ دار قرار دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی اولاد اور گھر کے دوسرے لوگوں کے دلوں میں ہدایت کا نور ڈال دے۔ انہیں خدا کا فرماں بردار بنا دے اور بہرحال انہیں خدا کی نافرمانیوں سے روک دے۔ ظاہر ہے کہ یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کیونکہ یہ ذمہ داری تو اللہ نے اپنے رسولوں پر بھی نہیں ڈالی۔ عام مسلمانوں کو وہ اس کا مکلف کیسے قرار دے سکتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا اور ان کی بیوی دونوں ہی خدا کی نافرمانی پر اڑے رہے اور عذاب الٰہی میں غرق ہوئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بغاوت پر جمی رہی اور خدا کے عذاب میں گرفتار ہوئی۔

جب یہ مطلب نہیں ہو سکتا تو پھر اس ذمہ داری کا مقصد کیا ہے؟ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہر مسلمان پر اپنی بیوی بچوں اور گھر کے دوسرے افراد کی اصلاح کے لیے سعی و جہد ضروری ہے وہ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اپنی وسعت کے اندر ان کی اچھی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرے۔ نیکی پر انہیں ابھارتا رہے

باقی صفحہ ۹۴ پر ملاحظہ ہو

اللہ کی آخری کتاب

(قسط ۲)

(جناب شمس نوید عثمانی)

(۴) **قرآن اور رسول کا خالص انسانی تصور** قرآن کی چوتھی خوبی جس میں تمام پہلی مذہبی کتابوں سے وہ بالکل الگ اور اونچا نظر آتا ہے یہ ہے کہ خدا کا پیغام لانے والے رسول کا خالص ہوشمندانہ تصور پیش کیا ہے۔ قرآن وہ نرالی کتاب ہے جو اپنے لانے والے رسول کو خدا، خدا کا بیٹا، دیوتا یا اوتار ثابت کرنے کی کوئی کوشش تو کیا کرتی بڑے زور شور سے یہ اصرار کرتی ہے کہ محمد ایک آدمی ہیں تمہارے جیسے آدمی۔ بس فرق یہ ہے کہ ان کے پاس خدا کا فرشتہ خدا کا پیغام لے کر آتا ہے۔ اس کا محض یہی اصرار نہیں کہ محمد ایک آدمی ہیں بلکہ یہ بھی کہ آدمیوں کی ہدایت کے لیے رسول کو آدمی ہونا ہی چاہیے جو آدمی کے جذبات اور کمزوریوں سے خود بھی واقف ہو اور اس کے باوجود خدا کے اس دین پر چل کر دکھائے جس پر چلنے کی دعوت عام انسانوں کو ان کی تمام کمزوریوں کے ہوتے ہوئے دی جا رہی ہے۔ اگر خدا یا انسان سے بلند تر کوئی مخلوق رسول بنا کر بھیج دی جائے اور وہ خدا کے احکام پر چل کر بھی دکھائے تو بھی تمام کمزوریاں رکھنے والا آدمی کل خدا کی عدالت میں کھڑے ہو کر یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھ جیسے کمزور آدمی کے لیے ان احکام پر چلنا ممکن ہی کہاں تھا؟

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ	کہہ دو کہ میں آدمی ہوں تمہاری طرح
يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ	(بس فرق یہ ہے کہ) میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا
وَاحِدٌ (کہف)	معبود تو بس ایک ہی معبود ہے۔ (کہف)

قرآن کا کہنا ہے کہ جب کبھی کوئی رسول آیا تو مذاق اڑانے والوں نے یہی مذاق اڑایا کہ "اے! یہ

کیسا رسول ہے جو آدمی ہے - ہماری طرح کھاتا پیتا اور بازاروں میں کام دھام کے لیے گھومتا پھرتا ہے! ــ خواہ اس کے بلاتے ہی ان ہی لوگوں نے اس کو خدا یا دیوتا بنا لیا جب کہ جیتے جی وہ خدا کا رسول بھی ماننے کو تیار نہ تھے - یہاں سے یہ اندازہ لگانا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ بعض دوسرے مذاہب میں رسالت کا عقیدہ "ابنیت" اور اوتار واد کے عقیدے میں کیوں اور کیسے تبدیل ہوا اور یہ کہ قرآن میں جو رسول کا تصور دیا گیا ہے وہ تصور ایسا نہیں کہ دوسرے مذاہب میں اس کی کوئی بھی بگڑی ہوئی شکل نمونے کے طور پر اور بعض سدھری ہوئی بات ثبوت کے طور پر موجود نہ ہو جن انسانوں کو بعد میں خدائی کا درجہ دے دیا گیا - یہ ایک ایسا راز ہے جس کو عقل بھی سمجھنے سمجھانے سے عاجز ہے اور خود دوسرے مذاہب کے صحیفے بھی! اس لیے کہ خود اپنشد اور گیتا کے سناتن دھرمی لٹریچر میں یہ چیز اب تک موجود بتائی جاتی ہے کہ :-

HE IS NOT BORN, HE DOES NOT DIE NOR IS HE BEGOTTEN OF A WOMB. NOR IS ANY ONE BORN OF HIM. HE IS AJA, THE UNBORN, NITYA SAVATA, THE ETERNAL PURANO, THE ANCIENT.

(KAT. 1.2.18)

نقل اقتباس از :- از مسٹر لکشمی نرسو بی اے

ایل ایل بی ایڈوکیٹ شائع کردہ ساہتیہ سیوا سدن -

ترجمہ :- وہ جنم نہیں لیتا - وہ مرتا نہیں - نہ ہی وہ کسی رحم مادر سے جنم لیتا ہے - وہ اجا یعنی جنم نہ لینے والا ہے - نتیا سوتا یعنی سدا رہنے والا ہے - پرانو یعنی سدا سے ہے -

قرآن کی پانچویں خوبی جس میں وہ

قرآن جو زندگی کو روح اور بدن، روح اور مادے کے دو ٹکڑوں میں نہیں بانٹتا

اس قدر تنہا ہے کہ یہ خوبی بعض دوسرے مذاہب میں بدلتے بدلتے خوبی سے عیب بن گئی ہے کہ وہ زندگی اور مذہب کو روح اور بدن، دنیا اور دین کے دو خانوں میں نہیں بانٹتا - اس کے نزدیک نہ بدن نجس ہے اور دنیا بھاگ کھڑے ہونے کے قابل کوئی بری جگہ، بلکہ وہاں تو پوری زندگی ایک اکائی ہے - روح بدن ہی کے ذریعے اعمال صالحہ کا کام لیتی ہے اور یہی دنیا اس آنے والی دنیا کی کھیتی ہے - خدا تک پہنچنے کے لیے وہ دنیا کے ادھر ادھر سے چلنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ ضروری قرار دیتا ہے کہ اس دنیا کے ٹھیک بیچ میں سے نیکی اور

بدی کی کش مکش کرتے ہوئے پسینے پسینے ہو کر آدمی اپنے خدا تک پہنچے۔ اس لیے "قرآن کا خدا" کوئی ایسا خدا نہیں جو بس معبد اور مسجد میں رہتا ہو بلکہ وہ تو ایسا مکمل خدا ہے جس کا حکم ٹھیک اسی طرح گھر، بازار، عدالت، میدانِ جنگ، قانون ساز ایوانوں اور زندگی کے ہر ہر شعبے میں نافذ ہو گا جس طرح کوئی پجاری معبد میں اس کے آگے خود کو بالکل ڈال دیا کرتا ہے۔ اسی لیے قرآن محض عقیدے ہی نہیں دیتا بلکہ ان عقیدوں پر چلنے کے لیے زندگی کے تمام گوشوں کو گھیرنے والا قانون بھی دیتا ہے۔ وہ جہاں آنے والی دنیا کی باتیں کرتے ہوئے آسمانوں سے اوپر اڑتا ہے وہاں اس دنیا میں جینا سکھانے کے لیے اینٹ پتھر کی دنیا کو سسنی خیز حد تک چھو لیتا ہے۔ جس طرح وہ مسجد میں نماز پڑھنا سکھاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح گھر میں بیوی بچوں کے درمیان رہنا سہنا، بازار میں چلنا پھرنا، دوکانوں پر مول تول کرنا اور ترازو اٹھانا۔ جنگ کے میدان میں اترنا اور صلح کی بات چیت کرنا قومی اور بین الاقوامی معاملات چکانا اور عدالت میں بیٹھ کر مقدموں پر انصاف کرنا بھی سکھاتا ہے۔ وہ جس طرح نماز کے لیے وضو کرنا سکھاتا ہے اسی طرح بدن کو نجاست سے پاک کرنے کا طریقہ بھی سکھاتا ہے۔ غرض زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑتا جہاں اس کے قانون کی روشنی نہ پہنچتی ہو اور زندگی کو وہاں خدا کے بجائے کسی غیر خدا کے حوالے کر دیتی ہو۔ اس کے نزدیک پوجا پاٹ کے محض سانسوں اور چند گھڑیوں کا نام عبادت نہیں بلکہ گہوارے سے قبر تک پوری کی پوری زندگی اپنی تمام دینی اور دنیوی تفصیلات کے ساتھ خدا کے قانون اور ضابطہ حیات کے مطابق ڈھل کر ایک مسلسل پرستش اور ایک کبھی نہ ختم ہونے والی سجدہ ہو جانی چاہیے۔ جہاں آدمی ہر کام اس لیے کرے کہ وہ کام اس کے خدا نے یا تو اپنا حق یا آدمی کے بدن کا حق یا آدمیوں پر دوسرے آدمیوں کا ایک حق ٹھہرا دیا ہے۔

قرآن کی یہ تعلیم نظری نہیں جس رسول کے اوپر یہ قرآن اتارا گیا خود اس رسول اور اس دور کے مسلمانوں نے ایسا ہی کر کے بھی دکھا دیا۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ خود رسول نے جتنا کچھ کرنے کے لیے دوسروں سے کہا تھا اس سے زیادہ خود کر کے دکھا دیا۔ کسی نے پیغمبر کی ایک بیوی حضرت عائشہؓ سے جب حضور کی زندگی کے متعلق پوچھ کچھ کی تھی تو اسی لیے انہوں نے محض یہ جواب دیا تھا کہ "کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ ان کی عملی زندگی ہو بہو قرآن

۷، قرآن — جس نے تاریخی انقلاب بھی برپا کیا

قرآن کی چھٹی خوبی یہ ہے اور اس خوبی میں بھی وہ تاریخی امتیاز رکھتا ہے یہ ہے کہ اس کی تعلیم محض اس کے صفحات ہی میں بند نہیں رہی بلکہ اس نے ایک دو نہیں، لاکھوں اسی طرح کے انسان بھی پیدا کیے۔ وہ جگہ

یہ سماج وجود میں لانا چاہتا ہے ٹھیک ویسا ہی سماج تاریخ کے سامنے اس زمین پر اور اس آسمان کے
نیچے وجود میں آیا۔ وہ جس طرح کی امت تیار کرنا چاہتا ہے اور جس طرح کا آسمانی سماج قائم کرنا چاہتا ہے
ویسا ہی سماج اس آسمان کی آنکھ نے اس زمین پر دیکھ بھی لیا اور یہ اعلیٰ درجے کا ارتقا جن لوگوں نے
کیا وہ دنیا میں اس وقت جہالت اور پستی کے بدترین غار میں پڑے تھے — جہاں ایسا انقلاب برپا کیا
وہ ملک سمندروں سے گھرا ہوا اور ریت کے اڑتے ہوئے ٹیلوں سے پٹا ہوا دنیا کی تہذیب اور تمدن سے
بالکل الگ تھلگ پڑا ہوا تھا۔ جس زمانے میں اس علم و عمل کی جوت جلائی اس زمانے میں جہالت اور بربریت
بدعملی اور بے عملی کا اندھیارا اپنے پورے جوبن پر تھا۔

پھر یہ انقلاب عظیم اس نے کسی کونے میں بیٹھ کر نہیں کیا جہاں دوسرے ملکوں نے اس کی جھلک نہ دیکھی ہو
بلکہ ہوا یہ کہ اس انقلاب عظیم میں ڈھلے ہوئے جیتے جاگتے انسان عرب اور عرب سے باہر تاریخ کی تیز
روشنی میں چلتے پھرتے دیکھے گئے۔ وہ نہ صرف یہ کہ خود قرآن سے پوری طرح متاثر ہوئے بلکہ خود بھی جہاں
گئے وہاں کے لوگوں کی کایا پلٹ کر دی۔ اس طرح انسانیت کے ایک آخری درجے کے پچھڑے ہوئے گروہ کو
اتنا اونچا اٹھا کر قرآن نے ثابت کر دیا کہ وہ ایسی زبردست خدا کی مؤثر ترین آواز ہے جو مٹی کے اندر پڑے ہوئے
حقیر اور سیاہ کوئلے کو چمکتا ہوا انمول ہیرا بنا کر دکھا دیتا ہے۔

اس کتاب کی گود میں پروان چڑھنے والی اس قوم کو خدا نے کس طرح یہ زبردست نعمت دی کہ وہ ذلت
کی کیچڑ میں پڑے تھے اور خدا نے ان کو دنیا جہان کی عزت سے نوازا۔ وہ غلام اور کچلے ہوئے تھے۔ مگر خدا
نے ان کو اتنا بڑا فاتح بنایا کہ وقت کی دو بڑی بھاری سلطنتیں ایران و روم ان کے قدموں میں آگریں۔ وہ
ایک دوسرے کے دشمن تھے اور اللہ نے ان کو ایسے قابل رشک بھائی چارے سے جوڑ دیا کہ سچ مچ سگے بھائیوں
کی محبت بھی گرد ہو کر رہ گئی اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ دوزخ کے کنارے آ لگے تھے کہ اللہ نے ان کو
آگ کے اس بھیانک گڑھے سے بچا کر جنت کی سیدھی راہ کا امام بنا دیا۔ اس طرح اس کا تجربہ پورا
ہو گیا کہ اس کتاب پر چلنے سے ایک قوم کو کیا کیا نعمتیں مل سکتی ہیں۔ اب یہ دیکھنا اور دکھانا باقی تھا کہ اس
کتاب سے ہٹنے کا انجام کیا ہے؟ چنانچہ اب یہ تجربہ بھی دنیا کی آنکھوں کے پوری طرح سامنے ہے۔ دیکھ لیجیے کہ
جوں جوں وہی مسلمان اس کتاب سے دور ہٹتے گئے وہ ذلت اور گراوٹ کا لقمۂ تر بنتے گئے۔ پھر نہ ان کو اس
پھٹکار سے ان کی بڑی بڑی سلطنتیں بچا سکیں نہ حیدر کے قلعے، نہ بہترین فوجیں اور نہ [illegible] اسلحہ اور

کتب خانے آج ان کی جو حالت ہے وہ ساری دنیا حیرت سے دیکھ رہی ہے کہ کروڑوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود وہ تنکوں سے زیادہ کمزور ہیں اور دنیا کے بڑے رقبے پر بسے ہوئے ہونے کے باوجود دنیا میں کہیں ان کا محفوظ ٹھکانہ نہیں۔ اور یہ سب کچھ اس گناہ کی دکھ بھری سزا ہے کہ خدا نے دنیا کے تمام ساز و سامان، اور اسباب و وسائل کے بغیر خالص جس کتاب کی برکت سے مالامال کیا تھا انھوں نے نہ صرف یہ کہ اس کتاب سے خود فائدہ اٹھانا چھوڑ دیا بلکہ اپنی بدعملی اور بگاڑ کے ذریعہ وہ تو اس آسمانی کتاب اور زمین کی دوسری قوموں کے بیچ ایک نفرت بھری دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ اب جو کوئی ان کی بگڑی ہوئی حالت دیکھتا ہے اس کتاب کے لیے اسے کوئی دلچسپی کیا محسوس ہو سکتی ہے جس کو لپیٹ کر ان لوگوں نے طاقوں میں رکھ دیا ہے۔ آہ! یہ دنیا کی عجیب و غریب کتاب جس نے کل انھیں اونچا اٹھایا تھا آج دوسری قوموں کو آواز پر آواز دے رہی ہے کہ أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ تم ہی سب سے اونچے ہو گے اگر تم مومن ہو جاؤ — جس طرح یہ کتاب ایک نبی کے سینے میں اتری اور لاکھوں حافظوں کے سینوں میں محفوظ ہوئی اسی طرح آج بھی ہر اس سینے میں ایمان اور زندگی کا نور پھیلا دینے کے لیے بے تاب ہے کہ جس میں نفرت اور تعصب نے دل کے دروازے بالکل بند ہی نہ کر دیے ہوں۔ خدا کی قسم! یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ کوئی بھی شخص کھلے دل سے سچ مچ اپنے ایک اور سچے خدا کی کھوج میں اس کتاب کے صفحات میں داخل ہو اور پھر یہ کتاب اس کے دل اور روح کو اپنی زبردست کشش سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پکڑ نہ لے۔

(۷) قرآن — یقین محکم والی کتاب

قرآن کی ساتویں خوبی یہ ہے اور یہ خوبی بھی تنہا اسی میں درجۂ کمال پر نظر آتی ہے کہ وہ یقین محکم والی کتاب ہے جس میں شک کا کہیں سے کہیں تک گزر نہیں۔ یقین ہی کو وہ ہدایت کی جڑ بتاتی ہے اور تمام گمراہیوں کا اصل سرچشمہ اس غلطی کو بتاتی ہے کہ لوگوں نے اٹکل پچو سوچنا شروع کر دیا اور ایسی باتوں کو ماننا شروع کر دیا کہ جن کا کوئی ثبوت ان کے پاس خدا کے پاس سے نہیں آتا ما گیا۔ یہ کتاب جس طرح ماضی کی خبریں انتہائی یقین کے ساتھ سناتی ہے اور جس یقین کے ساتھ اپنے ہی حال پر تبصرہ کرتی ہے اس سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ اور بلکے سے ہلکے خوف تردید کے بغیر یہ کتاب مستقبل اور تمام مستقبلوں کے آخری مستقبل آخرت کے واقعات کا اعلان کرتی ہے۔ اس کے یقین کا اندازہ اس سے کیا جائے کہ اس دنیا کے بعد جو زبردست واقعات ہونے والے ہیں ان کو وہ بار بار ماضی کے الفاظ میں اس طرح بیان کرتی ہے کہ جیسے آدمی کے لیے جو کچھ ابھی ہونے والا ہے خدا کے نزدیک گویا کہ

وہ ہو چکا! ـــــ جب صور (وہ خوفناک آواز جس کے ذریعے دنیا تہ و بالا ہونی ہے) پھونکا جائے گا" کی بات وہ یوں کہتی ہے کہ " اِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ (جب صور پھونک دیا گیا۔ جب قبروں سے اٹھنے والے مُردے قیامت کے دن جی اٹھیں گے اور وہ یہ کہیں گے کہ ہائے ہائے! ہمیں کس نے دوبارہ اٹھا کھڑا کیا! تو اس بات کو قرآن یوں کہتا ہے جیسے وہ لوگ یہ بات خدا کے نزدیک کہہ چکے! قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (وہ پکار اٹھے کہ ہائے ہائے یہ کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھا کھڑا کیا؟ (پھر خود ہی جواب دیں گے کہ آف!) یہ ہے وہ چیز جس کا وعدہ رحمٰن نے کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا!)

اور اس کتاب کے یقین محکم کا شان دار لہجہ صرف اس آخرت کے سلسلے میں نہیں ہے کہ جس کے واقعات کی تردید قیامت سے پہلے کوئی اس دنیا میں کر ہی نہیں سکتا نہیں! وہ اس مستقبل کی بات بھی ٹھیک اسی اٹل یقین کے ساتھ کر رہا تھا جو اسی دنیا میں آنکھوں کے سامنے آنے والا تھا اور سچ مچ آنکھوں کے سامنے آ بھی گیا مگر اس پیشین گوئی کے وقت اس کے واقع ہونے کے خلاف تو عام حالات ہجوم کر رہے تھے اور اس کی تائید میں کوئی ذراسی بھی علامت سرے سے موجود ہی نہ تھی۔ اس کی اس قسم کی پیشین گوئی جو اس وقت کے انتہائی ناسازگار حالات میں محض ایک "دیوانے کی بڑ" معلوم ہوتی ہوں گی آج وہی تاریخ کا ایک لازوال حصہ ہیں۔ مثلاً:۔

مکے میں جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وحشی قوم کے بیچ میں بالکل اکیلے تھے جس کی تلوار کے لیے آدمی کی گردن مولی گاجر سے بھی زیادہ سستی تھی اور جب ایک خدا کا نام لینے پر وہ سیکڑوں خداؤں کے پوجنے والے غصے سے لال پیلے ہو کر یہ طے کر چکے تھے کہ وہ اسلام اور اس کے رسول کے خون سے ہاتھ رنگے بغیر ہرگز نہ مانیں گے ۔ اتنے بھیانک خطرات کے وقت قرآن یہ پر یقین خبر دیتا ہوا اترا۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا	تم اپنے پالن ہار کے حکم پیچھے رہو کیونکہ تم ہماری نگاہوں میں ہو۔

اور یہ کہ

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ	اور اللہ تمہیں سارے جہان والوں کے شر سے حفاظت میں رکھے گا

ادھر تو قرآن کا یہ اعلان تھا اور ادھر اس خبر کے خلاف حالات کا یہ حال کہ کبھی مکے میں حضرت محمد کو شہید

کر ڈالنے کے لیے تمام قبیلے قسمیں کھا کھا کر اٹھ رہے اور ننگی تلواریں اٹھائے ہوئے ان کا گھر گھیرے میں لیے ہوئے ہیں اور رسول گھر میں موجود بھی ہیں تو کبھی مدینے میں حضورؐ کے جانے کے بعد یہودی ان کو ایک بہانے سے لا کر اور ان کو ایک دیوار تلے بٹھا کر چاہتے ہیں کہ ان پر ایک بھاری چٹان لڑھکا کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ تو کبھی یہ ہوتا ہے کہ مکے والوں کی ٹڈی دل فوج نے جنگ اُحد میں رسول کو ایک جگہ تقریباً تنہا پا کر تیروں اور تلواروں سے گھیر لیا ہے۔ مگر ان تمام حالات کی مخالف طاقت قرآن کے اس پر یقین اعلان کے آگے نہ ٹھیر سکی' پاش پاش ہو گئی۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہنا چاہیے بار بار موت کے منہ میں سے زندہ نکل نکل آئے اور آخر فطری انداز سے اپنے بستر پر ہی اس دنیا سے کوچ کیا۔

سنہ میں جب ایران کی مجوسی سلطنت نے روم کی عیسائی سلطنت کو کھلی ہوئی بہت بری شکست دیدی تھی اور عیسائیوں کے بڑے بڑے کلیدی مقامات ایرانیوں کے قبضے میں چلے گئے تھے اور دنیا یہ کہہ رہی تھی کہ ایران رومی سلطنت کو دنیا کے نقشے میں سے صاف کر دینے کا جو دعویٰ بڑھ بڑھ کر کر رہا ہے وہ اب پورا ہوا اور اب پورا ہوا۔ اس قدر ناسازگار حالات کے خلاف یکایک قرآن کی سورۂ روم اتری اور اس نے ان تمام حالات کے بالکل خلاف یہ تاریخی اعلان کیا کہ:-

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی	رومی سرزمین عرب کے پاس ہی پس کر رہ گئے
الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ	ہیں لیکن وہ اپنی مغلوبیت کے بعد چند ہی
غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ	برسوں میں پھر غالب ہو کر رہیں گے۔
سِنِيْنَ ۞ (روم)	

جس وقت قرآن نے یہ خبر دی اور اس خبر کے سچا ہونے کی مدت بھی لفظ بضع سنین بتا دی جو کم سے کم تین اور زیادہ سے زیادہ نو سال کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تو مکے کے غیر مسلموں نے جی بھر کر مذاق اڑایا اور ہنستے ہنستے ان کا پیٹ دکھ گیا۔ مگر مسلمانوں کو قرآن پر کتنا یقین تھا اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک غیر مسلم امیہ بن خلف سے اس بات کے ہونے کے لیے سو سو اونٹوں کی شرط باندھ لی۔ خدا کی شان کہ سات برس گزرنے سے پہلے وہی رومی جو پچ مچ پس کر رہ گئے تھے وہ پھر اٹھے اور فاتح ایران کی کلائی مروڑ کر پھر اپنے علاقے واپس لے لیے ___ اسی پیشین گوئی کے ساتھ قرآن نے یہ اشارہ بھی کیا تھا کہ جب دن یہ فتح کی خبر آئے گی اس دن مسلمان بھی شادیانے بجا رہے ہوں گے۔ سچ مچ ٹھیک ایسا ہی ہوا۔ رومیوں کی فتح کی خبر ایک طرف سے

آرہی تھی اور دوسری طرف سچائی اور جھوٹ کی پہلی لڑائی "جنگ بدر" میں تین سو تیرہ نہتے اور مکزور مسلمان سے والوں کی زبردست فوجوں کے پاؤں اکھاڑ رہے تھے ۔

قرآن کا یہ پُریقین پیشین گوئیوں کا انداز کسی ایک دو یا ایک دو طرح کے واقعات کے سلسلے ہی میں نہیں ہے بلکہ اس کا یہ انداز ہر طرف کو پھیلا ہوا ہے جب اُس نے یہ عجیب اعلان کیا تھا کہ :۔

"اگر تمہیں اس قرآن کے بارے میں شک و شبہہ ہے کہ جس کو ہم نے نازل کیا ہے اپنے بندے پر تو پھر لے آؤ کوئی ایک ہی سورت بنا کر اس جیسی اور بلالاؤ اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا۔ اگر تم سچے ہو۔ اور اگر پھر بھی تم یہ نہ کر سکو اور ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو پھر ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر (جھوٹے خداؤں کے بُت) ہیں اور جو انکار کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے ۔ (بقرہ)

اور دنیا کو معلوم ہے کہ واقعی ان عربوں میں سے یا غیر عربوں میں سے واقعی کوئی ہرگز ایسا نہ کر سکا کہ قرآن کی نقل میں کوئی ایسا ہی قرآن لکھ لانے کی ہمت ہی کر سکے ۔

قرآن کا یہی پریقین انداز زمین و آسمان اور طبیعی دنیا کی ان حقیقتوں کے سلسلے میں بھی ہے ۔جن کا کچھ گمان بھی اس وقت کی علمی دنیا نہ کر سکتی تھی جب قرآن اتر رہا تھا اور اب سیکڑوں سال کے سائنسی تجربات کے بعد ہی آدمی ان حقیقتوں کا پتہ چلا سکا ہے ۔ مثلاً سورۂ یسین شریف میں خدا نے کہا تھا کہ :۔

"اور سورج چلا جا رہا ہے اپنے ٹھہرنے کی جگہ کی طرف کو اور یہ زبردست اور علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے "

عرصے تک دنیا کے علوم سورج کی گردش سے بے خبر رہے ۔ اور پھر محض زمین کی گردش کا نظریہ چلتا رہا اور سورج کو ساکن مانا گیا لیکن اب سائنس اس حقیقت تک پہنچ سکی ہے کہ خود سورج اپنے تمام نظام شمسی کو لیے ہوئے سیدھا چلا جا رہا ہے ۔ قرآن اگرچہ طبیعیات اور سائنسی علوم کی کوئی کتاب نہیں اور اس طرح کے اشارے محض ذیلی طور سے اس میں آئے ہیں مگر چونکہ وہ خدا کی کتاب ہے اس لیے اس کی ہر بات آخری حقیقت کا درجہ رکھتی ہے ۔

(۸) قرآن تمام کتابوں میں بالکل اچھوتے اسٹائل والی کتاب

قرآن اپنی ترتیب عنوان بندی اور استدلال و اسلوب کے لحاظ سے بھی ساری دنیا کے لٹریچر میں سب سے الگ سب سے نرالی اور سب سے ولکش کتاب ہے ۔ صاف معلوم ہوتا

ہے کہ یہ اسلوب کسی انسانی تصنیف کے حصے میں آ ہی نہیں سکتا۔

مثلاً قرآن پڑھتے ہوئے آدمی یہ محسوس نہیں کرتا کہ کوئی خود بولے چلا جا رہا ہے اور سننے والے محض سننے کے لیے چپ چاپ بیٹھا ہوا ہے۔ نہیں وہاں تو اس کے برعکس ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد آدمی قرآن میں خدا کی آواز سنتے سنتے محسوس کرنے لگتا ہے کہ اب اس کتاب کے الفاظ میں چھپ کر خود آدمی کی اپنی روح اپنے خدا کو پکار رہی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خدا اپنے رسول سے بات کر رہا ہے مگر اس طرح دوسرے تمام انسانوں کو یہ بات سنا رہا ہے۔ جوں ہی یہ حالت دیکھتے دیکھتے آدمی کی روح تڑپتی ہے کہ اس کا خدا خود اس سے ہم کلام ہوتا تو ہم دیکھتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد مخاطب بدل جاتا ہے اور بجائے رسول کے خدا کسی قوم کسی جماعت یا بیک وقت تمام نوع انسان سے بات چیت کرتا ہوا سنائی دینے لگتا ہے کبھی یوں بات کرتے ہوئے رحمت بھری تسلی دی جاتی ہے اور آدمی کا جی چاہتا ہے کہ میں یہاں اللہ کا شکر ادا کرتا تو کہیں نہ کہیں بات بند کرکے خدا کی کتاب میں دعائیں آنے لگتی ہیں اور خدا بندے کو سکھاتا ہے کہ لو! یہ بھی ہم تمہیں سکھائے دیتے ہیں کہ ہماری بارگاہ میں شکر ادا کرنے اور دعا کرنے کے لیے تمہیں کس طرح زبان کھولنی چاہیے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خدا کی آواز سے جلال ٹپکتا ہے اور آخرت کی خوفناک گھاٹیاں سامنے لائی جاتی ہیں تو قدرتی طور سے آدمی کی روح خدا سے اس کی پناہ چاہنے کے لیے تڑپنے لگتی ہے۔ ایسے مواقع پر کہیں نہ کہیں خوف دلانے والی آیتیں رک جاتی ہیں اور کہیں تو فوراً نیکی کے اچھے اچھے انعامات کا ذکر چھیڑ کر تسلی دی جاتی ہے اور کبھی خدا کے قہر سے بچنے کے لیے بہترین دعائیں سکھائی جانے لگتی ہیں۔ کبھی ایسا لگتا ہے کہ سمندر کے جوار بھاٹا کی طرح خدا کی آواز دور سے آ رہی ہے اور خدا اپنے لیے "وہ" کی ضمیر استعمال کر رہا ہے۔ تو کبھی محسوس ہوتا ہے کہ یہ آواز پاس اور پاس آ گئی اور خدا "میں" اور پھر بڑھتے بڑھتے خاص شان سے "ہم" کی ضمیر استعمال کرتا ہوا آدمی کے دل اور روح کو چھو رہا ہے۔ کبھی محسوس ہوتا ہے کہ انتہائی شفیق ہستی اپنے چھوٹوں کو بری باتوں سے روکنے کے لیے ڈرا رہی ہے تو کبھی بڑے پیار اور چاہ کے ساتھ اچھے کاموں کے انعامات کے لیے للچا رہی ہے تو کبھی محسوس ہوتا ہے کہ ایک زبردست استاد کی طرح علم و حکمت کے موتی لٹا رہی ہے اور روح بچارہ کے لیے شدت کے ساتھ اکسا رہی ہے۔ لیکن یہ کتاب امید کے جذبات کو جگا کر سیدھی راہ پر لے آنا چاہتی ہے تو کبھی خوف اور نقصان کے احساسات کو متاثر

کرتی ہے ۔ کبھی انسان کی کاروباری طبیعت سے اپیل کرتی ہے تو کبھی اس کے اندر جذبۂ ایثار و قربانی کو ابھارتی ہے ۔ کبھی محسوس ہوتا ہے کہ یہ کتاب ایک بہترین شعر کا سا ٹھاٹ لیے ہوئے ہے اور کبھی محسوس ہوتا ہے کہ یہ تو نثر کا ایک اعلیٰ سے اعلیٰ ترین انداز لیے ہوئے ہے ۔ مگر پھر پتہ چلتا ہے کہ نہ وہ شعر ہے نہ نثر ۔ بلکہ وہ تو ان دونوں کے درمیان ۔ ان کی خوبیوں سے مالا مال اور ان کی تمام خرابیوں سے پاک و صاف ۔ کوئی تیسری چیز ہے جس کے لیے انسان کی زبان میں کوئی صحیح لفظ ہی موجود نہیں ۔

یہ "تیسری چیز" کیا اور کیسی عجیب ہے اس کا کچھ اندازہ اس بات سے کیجیے کہ یہ کتاب اگرچہ حقیقی کامیابی اور ناکامی کے اصل اسباب کو مختلف باتوں اور مختلف واقعات کے زاویے سے بار بار دہراتی ہے اور اس بار بار ایک ہی طرح کی چیز کو دہرانے میں اگرچہ مقصد اور زاویہ ضرور بدلا ہوا ہوتا ہے مگر الفاظ میں بہت زیادہ تبدیلی نہیں ہوتی ۔ لیکن اس کے باوجود ایک سچے خدا پرست کے لیے یہ کتاب بار بار کی تکرار سے ذرا پھیکی نہیں پڑتی بلکہ کچھ اور رسیلی اور میٹھی ہوتی جاتی ہے ۔ جو خدا کا بندہ اس کو ایک بار پڑھ لیتا ہے سیر ہونے کے بجائے دوبارہ پڑھنے کے لیے بے چین ہو جاتا ہے ۔ دوبارہ پڑھ کر بھی جی نہیں بھرتا تیسری بار بھی نہیں ۔ بار بار بھی نہیں ۔ بلکہ عمر بھر میں سیکڑوں اور ان گنت بار ایک ایک آدمی اس کو پڑھے چلے جاتا ہے ۔ دوسروں سے سنے چلا جاتا ہے اور ہر بار اس کتاب کے الفاظ اس کے جذبۂ توحید اور فکر آخرت پر گہری اور گہری چھاپ اور ان میں ایک نیا رس گھولتے چلے جاتے ہیں ۔ ایک عیسائی کرم فرما نے ٹھیک ہی لکھا تھا کہ قرآن یقیناً دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے

بات صرف الفاظ کی مافوق الفطرت گھلاوٹ ہی پر ختم نہیں ہوتی ۔ بلکہ یہ کتاب ایسے عجیب انداز اور الفاظ میں بات کرتی ہے کہ ان الفاظ کے معانی کا لطف لینا ہر سطح کے دل و دماغ کے لیے اس کی صلاحیت کے مطابق آسان اور ممکن ہوتا ہے ۔ خدا نے اس طرح اپنے سب بندوں کو اس کتاب کے حقائق کا حصہ پہنچانے کے لیے یوں کہنا چاہیے کہ انتہائی مشکل بات کو انتہائی آسان کر دیا ہے ۔ ایک عام سطح کے دل و دماغ کے لیے اس کا مفہوم بہت عام فہم ہے اور اونچی سطح کے دل و دماغ کے لیے وہی مفہوم اپنے اندر غور و فکر کی اتھاہ گہرائیاں چھپائے رکھتا ہے ۔ اس کے علاوہ جوں جوں آدمی کا علم اور اس کی عقل کا دائرہ پھیل رہا ہے اسی طرح ایسا لگتا ہے کہ اس کتاب کے الفاظ کے معنی بھی بڑھتے پھیلتے ہوئے زمانے

سے آگے ہی آگے نظر آتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ عجیب کتاب ہے جس کا لطف ترجمے میں ڈھال دینا قطعاً آدمی کے بس کی بات نہیں۔ بھلا اگر کسی زندہ انسان کی تصویر میں اس انسان کی تمام زندگی اور زندگی کے نت نئے گوشے اور خود زندگی کی حرکت و عمل کو منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ یہ تصویر کتنی ہی فن کاری سے کھینچی جائے۔ اس تصویر سے زیادہ سے زیادہ یہی مقصد حل کیا جا سکتا ہے کہ جس کی وہ تصویر ہے اس آدمی سے ہلکا سا تعارف ہو جائے۔ جب آدمی کی نقل اتارنے میں آدمی کی یہ بے بسی ہے تو خدا کی کتاب کا ترجمہ کرنا کتنا دشوار کام ہو سکتا ہے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے بہتر سے بہتر ترجمے بس قرآن کا بہت ہلکا سا تعارف کرا سکتے ہیں۔ کسی بھی درجے میں خود قرآن نہیں بن سکتے۔ اس لیے وا انسان جو مردہ بستیوں کے کھنڈروں کا تاریخی حال سمجھنے کے لیے آثار قدیمہ کی نت نئی زبانیں سیکھتا ہے۔ اے کاش وہ اپنے زندۂ جاوید خدا کی بات اس کے اپنے الفاظ میں سمجھنے کے لیے اس عربی مبین کو پڑھنے کی ضرورت محسوس کر سکے جس میں یہ قرآن اتارا گیا اور سارے جہان کی ہدایت کے لیے اتارا اور ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔ (ختم شد)

بُودھ مذہب میں جنت و جہنم کی تفصیل

جناب سلطان مبین صاحب ایم اے

جاہل و عالم کا متن (مجھم نکائے) ۳ : ۳ : ۹

بھکشوؤ! جاہل و نادان، جسم اور زبان سے گناہ کرکے جسم چھوڑ مرنے کے بعد جہنم میں پیدا ہوتا ہے جس کے لیے بھکشوؤ! ٹھیک سے کہنے پر کہے۔ مکمل طور پر ناپسندیدہ، مکمل طور پر بدنما، مکمل طور پر ناگوار۔ تو اسے ٹھیک سے کہنے پر جہنم ہی کہنا چاہیے۔ جہنم میں جتنی تکلیف ہے۔ بھکشوؤ! اس کی مثال دینی بھی مشکل ہے۔ ایسا کہنے پر ایک بھکشو نے کہا۔ حضرت! کیا مثال دی جا سکتی ہے۔

خداوند نے کہا ——— دی جا سکتی ہے۔ بھکشو! جیسے بھکشو! آگ لگانے والے کو پکڑ کر راجہ کو دکھلا دیا خداوند! یہ چور آگ لگانے والا ہے۔ اسے خداوند! جو چاہیں سزا دیں۔ اس کو راجہ یہ کہے۔ جاؤ جی اس شخص کو سویرے ایک سو کوڑے مارو۔ تب اسے سویرے ایک سو کوڑا ماریں۔ راجہ دوپہر کے وقت پوچھے۔ کہو وہ شخص کیسے ہے؟ ویسے ہی خداوند جی رہا ہے۔ تب اس کو راجہ یہ کہے۔ جاؤ جی! اسے دوپہر کے وقت ایک سو کوڑے مارو۔ ... ——— ... جاؤ جی! اسے شام کو ایک سو کوڑے مارو۔ تب اسے شام کو بھی ایک سو کوڑا ماریں۔ تو کیا مانتے ہو؟ بھکشوؤ! کیا وہ شخص تین سو کوڑوں سے مارا جا کر اس کے سبب سے رنج و تکلیف محسوس کرے گا؟ حضرت ایک ہی کوڑا مارے جانے پر وہ شخص اس کے سبب سے رنج و تکلیف محسوس کرے گا۔ تین سو کوڑوں کی بات ہی کیا پوچھنی؟

تب خداوند نے ہتھیلی کے برابر ایک چھوٹے پتھر کو ہاتھ میں لے کر بھکشوؤں کو مخاطب کیا ——— تو تم کیا سمجھتے ہو بھکشوؤ! کون زیادہ بڑا ہے۔ یہ جو ہتھیلی کے برابر چھوٹا پتھر میں نے ہاتھ میں لیا ہے، یا ہمالہ پربت راج! حضرت! خداوند نے جو ہتھیلی کے برابر چھوٹا پتھر (ڈھیلا) ہاتھ میں لیا ہے یہ بہت چھوٹا ہے

ہمالیہ شاہ کوہ کے مقابلے میں اس کی گنتی بھی نہیں ہو سکتی۔ مختصر حصے کو یہ بھی نہیں پا سکتا کسی درجے کے پاس بھی نہیں پہنچ سکتا۔

ایسے ہی بھکشو وا جو وہ شخص تین سو کوڑے مارے جانے پر اس کے سبب سے رنج و تکلیف محسوس کرے گا، جہنم کی تکلیف کے مقابلہ میں اس کی گنتی بھی نہیں ہو سکتی۔۔۔۔ "بھکشو وا! دوزخ کے داروغہ اس کو "بند پنجگونہ" نام کی سزا دیتے ہیں۔ گرم لوہے کی کیل کو ہاتھ میں ٹھونکتے ہیں۔ گرم لوہے کی کیل کو دوسرے ہاتھ میں ٹھونکتے ہیں۔ پیر میں ٹھونکتے ہیں۔ دوسرے پیر میں ٹھونکتے ہیں۔ چھاتی کے بیچ میں ٹھونکتے ہیں۔ وہاں وہ تکلیف، دہ تیز، شدید، کڑوی درد کو محسوس کرتا ہے۔ مگر تب تک نہیں مرتا۔ جب تک اس کے برے کاموں کا اختتام نہیں ہو جاتا۔ "تب، بھکشو وا! دوزخ کے داروغہ اسے بٹھا کر کلہاڑے سے کاٹتے ہیں۔ وہ وہاں تکلیف دہ تیز ۔۔۔۔۔ اسے اوپر پیر اور نیچے سر رکھ کر بسولہ سے کاٹتے ہیں۔ وہ وہاں تکلیف دہ تیز ۔۔۔۔۔۔ اسے رتھ میں جوت کر شعلہ زن، جلتی ہوئی، دہکتی ہوئی زمین میں لے جاتے ہیں۔ وہ وہاں تکلیف دہ تیز ۔۔۔ اسے شعلہ زن جلتے ہوئے دہکتے ہوئے انگاروں کے بڑے پہاڑ پر چڑھاتے ہیں، اتارتے ہیں۔ وہ وہاں تکلیف دہ تیز ۔۔۔۔۔ اسے اوپر پیر نیچے سر کر کے شعلہ زن جلتی ہوئی دہکتی ہوئی گرم لوہے کی دیگچی (کمبھی۔ ہانڈی) میں ڈالتے ہیں وہ وہاں جھاگ پھینکتا ہوا پکتا ہے۔ وہ وہاں جھاگ پھینکتا ہوا ایک بار اوپر آتا ہے۔ ایک بار نیچے جاتا ہے۔ ایک بار ترچھے جاتا ہے وہ وہاں تکلیف دہ تیز ۔۔۔"

"تب بھکشو وا! اسے دوزخ کے داروغہ "جہنم عظیم" میں ڈالتے ہیں۔ بھکشو وا! وہ جہنم عظیم (ایسا) ہے:۔ "چار کونوں والا، چار دروازوں والا اور ٹکڑے ٹکڑے میں ناپ کر بٹا ہوا۔ لوہے کی چار دیواری سے محصور اور لوہے سے گھرا ہوا، اس کی لوہے کی زمین روشن اور جلتی ہوئی چاروں طرف ایک سو یوجن وسیع۔ آگ سے پر ہو کر ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

بھکشو وا! طرح طرح سے اگر میں جہنم کی کہتا رہوں تو بھی، اس کی تکلیف کا بیان آسان نہیں ہے بھکشو وا! جانوروں میں چرندے جانور ہیں۔ وہ ہر تنکے کو بھی سوکھے تنکے کو بھی دانت سے چاٹ کر کھاتے ہیں۔ کون ہیں بھکشو وا! جانوروں میں چرندے؟ ہاتھی گھوڑا، گائے، گدھا، بکری، ہرن، اور جو کوئی اور بھی چرندے جانوروں کے افراد ہیں۔ بس وہ "جاہل، نادان" بھکشو وا! پہلے شہوت پرست

یہاں برے کاموں کو کرکے "جسم چھوڑ مرنے کے بعد ان چرندے جانوروں کی معیت (جنم) میں پیدا ہوتا ہے بھکشوو! جانوروں میں پاخانہ خور جانور بھی ہیں۔ وہ دور سے ہی پاخانہ کی بدبو کو سونگھ کر دوڑتے ہیں۔ یہاں کھائیں گے، یہاں کھائیں گے۔ جیسے کہ برہمن یگیہ[1] (آتشیں قربانی) کی مہک سے دوڑتے ہیں: یہاں کھائیں گے، یہاں کھائیں گے ..." بھکشوو! کون ہیں پاخانہ خور جاندار جانوروں میں؟ مرغ، سور، کتا، گیدڑ اور جو کوئی اور بھی ... پس وہ جاہل و نادان، بھکشوو! پہلے شہوت پرست ...... ان پاخانہ خور جانداروں کی معیت میں پیدا ہوتا ہے۔

....." جانوروں میں جان دار ہیں جو اندھیرے میں پیدا ہوتے ہیں، اندھیرے میں بوڑھے ہوتے ہیں اور اندھیرے ہی میں مرتے ہیں۔ ... کیڑے، پتنگے اور زخم سے پیدا ہونے والے ....."

"..... جانوروں میں جان دار ہیں جو پانی میں پیدا ہوتے ہیں، بوڑھے ہوتے ہیں، مرتے ہیں۔ ..... مچھلی، کچھوا، گھڑیال ....."

"..... جانوروں میں جان دار ہیں جو نجاست میں پیدا ہوتے ہیں۔ بوڑھے ہوتے ہیں مرتے ہیں ..... جو وہ جان دار سڑی مچھلی، سڑے مردے یا سڑے اناج، گڈھا یا گدھی میں پیدا ہوتے ہیں ......"

بھکشوو! طرح طرح سے اگر میں جانوروں کی جنس کی کہانی کہتا رہوں تو بھی اس کے دکھ کا پورا بیان کرنا آسان نہیں ہے۔ جیسے بھکشوو! کوئی شخص ایک چھاگل کے جوڑے کو بڑے سمندر میں پھینک دے اسے پوروا ہوا پچھم کی طرف بہا دے۔ پچھوا ہوا پورب طرف ..... اتری ہوا دکھن کی طرف ..... اور دکھنی ہوا اتری طرف بہا دے۔ وہاں ایک کانا کچھوا ہے۔ (جو کہ) سو سو برس بعد ایک بار اوپر آتا ہے۔ تو کیا سمجھتے ہو! بھکشوو! کیا وہ کانا کچھوا اس ایک چھاگل جوڑے میں اپنی گردن کو ڈالے گا۔

نہیں حضرت! شاید کبھی کسی وقت بہت دنوں کے بعد

بھکشوو! وہ وقت جلد ہی ہوگا جب کہ وہ کانا کچھوا اس میں ..... اپنی گردن کو ڈالے گا۔ (لیکن) بھکشوو! ایک بار گرے ہوئے "جاہل نادان کے لیے (پھر) انسانیت کی بازیافت کو میں (آس

[1] یہ ناشائستہ تشبیہ اس لیے نقل ہوگئی ہے کہ پورا باب لفظ بہ لفظ نقل ہو رہا ہے۔ یاد رکھیں یہ اخلاق و اخلاص کے پیکر "بودھ بزرگ" برہمنوں اور ویدک رشیوں کو سخت و سست کہنے سے نہیں چوکتے۔ آگے اسی "عورتوں کا منہ نہ دیکھنے والے" بزرگ نے عورت کے حسن کے بیان میں بڑی مہارت دکھائی ہے۔

مشکل تر کہتا ہوں۔ پس کس سبب سے ؟ بھکشوو! یہاں (   ) ایمان داری، پاک بازی) کا عمل اور نیکیاں (عمل) ہیں۔ یہاں (   ) بھکشوو! ایک دوسرے کو کھانے والے، کمزوروں کو کھاتے والے رہتے ہیں۔ وہ جاہل ونادان کبھی، مدت مدید کے بعد انسانیت کو پاتا ہے۔ (تو وہ) جو ذلیل خاندان ہیں — چنڈال[1] خاندان، بہلیا خاندان، بانس پھوڑ خاندان، بڑھئی خاندان یا پکس — ایسے مسکین[1]، کم اناج پانی والے، مشکل سے روزی کمانے والے خاندان میں پیدا ہوتا ہے۔ جہاں مشکل سے اسے کھانا کپڑا (گھاس اور پتوں کے کپڑے) ملتا ہے۔ (اور وہاں بھی) دیو رنگ، بدصورت، گھسی گردن والا، مریض، کانا، لولہ، دمہ کا مریض ہوتا ہے۔ دانہ، پانی، کپڑا، سواری، گجرا، خوشبو، غازہ، پلنگ، مکان، چراغوں کو نہیں پاتا۔ وہ جسم وجان اور زبان سے گناہ کرتا ہے۔ وہ جسم وجان اور زبان سے گناہ کرکے، جسم چھوڑنے کے بعد بے چارگی، فضیحت، پستی دوزخ میں پیدا ہوتا ہے۔ جیسے بھکشوو! جواری پہلے ہی داؤ میں لڑکے کو ہار جائے، پھر بیوی کو بھی، پھر ساری جائداد کو، اور پھر غلامی میں چلا جائے۔ بھکشوو! یہ ہماری ہار تھوڑی اور کم ہے، جو کہ جواری پہلے ہی داؤ میں .... — اس سے کہیں بڑی ہار یہ ہے، جو کہ یہ "جاہل ونادان" جسم وجان اور زبان سے گناہ کرے .... ۔

بھکشوو! فقط جاہلوں سے بھری ہے زمین؟ — بھکشوو! یہ تین عالم کی علامت اور نشان ہیں۔ کون سی تین ؟ یہاں بھکشوو! عالم (۱) نیک ارادوں کا ارادہ کرنے والا ہوتا ہے۔ (۲) خوش گفتار رہتا ہے اور (۳) عمل صالح کا کرنے والا ہوتا ہے۔ .... بھکشوو! وہ عالم جسم وجان اور زبان سے نیکی کرکے جسم چھوڑ مرنے کے بعد نیک انجام جنت کی دنیا میں پیدا ہوتا ہے جس کے لیے بھکشوو! ٹھیک سے کہنے پر مکمل طور پر پسندیدہ، مکمل طور پر خوشنما مکمل طور پر خوشگوار ہے۔ تو اسے ٹھیک سے کہنے پر "جنت" ہی کہنا چاہیے۔ .... جنت میں جتنا آرام ہے بھکشوو! اس کی مثال دینی بھی مشکل ہے۔" ایسا کہنے پر ایک بھکشو نے کہا۔ حضرت! کیا مثال دی جا سکتی ہے

---

[1] یہ حوالہ جات بودھ مذہب کے مستند ترین مجموعہ "مجھ نکائے" سے لیے گئے ہیں اور یہ براہ راست مہاتما بودھ کے فرمودات ہیں۔ مگر ایسی شرمناک بات کو مہاتما بودھ کی طرف منسوب کرنا زیب نہیں دیتا۔ بہرحال بودھ بزرگ محنت کشوں، مسکینوں، کالے کلوٹوں اور معذوروں کو سزا یافتہ مجرم اور جرائم پیشہ سمجھتے تھے۔ یہ لوگ نرک میں کچھ بھوگنے کے بعد ہندستان کے گیانیوں کے چارج میں دے دیے جاتے ہیں کہ وہ ان کو مطعون کریں۔ واہ رے تناسخ کی انسان دوستی

خداوند نے کہا " دی جا سکتی ہے ۔بھکشو و! جیسے شہنشاہ (چکرورتی پہیہ گھمانے والا راجہ) سات جواہر (رتن) اور چار کرامتوں والا ہو ۔ان کے سبب سے آرام و مسرت پائے گا ۔کن سات جواہر سے ؟"

(۱) پہیہ رتن ۔ ۲ ۔ ہاتھی رتن ۔ ۳ ۔ گھوڑا رتن ۔ ۴ ۔ ہیرا رتن ۔ ۵ ۔ رانی رتن ۔ ۶ ۔ خزانچی رتن ۔ ۷ ۔ منتری رتن ۔ کون چار کرا ؟ ۱ ۔ خوبصورتی ۔ ۲ ۔ لمبی عمر ۔ ۳ ۔ تندرستی ۔ ۴ ۔ برہمنوں کا محبوب ہونا ۔)

(۱ ۔ پہیہ رتن ۔ ۲ ۔ یہاں بھکشو و! چودھویں تاریخ کو روزے کے دن سر سے نہائے ہوئے، روزہ رکھ کر محل کے اوپر کھڑے ہوئے، سر سے نہلائے گئے ہوئے کشتری راجہ کے لیے لپشٹی ۔ مونڈی والا ۔ ہر طرح سے مکمل ہزار ارگجوں والا (لپشٹی ۔ محیط کے ٹکڑے ۔ مونڈی ۔ مرکزی سر ۔ ہب ۔ ارگجہ ۔ تیلیاں ۔) چمکتا ہوا (پہیہ) چکر رتن ظاہر ہوتا ہے ۔اس کو دیکھ کر وہ کشتری راجہ کو یہ خیال آتا ہے ۔میں نے سنا ہے جس کشتری راجہ کے لیے ۔چکر رتن ۔ظاہر ہوتا ہے ۔ وہ چکرورتی راجہ ہوتا ہے ۔کیا میں بھی چکرورتی راجہ ہوں؟ تب بھکشو و! .... کشتری راجہ بائیں ہاتھ میں سونے کی جھاری لے کر، داہنے ہاتھ سے چکر رتن کی طرف بکھیرتا ہے ۔چلیں آپ چکر رتن! فتح کریں ۔آپ چکر رتن! تب بھکشو و! چکر رتن پورب کی طرف چلتا ہے ۔ چکرورتی راجہ بھی چہار گانہ فوج کے ساتھ پیچھے پیچھے چلتا ہے ۔جس مقام پر چکر رتن ٹھہرتا ہے وہیں چکرورتی راجہ بھی چہار گانہ فوج کے ساتھ قیام کرتا ہے ۔بھکشو و! پورب طرف کے جو حریف راجہ ہیں وہ چکرورتی راجہ کے پاس آکر کہتے ہیں ۔آئیے مہاراج! خوش آمدید مہاراج ۔یہ سب کچھ آپ کا ہے ۔حکم دیجیے مہاراج چکرورتی راجہ یہ کہتا ہے ۔" جان نہیں مارنی چاہیے ۔چوری نہیں کرنی چاہیے ۔زنا نہیں کرنا چاہیے ۔جھوٹ نہیں بولنا چاہیے ۔شراب نہیں پینی چاہیے ۔جیسے (آج تک) راج کیا ویسے ہی راج کرو" بھکشو و! جتنے پورب طرف حریف راجہ تھے سبھی چکرورتی راجہ کے تابع ہو گئے ۔تب بھکشو و! پوری سمندر کو پار کر .... دکھن طرف چلتا ہے .... دکھن سمندر کو پار کر پچھم طرف چلتا ہے ۔پچھم سمندر کو پار کر اتر طرف چلتا ہے ۔ چکرورتی راجہ بھی چہار گانہ فوج کے ساتھ پیچھے پیچھے چلتا ہے ۔ .... (تب) اتر طرف جتنے حریف راجہ تھے سبھی چکرورتی راجہ کے تابع ہو گئے ۔تب بھکشو و! چکر رتن سمندر تک کی سرزمین کو جیت کر راجدھانی میں لوٹ چکرورتی راجہ کے محل سرائے کے دروازے پر .... زنان خانہ کے دروازے کی خوبصورتی بڑھاتے ۔دھرے میں لگا جیسا سکونت پذیر ہوتا ہے ۔بھکشو و! چکرورتی راجہ کے اس طرح کا "چکر رتن" ظاہر ہوتا ہے ۔

(۲ ۔ ہاتھی رتن) اور پھر بھکشو و! چکرورتی راجہ کا بہادر طاقتور، ہوا میں اڑنے والا " اوپستھ" نام

کا سفید ہاتھی رتن ظاہر ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر چکرورتی راجہ کا دل خوش ہوتا ہے۔ او ہو! یہ سواری کا ہاتھی بڑھیا ہے۔ اگر سکھا دیا جاتا ہے تب بھکشوو! وہ ہاتھی رتن اچھی ذات کا ہاتھی جیسے بہت دنوں سے سکھایا ہو ویسے ہی سیکھ لیتا ہے۔ اس پرانے زمانے میں بھکشوو! چکرورتی راجہ نے اسی ہاتھی رتن کی پیٹھ کے لیے سوار ہو سمندر تک کی سرزمین کا دورہ کر اپنی راجدھانی میں لوٹ کر ناشتہ کیا۔ بھکشوو! چکرورتی راجہ کو اس طرح کا ہاتھی ظاہر ہوتا ہے۔

(۳۔ گھوڑا رتن) اور پھر بھکشوو! چکرورتی راجہ کے لیے سب سفید سیاہ سر اور لمبے ایال والا طاقتور، ہوا میں اڑنے والا شہ اسپ "بلاہک" نام کا گھوڑا رتن ظاہر ہوتا ہے۔۔۔۔۔ لوٹ کر ناشتہ کیا۔۔۔ بھکشوو! اس طرح کا گھوڑا رتن ظاہر ہوتا ہے۔

(۴) ہیرا رتن) اور پھر بھکشوو! چکرورتی راجہ کو منی۔ رتن (منی۔ ہیرا) ظاہر ہوتا ہے۔ وہ ہیرا سفید اچھی قسم کا ہشت پہل، اچھی طرح خراد پر چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ بھکشوو! اس ہیرے کی روشنی چاروں طرف چار کوس تک جاتی ہے۔ پرانے زمانے میں بھکشوو! کسی چکرورتی راجہ نے ہیرے کی آزمائش کے لیے، فوج چہار گونہ کو تیار کر، ہیرے کو جھنڈے کے اوپر لگا، رات کی سخت تاریکی میں سفر کیا۔ بھکشوو! چاروں طرف جو لوگ تھے، (وہاں کے لوگ) دن سمجھ کر ہیرے کی روشنی میں کام کرنے لگے۔ بھکشوو! اس طرح کا ہیرا ظاہر ہوتا ہے۔

(۵) ناری رتن) اور پھر بھکشوو! ۔۔۔۔ ناری رتن ظاہر ہوتا ہے۔ وہ (عورت) خوبصورت، قابل دید، مسرت افزا، عمدہ ترین رنگ والی، نہ بہت لمبی، نہ بہت پستہ، نہ بہت دبلی، نہ بہت موٹی، نہ بہت گوری، نہ بہت کالی، انسانی رنگ کو پاکر اور فرشتوں کے رنگ سے ذرا گھٹ کر ہوتی ہے۔۔۔۔۔ اس ناری رتن کے جسم کو چھوا جاتا ہے۔ روئی کے پھاہے یا کپاس کے پھاہے جیسا۔۔۔۔۔ اس ناری رتن کے اعضا سردی میں گرم اور گرمی میں ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ اس ۔۔۔۔ کے جسم سے صندل کی خوشبو آتی ہے۔ منہ سے کمل کی خوشبو آتی ہے ۔۔۔۔ وہ ناری رتن چکرورتی راجہ سے پہلے اٹھنے والی اور پیچھے سونے والی "کیا کرنا ہے" سننے والی کردار سے خوش کرنے والی، شیریں گفتار ہوتی ہے۔ وہ ناری رتن وہم و گمان میں بھی چکرورتی راجہ کی نافرمان نہیں ہوتی۔ جسم سے تو کیا۔ بھکشوو! ۔۔۔۔ اس طرح کا ناری رتن ۔۔۔۔

(۶) [illegible] رتن) اور پھر بھکشوو! خزانچی۔ رتن ظاہر ہوتا ہے۔ اعمال کی بزرگی سے اسے دل کی

بینائی پیدا ہو جاتی ہے جس سے با وارث و لاوارث دفینوں کو دیکھتا ہے۔ وہ چکرورتی راجہ کے پاس آکر یہ کہتا ہے ــ" خداوند! آپ بے فکر رہیے۔ آپ کے دھن والے کام میں کروں گا۔ بھکشوو! پہلے زمانے میں چکرورتی راجہ اس خزانچی۔ رتن کی آزمائش کے لیے کشتی میں سوار ہو کر گنگا ندی کے منجدھار میں جا۔ خزانچی رتن سے یہ بولا:۔خزانچی مجھے اشرفی (دینار) کی ضرورت ہے ــ" تو مہاراج! اس پار کنارے پر چلیں ــ" خزانچی! یہیں مجھ کو اشرفی کی ضرورت ہے۔ تب بھکشوو! خزانچی دونوں ہاتھ سے پانی کو چھو کر اشرفی سے بھرے گھڑے نکال کر چکرورتی راجہ کو دے یہ بولا ــ" اتنا ہی بس۔ مہاراج! پوج گیا مہاراج! اتنے سے' چکرورتی راجہ نے کہا۔ اتنا ہی بس' خزانچی! ...... پوج گیا۔ خزانچی! اتنے سے بھکشوو! اس طرح کا خزانچی رتن

۷۔ پاسبان رتن) اور پھر بھکشوو! .... پاسبان۔ رتن ظاہر ہوتا ہے' (جو کہ ہوتا ہے) عالم' سمجھدار' ذہین' چکرورتی راجہ کے پانے کی چیز کو حاصل کرانے میں' ہٹانے کی چیز کو دور کرانے میں' رکھ چھوڑنے لائق چیز کو رکھ چھوڑنے میں اہل ہوتا ہے۔ وہ چکرورتی راجہ کے پاس آکر یہ کہتا ہے۔ خداوندا! آپ بے فکر رہیے میں حکم بجالاؤں گا۔ بھکشوو! اس طرح کا پاسبان رتن ظاہر ہوتا ہے۔ بھکشوو! چکرورتی راجہ ان سات جواہر سے آراستہ ہوتا ہے۔

کن چار کرامتوں سے (متصف ہوتا ہے) (۱) بھکشوو! چکرورتی راجہ خوبصورت' قابل دید' مسرت افزا' عمدہ ترین رنگ۔ والا ہوتا ہے۔ چکرورتی راجہ اس پہلی کرامت سے متصف ہوتا ہے

(۲) اور پھر بھکشوو! چکرورتی راجہ دوسرے انسانوں سے بہت زیادہ عمر والا زیادہ زندہ رہنے والا ہوتا ہے ....اس دوسری کرامت سے متصف ہوتا ہے۔

(۳) اور پھر بھکشوو! چکرورتی راجہ نروگ بھلا چنگا ہوتا ہے۔ دوسرے انسانوں کی بہ نسبت زیادہ ہاضمہ والا' نہ زیادہ سرد نہ زیادہ گرم ہاضمہ سے متصف ہوتا ہے۔ اس تیسری کرامت سے موصوف ہوتا ہے

(۴) اور پھر بھکشوو! چکرورتی راجہ برہمن گرہستوں کو محبوب ہوتا ہے۔ جیسے کہ بھکشوو! باپ بیٹوں کے لیے محبوب و عزیز ہوتا ہے۔ اسی طرح ..... راجہ کو برہمن گرہستھ پیارے ہوتے ہیں۔ جیسے کہ بیٹے باپ کے لیے پیارے و عزیز ہوتے ہیں۔ پہلے زمانے میں بھکشوو! چکرورتی راجہ چہارنگا فوج کے ساتھ باغ کی سرزمین کو جا رہا تھا۔ تب بھکشوو! برہمن گرہستھ ..... راجہ کے پاس آکر بولے۔ مہاراج دھیرے دھیرے جائیے

جس سے کہ ہم زیادہ دیر تک آپ کو دیکھ سکیں۔ (تب) بھکشوؤ! ..... راجہ نے کوچوان سے کہا دیر دیر سے چلو جس سے کہ یہ برہمن خانہ دار مجھے دیر تک دیکھ سکیں۔ بھکشوؤ! چکرورتی راجہ اس چوتھی کرامت سے متصف ہوتا ہے۔ بھکشوؤ! چکرورتی راجہ ان چار کرامتوں سے آراستہ ہوتا ہے۔

"تو کیا سمجھتے ہو؟ بھکشوؤ! کیا چکرورتی راجہ ان ہفت جواہر ... ان چار کرامتوں سے متصف ہونے کے سبب سے آرام و مسرت کا احساس کرے گا؟ حضرت (انگ انگ) ایک ایک رتن (جوہر) سے مقترن ہونے کے سبب سے بھی آرام و مسرت کو محسوس کرے گا۔ ہفت جواہر اور چہار کرامات کی تو بات ہی کیا کہی؟

تب بھگوان نے ہاتھ بھر کے ایک چھوٹے پتھر کو ہاتھ میں لے بھکشوؤں کو مخاطب کیا۔ تو کیا سمجھتے ہو بھکشوؤ ..... یہ ..... پتھر یا پربت راج ہمالیہ ..... ؟ حضرت! یہ مختصر حصے کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

ایسے ہی بھکشوؤ! چکرورتی راجہ اپنے ساتوں رتنوں اور چاروں خوبیوں سے متصف ہونے کے سبب سے جو مسرت محسوس کرے گا ملکوتی آرام کے مقابلے میں اس کی گنتی بھی نہیں ہو سکتی۔

"(تب) وہ عالم بھکشوؤ! کبھی مدت مدید کے بعد جب انسانی قالب میں آتا ہے۔ تو وہ فارغ البال بڑے دولتمند بڑی آسائش والے، بہت سونے چاندی، ساز و سامان والے، بہت مال و زر والے اچھے خاندان، بڑے کشتری[1] گھرانے میں، بڑے مہاجن یا برہمن[1] ساہوکار کے گھرانے میں پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ خوبصورت قابل دید، مسرت افزا، عمدہ ترین رنگ والا ہوتا ہے۔ دانہ پانی کپڑا، سواری، گجرا، خوشبو، غازہ، پلنگ مکان، چراغوں کو پاتا ہے۔ وہ جسم[1] و جان اور زبان سے نیکی کرتا ہے وہ جسم و جان اور زبان سے نیکی کرکے، جسم چھوڑ مرنے کے بعد خوش انجام جنت میں پیدا ہوتا ہے۔

"جیسے بھکشوؤ! جواری پہلے ہی داؤ میں بڑی دولت کو پا جائے۔ بھکشوؤ! یہ داؤ کم مقدار ہے۔ اس سے کہیں بڑا داؤ یہ ہے جو کہ یہ عالم جسم و جان اور زبان سے نیکی کرکے جسم و جان اور زبان سے نیکی کرکے جسم چھوڑ مرنے کے بعد نیک انجام بہشت کی دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ بھکشوؤ! فقط عالموں سے بھری ہے زمین۔ بھگوان نے یہ کہا خوش ہو ان بھکشوؤں نے بھگوان کی تقریر کی داد دی۔ ختم شد مجھم نکائے: ۱۱۲۹ بال پنڈت سوتر عالم کا (؟)

[1] نوٹ: تناسخ کی دوسری دفعہ۔ فرمایا۔ دولتمند برہمن کشتری اور مہاجن و خوبصورت لوگ نیکوکار ہیں جو پہلے بھی جنتی تھے بعد مرنے بھی جنتی ہو جائیں گے۔ گویا ان کی سرزمین پر غریبوں، کالوں، مزدوروں کو کیا بیوقوف بنایا گیا ہے۔ ذرا اس کو پڑھ کر اندازہ لگائیے اگر نبی علیہ السلام اور محمد صلعم کی [illegible] ہوتیں تو کتنی اندھیر ہوتی۔ اندھیر اگر اسلام ہندوستان میں نہ آیا ہوتا تو یہاں کا دستکار مزدور کب تک ذلیل [illegible]

قتلِ ناحق

کفر و شرک کے بعد شدید ترین جرم

پروفیسر عبدالحمید صدیقی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قتل کے پہلے واقعہ کا جس انداز سے ذکر فرمایا ہے اس سے اس جرم کی سنگینی، اس کے مفاسد اور قاتل کی مجرمانہ ذہنیت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ
آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا
فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ
يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ
لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ
اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۔ لَئِنْ
بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي
مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ
لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ
رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ إِنِّي أُرِيدُ
أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ
فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ

آپ انہیں آدم کے دونوں بیٹوں
کا قصہ بے کم و کاست سنا دیجیے جب ان
دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی
قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی (اس
پر وہ دوسرا) بولا کہ میں تجھ کو قتل کر کے رہوں گا
اس نے جواب دیا اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں
قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ
اٹھائے گا تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر اٹھانے والا
نہیں ہوں کہ تجھے قتل کر ڈالوں۔ میں اللہ رب
العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ
میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی
بن کر رہے۔ ظالموں کے ظلم کا یہی بدلہ

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ
فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ
فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ
فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ
فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ
يُوَارِىْ سَوْاَةَ اَخِيْهِ
قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ
اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا
الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْاَةَ
اَخِىْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ
مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا
عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ
قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ
فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا
فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدہ۔ رکوع ۵)

ہے۔ آخر کار اس کے نفس نے اسے اپنے
بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور وہ اسے
مار کر ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے
والے ہیں۔ پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین
کھودنے لگا تاکہ اسے بتائے کہ اپنے بھائی
کی لاش کیسے چھپائے۔ (یہ دیکھ کر) وہ بولا
افسوس مجھ پر! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا
کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال
لیتا۔ غرض وہ اپنے کیے پر سخت نادم ہوا۔
اسی باعث ہم نے بنی اسرائیل پر یہ مقرر کر دیا کہ جس
نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد
پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس
نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے
ایک انسان کو بچایا اس نے گویا سارے انسانوں
کو بچا لیا۔

ان آیات کے مطالعے سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قتل کا ارادہ ایک ایسے بیمار ذہن کے اندر پرورش پاتا ہے جو انسانیت کے پاکیزہ احساسات سے یکسر محروم ہو چکا ہو اور جس کی ذہنیت اس حد تک بگڑ چکی ہو کہ وہ اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بجائے ان لوگوں کی جان کا دشمن بن جائے جو کامیاب اور بامراد ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قاتل انسانیت کے مشترک احساسات سے یکسر عاری ہوتا ہے۔ اس کے نفس میں اتنا خبث بھر جاتا ہے کہ وہ اپنے اندر جھانک کر دیکھنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ البتہ اسے اپنے گرد و پیش جو لوگ بھلے معلوم ہوتے ہیں انہیں مٹانے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس قسم کی ذہنیت کا کوئی صحت مند انسان تو مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ یہ

مجرمانہ طرزِ فکر وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جو باؤلے ہو چکے ہیں

اس بیمار ذہنیت کے مقابلے میں ایک صحت مند اور معقول انسان کا رویہ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے بھائی کا گلا کاٹنے کے بجائے اس کی زیادتی کو بڑے صبر و تحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کرتا ہے اور اپنے دشمن کے ارادہ قتل پر مطلع ہونے اور اس کے ناپاک عزائم کو جاننے کے باوجود اس غیر انسانی فعل کی اپنی طرف سے ابتدا نہیں کرتا۔ یہاں یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام ہمیں یہ تعلیم نہیں دیتا ہے کہ ہم خود آگے بڑھ کر اپنے آپ کو قاتل کے حوالے کر دیں یا ظالمانہ حملہ کی مدافعت سے باز رہیں۔ وہ چیز جو ہمارے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی کہ دشمن گھات میں لگا ہے اپنی حفاظت کی فکر تو کرنی چاہیے۔ البتہ اس کے قتل کی فکر نہ کرنی چاہیے اور اس بات کو ترجیح دینی چاہیے کہ ظالمانہ اقدام دوسرے کی طرف سے ہو اور آپ کا دامن ابتدار بالقتل سے بالکل پاک رہے اسی بنا پر بعض اکابر نے خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کے آخری طرز عمل کو اسی آیت کی عملی تفسیر قرار دیا ہے یعنی آپ اقدام قتل سے آخر وقت تک اجتناب کرتے رہے۔ اپنا گلا کٹوانا گوارا کر لیا لیکن اس بات کو گوارا نہ کیا کہ کسی مسلمان کے خون سے ان کے ہاتھ رنگین ہوں مشہور مفسر ابن کثیر نے ایوب سختیانی کا مندرجہ ذیل قول نقل کیا ہے :۔

ان اول من اخذ بھذہ	امت محمدیہ میں سے پہلا شخص جس نے آیت
الآیۃ من ھذہ الامۃ عثمان بن عفانؓ	پر عمل کر کے دکھایا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

بعض مترجمین نے انی اخاف رب العلمین کا ترجمہ کرتے وقت لفظ "کیونکہ" بڑھا دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہابیل اگر قابیل کی اشتعال انگیزی کے باوجود اس کے خلاف ہاتھ اٹھانے سے اجتناب کرتا رہا تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ اس کے مقابلہ میں بزدل اور کمزور تھا اور وہ اس کے خلاف نبرد آزما ہونے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ اصل میں جو چیز اسے اقدام سے باز رکھ رہی تھی وہ پروردگار عالم کا خوف تھا۔ دوسرے لفظوں میں اس حقیقت کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ خدا کا خوف نہ صرف انسان کو ہر قسم کے ظلم و زیادتی سے باز رکھتا ہے بلکہ انتہائی پُر آشوب حالات میں بھی اس کے دماغی توازن کو برقرار رکھنے

میں اس کی معاونت اور دستگیری کرتا ہے اور اسے اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنے دامن کو ظلم سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

اس موقع پر "رب العٰلمین" کے الفاظ بھی بڑے معنی خیز ہیں اور قرآن مجید کے کمال بلاغت کو ظاہر کرتے ہیں۔ امام راغب نے مفردات میں الرب کے معنی یہ بیان کیے ہیں۔ ھو انشاء الشی حالا فحالا الیٰ حد التمام۔ یعنی رب وہ ہے جو کسی چیز کو تدریجاً نشوونما دے کر حد کمال تک پہنچائے۔ ہابیل جب قاتلانہ عزائم رکھنے والے بھائی کے مقابلے میں ہر قسم کے اشتعال سے پروردگار عالم کے خوف کا ذکر کرتے ہوئے اجتناب کرتا ہے تو اس میں یہ بات بھی مضمر ہے کہ وہ انسانی زندگی پر ہاتھ ڈال کر اس نظام سے بغاوت کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتا جو رب العالمین نے اپنی مخلوق کے حفظ و بقا اور تدریجی ترقی کے لیے قائم کر رکھا ہے وہ اس خدائی نظام ربوبیت میں مددگار بننا چاہتا ہے جس میں انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اب جو شخص بھی اس مقدس نظام کے خلاف عمل کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ سے بغاوت کا ارتکاب کرتا ہے اسی بنا پر سورۃ الفرقان میں شرک کے بعد دوسرے درجے پر جس جرم عظیم کا ذکر کیا گیا ہے وہ قتل ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ	جو اللہ کے سوا کسی اور کو معبود نہیں
مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ	پکارتے اور اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو
النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (ع ۶)	ناحق ہلاک نہیں کرتے۔

پھر قتل مومن کے سلسلے میں تو وعید اس سے بھی زیادہ شدید اور سخت ہے۔ اس کی جسارت کرنے والے کے لیے تو وہی سزا رکھی گئی ہے جو کافروں کے لیے مخصوص ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا	اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل
فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ	کرے، اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا
غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ	اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور
لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ٥ (نساء، ۱۳)	اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ کبائر کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا۔

الشرك بالله وعقوق الوالدين وقتل النفس وقول الزور۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب الکبائر)	بڑے گناہ یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھیرانا۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ انسانی جان کو ہلاک کرنا اور جھوٹ بولنا۔

دوسری حدیث میں قتل نفس کو ماں باپ کی نافرمانی سے پہلے شرک کے متصل بیان کیا گیا ہے :۔

عن انس بن مالك قال ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم الكبائر او سئل عن الكبائر فقال الشرك بالله وقتل النفس وعقوق الوالدين (صحیح مسلم حوالہ مذکور)	حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبائر کے بارے میں بیان فرمایا آپ سے کبائر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ انسان کو قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔

قتل ناحق تو خیر بڑی بات ہے جو شخص اس فعل کے ارتکاب کے متعلق سوچے اور اس کی فکر کرے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضگی کو دعوت دیتا ہے۔

عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ابغض الناس الى الله ثلثة ملحد في الحرم ومبتغ في الاسلام سنة الجاهلية ومطلب دم امرئ بغير حق ليهريق دمه (بخاری۔ کتاب الدیات)	حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین آدمی سب سے زیادہ مبغوض ہیں۔ ایک وہ جو حرم میں بے اعتدالی کرے (مثلاً خون خرابہ شکار وغیرہ) دوسرا وہ جو اسلام میں جاہلیت کے طریقے چلانے کی کوشش کرے تیسرا وہ جو کسی انسان کا ناحق خون بہانے کی درپے ہو۔

مسلمان تو مسلمان اسلام میں تو اس کافر کا خون بہانا بھی گناہ عظیم ہے جس کو اسلامی حکومت میں ذمی

کی حیثیت حاصل ہو چکی ہو۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

عن عبد اللہ بن عمر عن النبی	(حضرت) عبد اللہ بن عمر سے روایت
صلی اللہ علیہ وسلم قال من قتل نفسا	ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شخص
معاھدا لم یرح رائحۃ الجنۃ وان	کسی ایسے شخص کو مار ڈالے جس سے معاہدہ کیا
ریحھا یوجد من مسیرۃ اربعین	جا چکا ہو وہ بہشت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکا گا (کہ
عاما	بہشت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی)
(بخاری، کتاب الدیات)	محسوس ہو جاتی ہے۔

اب ذرا ایک نگاہ حضور سرور دو عالم کے ان ارشادات پر بھی ڈال لیں جو حضورؐ نے مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کے معاملہ میں مختلف مواقع پر فرمائے ہیں۔ رحمۃ اللعالمین نے مسلمان کی صفات بیان کرتے ہوئے اس کی ایک اہم صفت یہ بیان فرمائی ہے :۔

عن عبد اللہ بن عمرو عن	حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے
النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسلم	کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان
من سلم المسلمون من لسانہ و	وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ
یدہٖ (بخاری)	رہیں۔

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے یہی حدیث ایک آدھ لفظ کے تغیر کے ساتھ یوں درج ہے :۔

قال قلت یا رسول اللہ	(ابو موسیٰ اشعری) نے کہا کہ میں نے رسول اللہ
ای الاسلام افضل قال من	صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کس شخص کا
سلم المسلمون من لسانہ و یدہٖ	اسلام بہتر ہے؟ فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ
(کتاب الایمان)	سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

مسلمان کے خلاف صف آرا ہونے کو ایک دوسرے مقام پر کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعودؓ	حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے
قال قال رسول اللہ صلی اللہ	کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے

علیہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر (صحیح مسلم)　　لڑنا کفر

حضور سرورِ دو عالم نے مسلمانوں کو بڑی تاکید کے ساتھ مسلمان کی جان کے بارے میں وصیت فرمائی اور قتلِ مسلم کو کفر اور ارتداد جیسا گھناؤنا فعل قرار دیا۔

عن ابن عباس قال قال النبی	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے
صلی اللہ علیہ وسلم لا ترتدوا بعدی	روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض	میرے بعد پلٹ کر کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے
(بخاری۔ کتاب الفتن)	کی گردنیں مارنے لگو۔

اسی ضمن میں ذرا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر بھی غور کر لیجیے جو حضور نے بڑی دلسوزی اور سخت تاکید کے ساتھ حجۃ الوداع کے تاریخی خطبے میں فرمایا تھا۔

عن ابی بکرۃ ان رسول اللہ	حضرت ابوبکرہ رض سے روایت ہے کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم خطب الناس	سرورِ کائنات نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا جانتے
فقال اتدرون ای یوم ھذا	ہو یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا
قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال	اللہ اور اس کا رسول سب سے بہتر جانتے ہیں۔
حتی ظننا انہ سیسمیہ بغیر	(ابوبکرہ) کہتے ہیں آپ اتنی دیر خاموش رہے کہ ہم
اسمہ فقال الیس بیوم النحر؟	خیال کرنے لگے کہ شاید آپ اس دن کا کچھ اور نام
قلنا بلی یا رسول اللہ۔ قال ای	رکھنے والے ہیں۔ پھر حضور نے فرمایا۔ کیا یوم النحر
بلد ھذا الیست بالبلدۃ	نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول
قلنا بلی یا رسول اللہ قال	ہاں آج بے شک یوم النحر ہے۔ پھر آپ نے فرمایا
فان دماءکم واموالکم واعراضکم	اچھا یہ شہر کون سا ہے؟ کیا (حرمت والا) شہر
وابشارکم علیکم حرام	(مکہ) نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا بے شک یا رسول اللہ
کحرمۃ یومکم ھذا فی شہرکم	یہ حرمت والا شہر مکہ ہے۔ تب آپ نے فرمایا۔ تمہاری
ھذا فی بلدکم ھذا	تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں
الا ھل بلغت؟ قلنا	آبرو اور تمہارے جسموں کی کھالیں ایک دوسرے پر

نعم۔ قال اللھم اشھد فلیبلغ الشاھد الغائب (بخاری کتاب الفتن)

اسی طرح حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت اس مہینے اور اس شہر میں سنو میں نے اللہ کا حکم تم کو پہنچا دیا ہم نے کہا بے شک آپ نے پہنچا دیا۔ اس وقت آپ نے دعا کی اے اللہ! گواہ رہیو اور فرمایا جو لوگ یہاں موجود ہیں میرا یہ کہنا ان لوگوں تک پہنچا دیں جو موجود نہیں۔

حضور سرور کائنات نے ایک اور حدیث میں مسلمانوں پر ہاتھ اٹھانے والوں کو امت محمدیہ کے دائرے سے خارج قرار دیا ہے۔

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حمل علینا السلاح فلیس منا (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔

جو شخص ایک مرتبہ زبان سے کلمۂ شہادت ادا کر دے، خواہ وہ خوف کی وجہ سے ہی ایسا کر رہا ہو، اس کے قتل کو بھی اسلام نے گناہ عظیم قرار دیا ہے۔ حضرت مقداد بن اسود کی روایت ہے

"انھوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! اگر میری کافر سے مٹھ بھیڑ ہو جائے اور وہ مجھ پر حملہ کر کے میرا ایک ہاتھ تلوار سے کاٹ دے، پھر مجھ سے بچ کر ایک درخت کی اوٹ میں پناہ لے اور کہے کہ میں ایمان لے آیا۔ کیا میں اس حالت میں اسے قتل کر دوں؟ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ اسے مت قتل کرو۔ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ! اس نے میرا ہاتھ کاٹ دیا ہے اور اس کے بعد ایمان کا اظہار کرتا ہے حضورؐ نے فرمایا مت قتل کرو اس کو (اگرچہ تجھ کو اس سے صدمہ پہنچا اور زخم لگا۔) اگر تو اسے قتل کرے گا تو اس کا وہی حال ہو گا جو اس جرم کے ارتکاب سے پہلے تیرا حال تھا اور تیرا حال وہ ہو گا جو اس کا حال یہ کلمہ ادا کرنے سے پہلے تھا۔ (صحیح مسلم)

مسلم کے مشہور شارح امام نووی نے اس حدیث کے مطلب میں علماء کے اختلاف کو نقل کرنے کے بعد امام شافعی اور ابن قصار المالکی کا یہ قول درج کیا ہے۔ فانہ معصوم الدم محرم قتلہ بعد قولہ لا الٰہ الا اللہ کما کنت انت قبل ان تقتلہ وانک بعد قتلہ غیر معصوم الدم ولا محرم القتل

کما کان ھو قبل قولہ لا الہٰ الا اللہ (نووی شرح مسلم جلد اول ص ۶۸) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے لا الٰہ الّا اللہ کہہ دیا تو اس کا خون ویسا ہی معصوم اور اس کا قتل ویسا ہی حرام ہو گیا جیسا تیرا خون اور تیرا قتل اسے قتل کرنے سے پہلے تھا اور تو اسے قتل کرنے کے بعد ویسا ہی ہو گیا جیسا وہ لا الٰہ الا اللہ کہنے سے پہلے تھا۔ یعنی نہ تیرا خون معصوم اور نہ تیرا قتل حرام۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث جو حضرت اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے اس میں بھی حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرنے والے کو قتل کرنے سے بڑے سخت الفاظ میں منع فرمایا۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ کا بیان ہے کہ حضور سرورِ کائناتؐ نے ہمیں ایک جنگی مہم پر بھیجا۔ ہم حرقات کے ایک قبیلہ جہینہ سے نبرد آزما ہوئے۔ ہم نے وہاں ایک شخص کو گرفتار کر لیا۔ اس نے فوراً لا الٰہ الا اللہ کہا لیکن میں نے برچھی سے اس کو مار دیا۔ اس کے بعد میرے دل میں اس فعل پر ایک خلش پیدا ہوئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا تھا اور تو نے اسے مار ڈالا؟ میں نے عرض کیا" اس نے ہتھیار کے خوف سے یہ الفاظ کہے تھے"۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم اقالھا ام لا ؟ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا تاکہ تجھے معلوم ہوتا کہ اس کے دل نے یہ کلمہ کہا تھا کہ نہیں "

حضرت اسامہ بن زیدؓ کا کہنا ہے کہ حضورؐ یہ کلمات بار بار دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے آرزو کی کاش میں نے اسی دن اسلام قبول کیا ہوتا" اسی حدیث کی ایک دوسری روایت تھوڑے سے تغیر و تبدل کے ساتھ جو منقول ہوئی ہے اس کے آخر میں حضورؐ کے الفاظ ایسے ہیں جن سے اُسامہ کے اس فعل پر آپ کے شدید اضطراب کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضورؐ نے جب اسامہؓ سے اس واقعہ کے بارے میں دریافت فرمایا تو حضرت اسامہؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ اس نے مسلمانوں کو شدید اذیت دے رکھی تھی اور فلاں فلاں کو شہید کر دیا تھا۔ اس کی صراحت میں حضرت اسامہؓ نے چند افراد کے نام بھی لیے۔ پھر کہا" لیکن جب میں اس پر غالب آیا تو اس نے تلوار کے ڈر سے لا الٰہ الا اللہ کہنا شروع کر دیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ کیا تو نے پھر بھی اسے قتل کر دیا؟ اسامہؓ نے کہا۔ ہاں۔ اس پر رسالت مآب نے فرمایا۔ فکیف تصنع بلا الٰہ الا اللہ اذا جاء یوم القیٰمۃ قولا الٰہ الا اللہ کا

کیا جواب دے گا جب وہ قیامت کے دن پیش ہو گا ؟ حضرت اسامہ نے فرمایا۔ حضور میرے لیے بخشش کی دعا فرمائیں۔ لیکن آپ بار بار یہی بات دہراتے کہ "کیا جواب دے گا تو لا الٰہ الا اللہ کا جب وہ قیامت کے دن آئے گا"

(صحیح مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الٰہ الا اللہ)

قتل مومن تو خیر بڑا سنگین جرم ہے۔ حضور سرور دو عالم نے تو اس شخص کو بھی لعنت کا مستحق قرار دیا ہے جو کسی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال ابوالقاسم	حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ
صلی اللہ علیہ وسلم من اشار الی	حضور سرور دو عالم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنے بھائی
اخیہ بحدیدۃ فان الملئکۃ تلعنہ	کی طرف لوہے سے (یعنی ہتھیار سے) اشارہ
حتی یدعہ وان کان اخاہ	کرے اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں جب تک
لابیہ وامہ	وہ اس سے باز نہ آ جائے۔ خواہ وہ اس کا
(صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب)	سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو

حضور سرور کائنات نے مسلمانوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ تیروں اور نیزوں کو لے کر یونہی بازاروں مساجد یا اجتماعی زندگی کے دوسرے مراکز میں آ جائیں۔ انہیں اس ضمن میں اس بات کی سخت ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ان کے ضرر رساں حصوں کو پوری طرح ڈھانک کر رکھیں تاکہ ان سے کسی کو غفلت میں بھی کوئی نقصان نہ پہنچ پائے۔ امام نووی نے کہا ہے کہ یہ حکم صرف تیر نیزے یا تلوار پر ہی حاوی نہیں بلکہ اس کے تحت ہر وہ ہتھیار یا چیز آ جاتی ہے جس سے ضرر پہنچنے کا کوئی احتمال موجود ہو۔

(ملاحظہ ہو صحیح مسلم۔ باب من مر بسلاح فی مسجد او سوق ... شرح نووی جلد دوم ص۳۳)

حضور سرور کائنات کے ارشاداتِ گرامی اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ قیامت کے روز ایک شخص جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہو گا تو اس سے پہلا سوال انسانی خون کے بارے میں ہی کیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ نے حضور کا فرمان یوں روایت کیا ہے :۔ اول ما یقضی بین الناس یوم القیامۃ فی الدماء (صحیح مسلم) قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کے مقدمات کا فیصلہ کیا جائے گا۔ امام نووی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ جرم بڑا سنگین ہے اس لیے اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اسی کے

بارے میں قیامت کے روز باز پرس کرے گا۔ اس حدیث کا اس حدیث سے کوئی تعارض نہیں ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال کیا جائے گا حقوق اللہ میں سے نماز اولین اہمیت کی حامل ہے اور حقوق العباد میں انسانی جان کا احترام بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ (جلد دوم صنلا)

جو بدبخت انسانی جان کے درپے ہوتے ہیں انہیں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کے مطابق ان پر صرف اس خون ناحق کا وبال ہی نہیں پڑتا جو انھوں نے خود گرایا ہے۔ بلکہ ان کے جرم کے ارتکاب کے بعد جو دوسرے لوگ اس کے جواب میں، یا ان کی بری مثال سے متاثر ہو کر، یا ان کی پیدا کردہ بدامنی کی وجہ سے جری ہو کر انسانی جانوں سے کھیلیں گے۔ ان کے وبال کا ایک حصہ بھی ان کے نامۂ سیاہ میں اسی طرح لکھا جائے گا جس طرح کہ قاتل اول قابیل کے نامۂ اعمال میں درج ہو رہا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنی دراز دستیوں کی وجہ سے معاشرے میں جور و ستم کے دروازے کھولتے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مَنْ قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا (جس نے کسی انسان کو خون کے قصاص یا زمین میں فساد پھیلانے کی سزا کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا) یعنی جو ظالم و فاجر ایک شخص کی جان بلا وجہ اور بے قصور لے ڈالنے میں نہیں ہچکچاتا اس کی جسارت اور خبث نفس سے اول تو یہ بعید نہیں کہ اسے اگر موقع میسر آئے تو وہ پوری نوع انسانی کو تہ تیغ کر دے لیکن کم از کم اس کے فعل کا نتیجہ تو رونما ہو کر ہی رہتا ہے کہ دوسرے لوگوں کے لیے قتلِ نفس کا دروازہ کھلتا ہے اور تمام انسانوں کی جان کے لیے خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے جو شخص اس فعل کا ارتکاب کرتا ہے وہ درحقیقت ایک انسان کا نہیں بلکہ پوری انسانیت کا دشمن ہے۔ اسی حقیقت کو حضور سرور دو عالم نے حدیث میں یوں بیان فرمایا ہے :۔

عن عبد اللہ قال رسول	حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقتل	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی
نفس ظلما الا کان علی ابن	زمین پر کوئی خون ناحق ہوتا ہے تو اس کا ایک
آدم الاول کفل من دمها لانه کان	حصہ آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) کے ذمہ پڑتا ہے
اول من سن القتل (صحیح مسلم)	کیونکہ اس نے قتل کی راہ نکالی

اللہ اور اس کے رسول کے یہ احکام مسلمانوں کو یاد نہیں رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ذرا ذرا سی بات پر مسلمان کے ہاتھ سے مسلمان کا قتل بے دھڑک ہو رہا ہے اور کم ہی کسی کو یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ کیسا جرم عظیم ہے جس کا مظلمہ وہ اپنی گردن پر لے رہا ہے۔ آج اگر ہم اس کی روک تھام کے لیے اور کچھ نہیں کرسکتے تو کم از کم یہ تو کرسکتے ہیں کہ ان احکام کو زیادہ سے زیادہ مسلمانوں تک پہنچائیں۔ شاید کہ بھولے ہوئے سبق کو یاد کر کے دل اس سے ڈریں اور ہاتھ اس سے رک جائیں۔

تراجم واقتباسات

زڈ، اے سلیری

مسلم انفرادیت کو ختم کرنیکی روسی تدبیریں

کمیونزم ایک تبلیغی نظریۂ حیات ہے اور اسی کے مطابق عالمی انقلاب اس کا لازمی ہدف ہے۔
روسیوں کی قدیم روایت یہ ہے کہ وہ اپنے مفتوحہ علاقوں اور قوموں کو مکمل طور پر روسی بنالینے کی جد و جہد
کرتے ہیں۔

سنٹرل ایشیا کی مسلم جمہوریتوں میں روسی کیمونزم نے دو دھاگوں کو ملا کر اپنی پالیسی کا جال بنا ہے
یعنی روسی اقتدار کی توسیع اور سخت ترین کنٹرول یہ پالیسی کئی دہائیوں سے برسرعمل ہے۔ اس کا نتیجہ کیا
ہے؟ کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اپنے موجودہ حالات میں سنٹرل ایشیا کے عوام اس پوزیشن میں ہیں کہ وہ
اپنا مستقبل اور اپنی تقدیر اسلامی اقدار اور اپنی صدہا سال قدیم تہذیبی میراث کے مطابق بنائیں۔
روس کے ہمیشہ دو رخ رہے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ روسی قوم کا زاد بوم اور وطن ہے۔ دوسرا
یہ کہ اس کے قبضے میں غیر ملکیوں کے وسیع علاقے ہیں جن پر اس کے اقتدار کا تخت بچھا ہوا ہے ——
اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب نے روس میں متعدد تبدیلیاں پیدا کیں۔ اصل روس کی حدود میں کیمونسٹ
فلسفے نے عیسائیت کو جڑ سے اکھاڑ دینا چاہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گرجے اب بھی بکثرت موجود ہوں لیکن
حقیقت یہ ہے کہ حکومت اور کیمونسٹ پارٹی اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ صرف الحاد اور انکار خدا
کی حامی و مبلغ ہے اور اسی دین کی تبلیغ کو روس میں آزادی حاصل ہے۔ حکومت، مذہب عیسوی کو تبلیغ
کی آزادی عطا کرنے سے انکار کرتی ہے۔ مزید برآں اس نے تمام تعلیم گاہوں میں سیکولر تعلیم کو قانوناً جاری
اور لازم کر دیا ہے۔ سالہا سال کے اس عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ روس کے نوعمر اور ادھیڑ عوام کے نزدیک مذہبی
اقدار بالکل بے معنی چیز ہو کر رہ گئے ہیں۔ میں نے ماسکو اور لینن گراڈ میں بہت سے روسیوں سے ملاقات

کی اور بہتوں سے گفتگو کی لیکن مجھے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جو مذہب کی طرف میلان رکھتا یا اس کو کسی رعایت کا مستحق سمجھتا ہو۔ (۱) اس کو نہ بھولیے کہ روس، روایتی طور پر ایک مذہبی معاشرہ اور زبیز نطیق تر کے کا وارث تھا۔ یہ ایک انقلابی قلب ماہیت اور کمیونسٹ عہد حکومت کی زبردست چھاپ ہے جو اس نے روسی عوام پر لگائی ہے۔ اسی سے اندازہ کیجیے کہ سنٹرل ایشیا کے مسلمانوں کا حال کیا ہوگا۔

کمیونزم کے ظہور و تسلط کے بعد سنٹرل ایشیا پر ایک نوآبادی کی حیثیت سے حکومت کرنے کی وہ انتہائی ظالمانہ و جابرانہ پالیسی یقیناً بدل گئی جو زار کی حکومت نے اختیار کر رکھی تھی۔ لینن نے سوویٹ شلسٹ جمہوریتوں میں بسنے والی تمام قومیتوں کے درمیان مساوات کا فلسفہ پیش کیا اس کے نتیجے میں سنٹرل ایشیا کو ترکستان کا نام دے کر اس کو اندرونی خودمختاری دینے کا اعلان کیا گیا۔

لینن کی پالیسی

مخصوص نام رکھ دینے کی اس پالیسی نے اس صورت حال میں کوئی حقیقی تبدیلی پیدا نہیں کی کہ مسلم علاقہ اب بھی روسیوں کے ماتحت تھا۔ مزید برآں اس پر اس کمیونسٹ بالادستی کا اضافہ ہوگیا تھا جو اسلامی عقیدے اور روایات کے ساتھ اس سے زیادہ رعایت نہیں برت سکتی تھی جتنی اس نے مذہب عیسوی کے ساتھ برتی تھی اس لیے واقعۃً مسلم علاقے پر دباؤ سو گنا زیادہ بڑھ گیا ہے۔ نظریاتی طور پر مذہب، کمیونسٹوں کے نزدیک 'افیون' ہے جو سماج کے جسم کو معطل کرتی ہے اس لیے انھوں نے مسلم علاقے کو اپنے رنگ میں رنگ لینے کی پوری کوشش شروع کر دی۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کا پہلا قدم یہ تھا کہ ترکستان کے وجود اور اس کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا جائے جس کی جرأت روس کے زار و دل نے بھی نہ کی تھی۔ قومیتوں کے حق خود اختیاری کے اصول کو اس علاقے پر اتنی سختی اور دقیقہ رسی کے ساتھ نافذ کیا گیا کہ یہ تاریخی علاقہ پانچ درج ذیل حصوں میں تقسیم کر دیا گیا

ازبکستان، تاجکستان۔ قزاقستان۔ کرغیستان۔ ترکستان

زبان اور رسم الخط

اس کے بعد صرف یہی نہیں کہ روسی زبان کو۔ جو کسی ملک کو روسیانے کا اولین ذریعہ ہے۔ تمام علاقے میں پھیلا دیا گیا بلکہ مسلمانوں کی علاقائی زبانوں کے فارسی رسم الخط کو روسی رسم الخط سے بدل دیا گیا۔ اس عمل نے اس خالص مسلم علاقے کو اردگرد کے

لہ کسی غیر ملکی کے سامنے مذہب کی طرف اپنے میلان کو ظاہر نہ کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ فی الواقع روس کے نوجوان اور ادھیڑ عمر کے لوگ مذہب کی طرف میلان نہیں رکھتے۔ کمیونسٹ لیڈر خود اعتراف کرتے ہیں کہ وہ مذہب کے استیصال میں ناکام ہیں

(ادارہ)

مسلمان ملکوں سے علیحدہ کر دیا۔ رسم الخط کی تبدیلی نے ایک آہنی پردہ ڈال کر ایک طرف سنٹرل ایشیا کو اور دوسری طرف افغانستان، ایران اور پاکستان کو ایک دوسرے سے جس طرح علیحدہ کر دیا ہے اس طرح کوئی نظریاتی فلسفہ بھی نہیں کر سکتا۔ جو لوگ پاکستان میں اردو رسم الخط کو رومن رسم الخط میں بدلنا چاہتے ہیں انہیں غور کرنا چاہیے کہ اس کا اثر ان تعلقات پر کیا پڑے گا جو پاکستان، ایران اور عرب ممالک کے درمیان ہیں اور یہ وہ ممالک ہیں جن کے ساتھ ہماری وابستگی کی بنیاد بہت گہری ہے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم خود اپنے مسلمان بھائیوں کے درمیان اجنبی بن کر رہ جائیں گے جیسا کہ ترکی اجنبی بن کر رہ گیا ہے۔ اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ترکی کے لیڈروں نے سوچ سمجھ کر ایسا کیا تھا، وہ ترکی کو مغرب سے قریب اور ترکی قوم کو مغربی تہذیب سے آراستہ کرنا چاہتے تھے۔

مسلم علاقے کو روسی بنانے کا کام اس قدر آگے بڑھ گیا اور وسیع ہو گیا ہے کہ اب یہ لازم ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کے نام بھی روسی تلفظ میں ہوں چناں چہ اب خان، خانوف ہو گیا ہے اور احمد، احمدوف ہو گیا ہے وَھَلُمَّ جَرًّا ۔ لیکن مشرقی یورپ کے جو ملک روسی جوے کے نیچے آگئے ہیں انھوں نے روسیوں کا اثر اس معاملے میں قبول نہیں کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روسی کمیونسٹوں نے یہ دستور خاص طور پر سنٹرل ایشیا میں جاری کیا ہے تا کہ اس علاقے کے مسلمانوں کی امتیازی شخصیت کو بالکل مٹا ڈالیں

نفسیاتی تبدیلی

روسی طریق زندگی فی الواقع مغربی طریق زندگی کا چربہ ہے اس لیے کہ روسیوں نے خود اپنی زندگی کو پوری طرح مغربی زندگی کے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔ روس میں یہ عمل بہت پہلے پیٹر اعظم کے وقت میں شروع ہوا تھا اسی کے عہد میں فرانسیسی اثر نے زبردست بالادستی حاصل کی۔

سنٹرل ایشیا میں نئی نسل نے بالکلیہ مغربی لباس اختیار کر لیا ہے۔ تاشقند میں، تجارتی شوکیسوں کے اندر میں نے مغربی لباسوں کے سوا کوئی دوسرا لباس نہیں پایا اور یہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا یہ چیز ان علاقوں میں جو افغانستان اور پاکستان کے ہم سرحد ہیں ایک عظیم نفسیاتی تبدیلی کا پتہ دیتی ہے۔ اگرچہ یہ تبدیلی کمیونسٹ روس کے واسطے سے پیدا ہوئی ہے۔ پھر بھی ایک مغربی سیاح یہ دیکھ کر کتنا خوش ہوتا ہو گا کہ اس کے طریق زندگی نے ان علاقوں میں رسائی حاصل کر لی ہے جن کے بارے میں کبھی یہ خیال کیا جاتا تھا کہ باہر کی دنیا کا اثر وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

ریڈینس دہلی ۱۰ر جولائی ۱۹۶۶ء

ذات پات کی لعنت

اس عنوان سے ۲۸ جولائی ۱۹۶۵ء کے اسٹیٹس مین دہلی میں بی کے ورما صاحب کا ایک خط شائع ہوا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے :-

مجھے مسٹر آل۔ الایا پرل، ایم پی کے بیانات (شائع شدہ اسٹیٹس مین جولائی ۱۴-۱۵) سے یہ معلوم کر کے سخت صدمہ پہنچا کہ دہلی ایڈمنسٹریشن نے مختلف نسل کے لوگوں جیسے جاٹ، بالمیکی اور چمار وغیرہم کے لیے الگ الگ کنوئیں تعمیر کرائے ہیں حالانکہ چھوت چھات کی ممانعت کا قانون ۱۹۵۵ء تمام ہندوستان میں نافذ کیا جا چکا ہے۔ مسٹر پرل جس کمیٹی کے چیرمین ہیں اس کمیٹی میں ذمہ داروں نے بیان کیا کہ مختلف نسل کے لیے الگ الگ کنوئیں اس لیے بنائے گئے ہیں کہ پبلک کا مطالبہ یہی تھا ان کی خواہش کے مطابق ایسا کیا گیا ہے۔ تمام معقول اور ہوشمند ہندوؤں کو مطالبہ کرنا چاہیے کہ اس عمل کے جو لوگ ذمہ دار ہیں انہیں سزا دی جائے۔ اگر مسٹر نندا مہاتما گاندھی کے پیرو ہیں اور قانون کا احترام کرنے والے ہیں تو انہیں اپنے اختیارات سوسائٹی کے ان جیسے دشمنوں کے خلاف استعمال کرنا چاہیے۔

چونکہ محکمۂ پولیس میں کرپشن پھیلا ہوا ہے اس لیے اس بات میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ جب ہریجن اس طرح کی شکایتیں وہاں لے جاتے ہیں تو عام طور سے پولیس انہیں رجسٹر کرنے سے انکار کر دیتی ہے چھوت چھات کے ایکٹ کے تحت ان کی شکایتیں درج نہیں کی جاتیں

ہندوستانی عوام مہاتما گاندھی جیسے بڑے لوگوں کی غلطیوں کو ظاہر کرنا بہت کم پسند کرتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ مہاتما گاندھی سے یہ غلطی ہوئی کہ انھوں نے ذات پات کے سسٹم کا استیصال کیے بغیر چھوت چھات کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

۲۹ اپریل ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی نے چھوت چھات کو یہ سوچے بغیر خلاف قانون

قرار دیا کہ ذات پات کا سسٹم ختم کرنے سے پہلے چھوت چھات کو مؤثر طور پر ختم نہیں کیا جا سکتا جو لوگ ہندو معاشرے کی اصلاح اور چھوت چھات کو ختم کر کے ہندوازم کو صاف ستھرا بنانا چاہتے ہیں انہیں متعدد محاذ پر دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ایک نمایاں مشکل دور کرنے ذات پات سے متعلق ہندوستانی حکومت کے رویے کی وضاحت کرتے ہوئے مجھے لکھا تھا:۔

اس معاملے میں سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے بلند آواز میں ذات پات کے خلاف بولتے ہیں، دراصل وہی اس کے سب سے بڑے مددگار ہیں ۔۔۔ ملک کی پوری لیڈر شپ قول و فعل کے تضاد میں مبتلا ہے۔ ہم پبلک میں ایک بات کہتے ہیں اور عملی طور پر ہماری پرائیوٹ زندگی اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے ۔۔۔۔۔۔ صرف حکومت ہی نہیں بلکہ حکمران پارٹی بھی ذات پات کو ختم کرنا پسند نہیں کرتی۔ یہ حقیقت پسند لوگ ہیں۔ ذات پات ہندوستان میں ایک حقیقت ہے۔ یہ ہوشمند لوگ پوری طرح اس کا استحصال کرتے ہیں۔ الکشن میں اسی بنیاد پر امیدوار منتخب کیے جاتے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ امیدوار اس نسل کا نہ ہو جس کے پاس زیادہ ووٹ ہیں تو پھر وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ہندوستان میں حکومت اور پارٹیوں سے الگ کچھ حلقوں میں لاکھوں روپے، ذات پات کے سسٹم کو برقرار رکھنے کے لیے صرف کیے جا رہے ہیں۔

"جو لوگ اس برے سسٹم کی وجہ سے نقصان اٹھا رہے ہیں اور جو لوگ سیدھے راستے پر ہیں انہیں اس برائی کو ختم کرنے کے لیے فرد واحد کی طرح اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔"

اس خط میں کانٹے کی جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حکومت، حکمران پارٹی بلکہ لیڈر شپ قول و فعل کے تضاد کا شکار ہے۔ پبلک میں اعلان کچھ اور ہوتا ہے اور اندر حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ یہی منافقت اور دورنگی اس ملک کا لاعلاج مرض بنی ہوئی ہے اور افسوس یہ ہے کہ آج دنیا کی مسلمان حکومتوں، مسلمان لیڈروں اور مسلمان پارٹیوں میں بھی قول و فعل کے تضاد کا مرض پوری طرح سرایت کر چکا ہے۔

مکتوب نگار نے یہ بات بالکل ٹھیک لکھی ہے کہ جب تک ذات پات کا سسٹم ختم نہ ہو چھوت چھات کی لعنت ختم نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ذات پات کا سسٹم کس طرح ختم ہو اس پر انھوں نے کوئی روشنی نہیں ڈالی حالانکہ یہی چیز سب سے زیادہ واضح کرنے کی تھی۔ ہندوستان میں ذات پات کا سسٹم ایک مذہبی عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی جڑیں عوام و خواص کے دل و دماغ میں اتری ہوئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ

ان جڑوں کو قانون کی لاٹھی سے نہیں اکھیڑا جا سکتا۔
ان جڑوں کو نسل و نسب کے صحیح تصور کی کدال ہی اکھیڑ سکتی ہے کسی عقیدے کو، کوئی دوسرا عقیدہ ہی بدل سکتا ہے، دستور کی کوئی عبارت یا اسمبلی کا کوئی ایکٹ اسے بدل نہیں سکتا۔ جب تک پورے ملک میں ایک مہم کے طور پر یہ عقیدہ نہ پھیلایا جائے کہ فی الواقع تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں اور قبیلے اور خاندان محض باہمی تعارف اور باہمی صلہ رحمی کے لیے اللہ نے بنا دیے ہیں اس وقت تک ذات پات کی موجودہ برائی کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کے نزدیک اونچا وہ ہے جو اپنے عقیدہ و عمل کے لحاظ سے اونچا ہو اور نیچا وہ ہے جو اپنے عقیدہ و عمل کے لحاظ سے نیچا ہو۔ اس حقیقت کو اسلام نے پوری وضاحت اور پورے زور کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور تاریخ بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے اس حقیقت کو مان لیا وہ ذات پات کے اس سسٹم سے بالکل محفوظ ہو گئے جس کی شکایت مکتوب نگار نے کی ہے اور آج بھی مسلمان معاشرہ ہزار گراوٹوں کے بعد بھی اس گراوٹ سے محفوظ ہے کہ اس کے مختلف خاندانوں کے لیے الگ الگ کنوئیں بنانے کی ضرورت پڑے۔ کاش ہمارے برادرانِ وطن اس حقیقت پر غور کرتے اور اسے مان لیتے۔

مدیر

شرائطِ ایجنسی

۱۔ ایجنسی کم سے کم ۵ پرچوں پر دی جائے گی
۲۔ -/5 ایڈوانس جمع کرنے ہوں گے۔
۳۔ ۵ سے ۱۰ پرچوں تک 25/ کمیشن دیا جائے گا۔ البتہ ۱۰ سے زائد رسالوں پر کمیشن 33/ دیا جائے گا۔
۴۔ رسائل کی روانگی کا خرچ دفتر برداشت کرے گا۔ رجسٹری اور وی پی (V.P) کا خرچ ایجنٹ صاحبان کے ذمے ہوگا۔
۵۔ ہر ماہ کا بل باقاعدگی سے ادا کرنا چاہیے۔

منیجر رسالہ زندگی رام پور۔ یوپی

سالانہ رپورٹ جماعت اسلامی ہند

یکم اپریل ۱۹۶۴ء تا ۳۱ مارچ ۱۹۶۵ء

جماعت اسلامی کی موجودہ پالیسی کے لحاظ سے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ پالیسی کی ابتدائی پانچ دفعات اسی سے متعلق ہیں۔ پھر موجودہ پالیسی میں ارکان کی تربیت اور داخلی نظم کے استحکام کو بھی ایک خاص مقام حاصل ہے۔ چنانچہ شائع شدہ پالیسی کے آخر میں ایک نوٹ بھی درج ہے جس سے ان دونوں کاموں کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

لہذا پہلے دعوت و تبلیغ کے سلسلے کی معلومات جو موصول شدہ رپورٹوں سے ماخوذ ہیں پیش کی جاتی ہیں۔

تنظیمی حلقوں نے طے کیا تھا کہ وہ اس میقات کے ابتدائی دو برسوں میں ۴۷،۸۲۳ مسلم متعارفین بنائیں گے لیکن پہلے سال میں صرف ۷،۲۴۸ متعارف بنائے گئے جو ایک تہائی سے کچھ زائد ہیں۔ یعنی دوسرے سال میں دو تہائی کے قریب کام باقی ہے۔

مسلم متفقین کی دو سالہ منصوبے میں مقرر شدہ تعداد ۴،۳۰۹ تھی جس میں سے صرف ۴،۶۰۷ کی تعداد پہلے سال میں پوری ہو سکی، جو ایک تہائی سے بھی کچھ کم ہے اس طرح آئندہ سال بقیہ دو تہائی سے زائد کو پورا کرنا ہے۔

ہمدردوں کا نشانہ ۳،۰۴۱ تھا جس میں سے صرف ۸۴۴ حاصل ہو سکا ہے یعنی ایک چوتھائی سے کچھ زیادہ۔ اس طرح آئندہ سال تقریباً تین چوتھائی سے بھی زیادہ کام کرنا ہے۔

حلقہ ہائے ہمدرداں کی مقررشدہ تعداد ۱۵۰ تھی جن میں سے ۹۹ حلقے قائم ہوگئے۔ بقیہ ایک تہائی سے کچھ کم آئندہ سال قائم کرنے ہیں۔

خواتین میں متعارف متفق اور ہمدرد بنانے کے لیے ۵۶۳ کا نشانہ مقرر کیا گیا تھا جن میں سے مدت زیر رپورٹ میں ۱۲۹ یعنی نصف سے کم خواتین کو متعارف، متفق اور ہمدرد بنایا جا سکا۔

حلقہ ہائے خواتین ۹۶ قائم کرنا تھے جن میں سے صرف ۲۰ حلقوں کا قیام عمل میں لایا جا سکا ہے یعنی ایک تہائی سے کم۔

۱۲،۹۳۵ غیر مسلمین سے دعوتی روابط قائم کرنے تھے لیکن واقعۃً ۲،۱۴۴ افراد سے ربط پیدا کیا گیا۔ اس طرح چھٹے حصے سے کچھ کم کام انجام پا سکا۔

۳،۵۴۵ غیر مسلم متعارف بنانے تھے لیکن صرف ۱،۷۹۷ بنائے جا سکے۔ اس طرح ½ سے کچھ زیادہ کام انجام پا سکا۔

جن حلقوں میں پچاس فی صد کے قریب یا اس سے زائد نشانے پورے ہو سکے ہیں۔ وہ حلقہ ہائے حیدرآباد اورنگ آباد، جنوبی بہار اور بعض نشانوں کی حد تک کیرالا اور مشرقی یوپی ہیں لیکن بحیثیت مجموعی سب سے بہتر کام حلقہ حیدرآباد میں انجام پا سکا ہے۔ حلقہ ہائے بھوپال، مدراس اور کسی حد تک بمبئی نشانے کو پورا کرنے میں پیچھے رہے ہیں۔

لیکن آپ بخوبی اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے اصل کاموں میں کتنی کمی اور خامی پائی جاتی ہے، نہ صرف یہ کہ مسلمانوں میں ہم نے دعوت و تبلیغ کے فریضے کو انجام دینے میں کوتاہی سے کام لیا ہے بلکہ غیر مسلمین جن پر ہمیں خاص توجہ صرف کرنی چاہیے تھی ان کے سلسلہ میں تو ہم اپنا فرض ادا کرنے سے بڑی حد تک قاصر رہے ہیں۔ فریضے کی ادائیگی کے علاوہ ملک کے حالات بھی اس کے متقاضی تھے کہ جماعت کا پیغام غیر مسلمین تک زیادہ سے زیادہ پہنچایا جائے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جماعت کے رفقاء میں کوئی ایسا COMPLEX پایا جاتا ہے کہ وہ بھی غیر مسلمین سے زیادہ ربط و ضبط نہیں پیدا کر سکے۔ دعوت و تبلیغ کے سلسلے کی یہ سست رفتاری کسی طرح ایک ایسی جماعت کے شایان شان نہیں ہے جو دعوت الی الخیر کے لیے میدان میں آئی ہو۔

اگر ہمارے رفقاء انفرادی و اجتماعی ملاقاتوں، لٹریچر کی تقسیم، مطالعوں وغیرہ کے ذریعے نیز ہمارے

اخبارات و رسائل بالخصوص دعوت اس فریضے کی انجام دہی میں سرگرم عمل ہو جائیں اور پالیسی میں جو امور اہم اور مقدم قرار دیے گئے ہیں ان کو سامنے رکھ کر اپنے تحریری و تقریری کاموں میں تناسب توازن پیدا کرلیں تو امید ہے ان شاء اللہ یہ کمی بڑی حد تک پوری ہو سکے گی اور ہم اپنے بقیہ نشانے حاصل کرسکیں گے۔

غیر مسلموں میں دعوتی کام کرنے کے لیے تیاری

پالیسی میں مندرج موضوعات جن کے سلسلے میں غیر مسلمین میں غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کے تعلق سے ابھی بہت کم کام ہوسکا ہے۔ حلقہ مشرقی یوپی کی اس سلسلے کی کوئی رپورٹ نہیں ملی حلقہ جات الہ آباد، میسور اور بھوپال میں کسی رفیق نے کوئی تیاری نہیں کی۔ حلقہ آسام میں دو رفقاء، حلقہ دہلی کے پانچ رفقاء، حلقہ راجستھان میں چار، حلقہ رام پور میں پانچ، حلقہ بمبئی میں چھ، حلقہ آندھرا میں پانچ، حلقہ اورنگ آباد میں ۱۶ اور حلقہ مرکز رام پور میں دس افراد نے ان کاموں کے سلسلے میں پیش کش کی ہے اور حلقہ جنوبی بہار میں سولہ افراد کو لکھا گیا ہے۔ مذکورہ بالا حلقوں میں بجز حلقہ رام پور، دہلی، راجستھان، بمبئی کے بقیہ حلقوں میں بجز حلقہ رام پور، دہلی، راجستھان، بمبئی کے بقیہ حلقوں کے رفقاء ابھی موضوعات بھی متعین نہیں کرسکے ہیں۔ حلقہ مدراس میں چند ارکان اور ایک ہمدرد مولانا سید حامد علی صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

مسلمانوں اور غیر مسلموں میں دعوت اسلامی کے تعارف کے لیے جماعت کے اخبارات و رسائل کو بھی حلقوں میں ذریعہ بنایا گیا تھا اور ہر اخبار اور رسالے کا نشانہ بھی مقرر کیا تھا۔ نشانوں کو پورا کرنے کی جو کوششیں حلقوں میں انجام پائی ہیں اور ان کے نتیجے میں اخبارات و رسائل کی اشاعت میں جو اضافہ ہوا ہے اس کی تفصیل جو حلقوں کی سالانہ رپورٹوں سے حاصل ہوئی ہیں وہ یہ ہیں۔

سہ روزہ دعوت کی موجودہ اشاعت میں اضافہ ۴۹۷ منصوبے میں مقرر تھا جس میں سے ۲۶۲، کے اضافہ کا نشانہ حاصل ہوسکا ہے جو نصف سے کم ہے۔

- زندگی میں اضافہ کا نشانہ ۲۰۰۰ تھا جس میں ۳۰۲ حاصل ہوا یعنی نصف سے کم حاصل ہوا۔
- کانتی کا نشانہ ۵۵۶ تھا جس میں سے ۱۳۹ یعنی ۱/۴ سے کم حاصل ہوا۔
- مرہٹی ہفت روزہ مارگ دیپ میں اضافے کا نشانہ ۱۰۰۰ تھا لیکن ۲۰۵۰ تک اضافہ ہوگیا یہ پرچہ خاص طور سے حلقہ ہائے بمبئی اور اورنگ آباد میں پڑھا جاتا ہے۔
- تیلگو ماہنامہ، دگنیا ناچندریکا کا نشانہ ایک ہزار تھا اس میں سے ۹۹۶ کا نشانہ ایک سال میں

پورا ہو چکا ہے

• پر بودھنم پاہنامے کا نشانہ ۵۰۰۰ تھا لیکن ایک سال کی مدت میں ۴۵۰۰ ہو گیا۔

• پر بودھنم ہفت روزہ میں اضافے کا نشانہ ۱۰۰۰ تھا جو پہلے ہی سال بحمد اللہ پورا ہو گیا۔

یہ پرچہ ملیالم زبان میں شائع ہوتا ہے اور کیرالہ میں پڑھا جاتا ہے نیز ملیالم زبان جاننے والے لوگ جو دوسرے بڑے شہروں میں رہتے ہیں وہاں بھی پڑھا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ اخبارات و رسائل کی یہ تعداد تعداد اشاعت نہیں ہے بلکہ صرف تعداد ہے جو مختلف حلقہ جات نے اپنے دو سالہ منصوبوں میں مقرر کی تھی۔

تربیت کے ضمن کی کوششیں اور اُن کے نتائج

ارکان کی تربیت کے ضمن میں تمام تنظیمی حلقوں میں جو کوششیں کی گئی ہیں ان کی نوعیت یہ ہے۔

۱۔ صالح لٹریچر کا انفرادی و اجتماعی مطالعہ۔ ۲۔ کارکنوں سے امیر حلقہ اور مقامی امراء کی ملاقاتیں۔ ۳۔ خط و کتابت کے ذریعہ اصلاح کی کوشش۔ ۴۔ تربیتی اجتماعات جو ہفت وار پندرہ روزہ یک شبی اور سہ روزہ منعقد کیے گئے۔ ۵۔ ارکان حلقہ کا تربیتی اجتماع۔ ۶۔ ضلعی سطح پر اجتماعات تربیتی۔ ۷۔ دعوتی صلاحیتوں کی نشو و نما کے لیے تقریری مشق۔ ۸۔ دعوتی وفود کا گشت۔ ۹۔ درس قرآن و حدیث کا اہتمام۔ ۱۰۔ انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ

تربیت کی ان کوششوں کے کہیں امید افزا اور کہیں اطمینان بخش نتائج رہے اور بعض مقامات پر ابھی خامیاں ہیں جن کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اب پالیسی کی ان دفعات کے سلسلے میں حلقوں کی جد و جہد کا ذکر کیا جاتا ہے جو ملکی اور بین الاقوامی مسائل پر مشتمل ہیں۔

فرقہ وارانہ ہم آہنگی

انفرادی و اجتماعی ملاقاتوں، اخبار میں اشاعت۔ تقریروں، مذاکرات اور سمپوزیم کے ذریعہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوششیں مختلف حلقہ جات میں انجام پاتی رہیں۔ حلقہ مشرقی یوپی [illegible] کے سامنے [illegible] کے لیے ۵۰ تقریریں کی گئیں [illegible] کمی کے باعث [illegible] کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی۔ حلقہ [illegible]

میں شانتی سینا دل سے تعاون کیا گیا۔ حلقہ جنوبی بہار میں غیر مسلموں کے امن پسند حضرات سے مل کر وحشت و بربریت کے خلاف صف آرا ہونے پر اکسایا گیا۔ اسی طرح حلقہ الہ آباد میں کان پور اور فرخ آباد میں کشیدگی دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ حلقہ مشرقی یوپی میں اس سلسلے میں چالیس انفرادی ملاقاتیں کی گئیں اور اکثریت کے امن پسند حضرات سے ملاقات کر کے ان کا تعاون حاصل کیا گیا۔ حلقہ بمبئی میں مالیگاؤں میں کشیدگی دور کرنے کے سلسلے میں اپیل شائع کی گئی جس کا اچھا اثر ہوا۔ نندربار اور تلوڑہ میں فرقہ وارانہ ہنگامے ہونے پر جماعت کے وفد نے دورہ کر کے صحیح حالات سے باخبر کیا۔ قدیم میسور کے ایک مقام چامراج نگر میں کشیدگی کے آثار پیدا ہونے پر حکام کو مختلف طریقوں سے توجہ دلائی گئی۔ مختلف حلقوں میں مسلمانوں میں خوف وہراس اور مایوسی کو کم کرنے کی کوشش کی گئی۔

مسلمانوں کو صبر و استقامت کی رفقاء برابر تلقین کرتے رہے۔ ان میں جرأت و پامردی کے لیے حلقہ مشرقی یوپی میں ایک سو پچاس بار گفتگوئیں اور ۵۰ تقریریں کی گئیں۔

حلقہ لکھنؤ کے ایک مقام رودرپور بھگاہی میں فساد کے نتیجے میں گردوپیش فرقہ وارانہ کشیدگی بہت بڑھ گئی تھی اسے دور کرنے کے لیے رفقاء کی کوششوں سے مختلف جماعتوں کانگرس، کمیونسٹ پارٹی، متحدہ سوشلسٹ پارٹی اور کھیت مزدور سبھا وغیرہ کے چودہ افراد پر مشتمل ایک وفد تشکیل پایا جن میں سات مسلم اور سات غیر مسلم تھے اس وفد نے وہاں جا کر حالات کا جائزہ لیا اور کشیدگی دور کر کے فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ رفقاء نے مظلومین کی مالی امداد بھی کی۔ بعض حلقوں میں ایڈمنسٹریشن کو متوجہ کیا گیا۔ حلقہ مشرقی یوپی میں ایڈمنسٹریشن کو تین مرتبہ توجہ دلائی گئی۔ بیشتر حلقوں میں ایسی توجہ دہانی کی ضرورت بحمداللہ پیش نہیں آئی۔

حلقہ الہ آباد میں اور حلقہ اندھرا میں سمپوزیم اور مذاکرات اور خطابات عام کے ذریعہ قومی یک جہتی کی طرف توجہ دلائی گئی۔

حلقہ اورنگ آباد میں پٹاخوں کے کارخانوں کے دھماکوں کے بعد مرہٹی اخبارات کے پروپیگنڈے کے سدباب کی کوشش کی گئی۔ جالنہ میں ڈپٹی کلکٹر سے ملاقات کر کے فرقہ وارانہ کشیدگی کو دور کرنے کے سلسلے میں مؤثر تدابیر اختیار کرنے پر زور دیا گیا۔ نیز آریہ سماج اور جن سنگھ کے متعلقہ افراد سے ربط قائم کیا گیا اور اتحاد وغیرہ کے لیے باہمی تعاون عمل کی ضرورت اور اہمیت کا احساس دلایا گیا۔ حلقے کے

تین اور مقامات پر جہاں فساد پھوٹ پڑا تھا اصلاح حال کی کوشش کی گئی ۔

پرسنل لا گزشتہ سال کی طرح اس سال پھر مہاراشٹر اسمبلی میں ایک سے زائد شادیوں پر پابندی لگانے کے لیے ایک بل پیش کیا گیا تھا۔ صرف فرق اتنا تھا کہ گزشتہ مرتبہ بل کے محرک ایک نام نہاد مسلمان تھے اور اس مرتبہ سمیکت سوشلسٹ پارٹی کے ایک ہندو ممبر اس کے محرک تھے چونکہ گزشتہ سال پرسنل لا کے سلسلے میں رائے عامہ کو کافی بیدار کر دیا گیا تھا۔ اس لیے یہ بل جس کے خلاف حلقہ بمبئی اور حلقہ اورنگ آباد نے خاص طور سے آواز اٹھائی تھی ۔غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی ہو گیا، لیکن نہیں کہا جاسکتا کہ کس وقت کس حلقے سے مسلم پرسنل لا پر پھر وار کیا جائے ۔

بہر حال مختلف حلقہ جات کی طرف سے انفرادی گفتگوؤں اور دعوتی نشستوں، تقاریر، مذاکرات، خطبات وغیرہ کے ذریعے مسلمانوں کو اس ضمن میں ان کی ذمہ داریاں بتائی جاتی رہیں۔ پرسنل لا، کی حقیقت اور شریعت کے مکمل اور جامع ہونے نیز پرسنل لا کی اہمیت واضح کرتے ہوئے اس میں مداخلت سے جو نقصانات ہو سکتے ہیں ان کو بھی بیان کیا گیا ۔حلقہ مشرقی یوپی میں اس سلسلے میں اٹھارہ تقریریں اور تین مذاکرات ہوئے ۔ حلقہ شمالی بہار میں مجلس مشاورت میں ایک قرار داد منظور کی گئی جس میں مسلم اوقات کو عام اوقاف کے تحت لانے کے منصوبے کی مذمت کی گئی ۔بعض حلقوں مثلاً آسام اور بھوپال میں اس سلسلے میں کوئی کوشش نہیں کی گئی ۔

پالیسی کی دفعہ ۹۷ کے تحت ملکی مسائل اور اردو کے ضمن میں کوششیں

شخصی و اجتماعی آزادی کلیت پسندی اقتدار مرتیت کے مقابلے میں جمہوریت کے فروغ شراب نوشی کی قباحت انسداد منکرات، فحش لٹریچر کی روک تھام خاندانی منصوبہ بندی (برتھ کنٹرول) کی خرابی اور چھوت چھات وغیرہ پر تقریباً تمام ہی تنظیمی حلقوں میں رائے عامہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی اور اس غرض کے لیے تمام معروف ذرائع استعمال کیے گئے ۔

مشرقی یوپی میں کم و بیش چھ افراد سے جن میں ایک غیر مسلم بھی ہیں شراب نوشی ترک کرائی گئی۔ حلقہ الہ آباد میں سرودے کارکنوں کے ذریعے غیر مسلموں میں بھی منکرات سے بچنے کی تحریک کی گئی ۔

وزرائے اعلیٰ کی کانفرنس میں زبان کا جو مسئلہ طے ہو رہا تھا اس موقع پر تقریباً تمام حلقوں کی طرف سے اردو زبان کے قانونی تحفظ کے بارے میں یادداشتیں بھیجی گئیں ۔حلقہ جنوبی بہار میں انجمن

ترقی اردو بہار سے اور حلقہ لکھنؤ میں متحدہ محاذ اردو کے ساتھ تعاون کیا گیا۔ حلقہ دہلی میں بھی کافی کوشش ہوئی اور اردو کنونشن کے انعقاد میں حصہ لیا گیا۔

معاشرتی اصلاح غیر ساتر لباس اور بے پردگی کے نتائج بد کے سلسلے میں تقریریں مذاکرات اور عملی کوششیں کی گئیں۔ مردوں اور خواتین دونوں کو ان کے دینی و دنیوی نقصانات بتائے گئے۔ حلقہ جنوبی بہار میں بے پردگی اور غیر ساتر لباس کے سلسلے میں اکثر بستیوں میں کام ہوا جس کے نتیجے میں بے پردگی میں تو کمی نہیں آسکی۔ مگر غیر ساتر لباس تقریباً گیارہ بستیوں میں ختم سا ہوگیا ہے اور پردے کا بھی کچھ خیال ہونے لگا ہے۔ حلقہ مشرقی یوپی میں اس سلسلہ میں ۷ تقریریں ۸ مذاکرات اور ۱۰ عملی کوششیں ہوئیں۔ بنگلور حلقہ میسور میں شب قدر میں میلے میں بے پردگی اور لہو ولعب کے مظاہرے کے خلاف کافی کام کیا گیا۔ ان کے نتیجے میں امسال یہ میلہ پھیکا رہا۔ حلقہ اورنگ آباد میں معاشرتی اصلاح پر بطور خاص توجہ کی گئی اور کئی مقامات پر غیر شرعی رسومات میں کافی کمی واقع ہوئی۔

معاشرتی اونچ نیچ اور مسرفانہ غیر اسلامی رسوم سے بچنے کی مختلف حلقہ جات نے کوششیں کیں حلقہ الٰہ آباد میں رفقاء خود بھی ان رسوم سے تقریبات کے مواقع پر بچتے رہے اور دوست احباب وغیرہ کو بھی روکتے رہے۔ حلقہ جنوبی بہار میں ان رسوم کی روک تھام کے لیے تقریباً دو سو بستیوں میں کام کیا گیا۔ تین مقامات پر کافی کامیابی ہوئی اور بچی ہوئی رقم کا ایک حصہ بیت المال میں بھی جمع کیا گیا حلقہ مشرقی یوپی میں اس سلسلے میں ۳۶ تقریریں، ۲۲ مذاکرات اور پانچ عملی کوششیں ہوئیں۔ حلقہ شمالی بہار میں خود بعض رفقاء سے رسوم اور اونچ نیچ کے معاملے میں کچھ کوتاہیاں سرزد ہوئیں لیکن اس سلسلے میں بعض رفقاء نے مثالی نمونے بھی پیش کیے۔ حلقہ جنوبی بہار میں بھی معاشرتی اونچ نیچ کے سلسلے میں کوششوں کے باوجود کمی نہیں آئی ہے۔ حلقہ مشرقی یوپی میں اس اونچ نیچ کے سلسلے میں ۳۰ تقریریں ۳۵ مذاکرات اور ۱۴ عملی کوششیں ہوئیں۔ حلقہ دہلی میں معاشرتی اونچ نیچ کو دور کرنے کے ضمن میں غیر معمولی کچھ کام ہوا اور پس ماندہ طبقوں اور برادریوں سے ربط قائم کیا گیا۔ حلقہ مدراس نے دین دار گھرانوں میں بھی شادی بیاہ کے سلسلے میں معاشرتی اونچ نیچ کا لحاظ ہوتا ہے جس کے روک تھام کی کوششیں کی گئیں۔

مذہبی جھگڑوں کی روک تھام فرقہ بندی و گروہی عصبیت کے نقصانات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی۔ حلقہ شمالی بہار میں دو مقامات پر رفقاء کو مناظروں کا چیلنج دیا گیا۔ لیکن بحمداللہ باوجود اشتعال کے رفقاء اس سے باز رہے حلقہ جنوبی بہار میں اس سلسلے میں آئندہ کام کے راستے کھل رہے ہیں۔ حلقہ مشرقی یوپی میں اس ضمن میں ۱۴ تقریریں ۵۴ مذاکرات اور ۲۰ عملی کوششیں ہوئیں۔ حلقہ الہ آباد کانپور میں وہابیت اور بریلویت کی کش مکش ہر جگہ روز افزوں ہے لیکن برابر توجہ دلائی جاتی رہی۔

نظم و اتحاد حلقہ شمالی بہار میں مسلم مجلس مشاورت کی تائید اور سہرسہ میں جدید ملت کمیٹی کے قیام کے ذریعہ مسلمانوں میں نظم و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی گئی حلقہ جنوبی بہار میں مسلم پرسنل لا کنونشن، دینی تعلیمی جماعت اور مسلم مجلس مشاورت کے ذریعے متصادم گروہوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوششیں بہت کامیاب ہوئیں۔ خصوصاً رانچی کا مشترکہ اجتماع بہت ہی کامیاب رہا لیکن ریلیف کے موقع پر مل جل کر کام کرنے کی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ حلقہ مشرقی یوپی میں اس ضمن میں کئی بار کوششیں ہوئیں۔ امیر حلقہ الہ آباد نے لکھا ہے کہ نظم و اتحاد کی کوشش کی جاتی ہے لیکن انجمن تعلیمات دین جس سے ہمارے رفقاء پورا تعاون کرتے ہیں اور جس کا ذمہ داروں کو اعتراف بھی ہوتا ہے پھر بھی جماعت کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے حلقہ رام پور میں دینی تعلیم کے علاوہ کسی اور معاملے میں اشتراک نہ ہو سکا۔ حلقہ دہلی میں تین مقامات پر زیادہ لیکن اور مقامات پر تھوڑا کام ہو سکا۔ حلقہ بھوپال میں چار مرتبہ کامیاب کوششیں ہوئیں پہلی مرتبہ مسلم کنونشن کی تجاویز کی تائید کے لیے، دوسری مرتبہ مسلم مجلس مشاورت کے وفد کے موقع پر تیسری مرتبہ بیراگڈھ کے فساد کے موقع پر اور چوتھی مرتبہ اردو کے مسئلہ پر۔ حلقہ بمبئی میں بھی مسلم مشاورتی مجلس کے وفد کی آمد کے موقع پر کوشش کی گئی۔ حلقہ آندھرا میں وجے واڑہ گنٹور کے مسلمانوں میں مسلم مجلس مشاورت کے وفد کے موقع دورے کے لیے مل جل کر کام کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی۔ حلقہ میسور میں اس ضمن میں ایک سمپوزیم ہوا جس میں اہم شخصیتوں نے حصہ لیا۔ حلقہ مدراس میں خاص طور سے خانگی جھگڑوں کو چکانے کی کامیاب کوششیں ہوئیں۔

مرحمت و مواسات اور خدمت خلق اس سلسلے میں تمام حلقوں میں بجز آسام کے کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا ہے بیماروں اور معذوروں کی دیکھ بھال ان کو وظائف دینا،

مریضوں کا دوا علاج، میڈیکل کالج وغیرہ میں داخلہ کی سہولتیں بہم پہنچانا۔ بلاسودی قرض دینا، مسافروں کو گھر پہنچانے میں مدد دینا۔ بچوں کی مفت تعلیم، لاوارث بچیوں کی شادی، لاوارث مردوں کی تجہیز و تکفین فطرے، چرم قربانی اور صدقات کی رقم کی تقسیم، حجاج کی خدمت، زچہ خانے کھلوانے کی کوشش۔ پریشان حال لوگوں اور معاش کے متلاشی لوگوں کو کام سے لگانا، مفت دواؤں کی تقسیم، آتش زدگی سے متاثر افراد کی امداد، بعض نادار طلبہ کا دوپہر کا کھانا، بیواؤں، یتیموں اور معذوروں کی اعانت، سیلاب زدگان کی امداد وغیرہ جیسے کام، مختلف حلقوں میں وقتاً فوقتاً انجام دیے جاتے رہے ہیں۔ البتہ قابل ذکر خدمات یہ ہیں :۔

۱۔ جنوبی بہار میں ۴۰ افراد کو بلاسودی قرض دلوایا گیا۔ ۲۔ حلقہ رام پور میں متعدد افراد کو بلاسودی قرض دلوانے کے علاوہ جاڑوں کے موسم میں ۶۲۰/ روپے کے لحاف تقسیم کیے گئے۔ ۳۔ مشرقی یو پی میں ۳۰۵۰ مریضوں کا مفت علاج کیا گیا۔ ۴۔ حلقہ بنگال میں ۲۰۰ مریضوں کا مفت علاج کرایا گیا ۵۔ حلقہ لکھنؤ میں ایک ہزار روپیہ صدقہ فطر کا عید الفطر کے موقع پر تقسیم کیا گیا۔ ۶۔ حلقہ کیرالا میں ۲۳۷۶/- مرحمت و مواساۃ کے مختلف کاموں میں صرف کیے گئے۔ ۷۔ حلقہ بھوپال میں بیراگڑھ کے فساد کے موقع پر اور حلقہ لکھنؤ میں کچھ کام بھوگاہی کے فساد کے موقع پر انجام پایا۔

ان کاموں کے علاوہ بنگال، بہار، اڑیسہ کے فساد زدہ علاقوں میں جماعت نے منظم طور پر مصیبت زدگان کی ریلیف اور بحالی کا کام انجام دیا۔ اس ضمن میں جماعت کی اپیل پر پانچ لاکھ ترانوے ہزار چار سو پچیس روپیہ ۶۰ پیسے وصول ہوا تھا۔ نیز جبل پور ریلیف فنڈ سے ۶۵/۹۹۰۶ کلکتہ بھیجا گیا تھا چنانچہ کلکتہ ریلیف فنڈ میں مجموعی رقم ۲۵/۶۰۳۳۵ چھ لاکھ تین سو پینتیس روپیہ پچیس پیسے ہو گئی تھی۔ حلقہ بمبئی نے اس فنڈ میں ۱۴۳۲/- اور ۵۰۸ اور کپڑے کی پندرہ گانٹھیں روانہ کی تھیں بقیہ رقوم ملک کے دیگر حصوں سے وصول ہوئی تھیں۔

ریلیف کے کام کی کچھ تفصیلات دعوت میں شائع ہو چکی ہیں اور کچھ مزید موصول ہوئی ہیں۔ جن کو حسابات کی مکمل جانچ کے بعد شائع کیا جا سکے گا۔ امید ہے کہ حساب کی یہ چیکنگ جلد ہی کی جا سکے گی۔

بہار اور اڑیسہ کے فساد زدہ علاقوں میں دو لاکھ سے زائد روپیوں کی امداد مظلومین تک پہنچائی گئی ہے جس میں سے حلقہ بمبئی نے ۹۶۳۰/- روپے اور کپڑوں کی دو گانٹھوں سے مدد کی اور حلقہ جنوبی بہار نے

بنگال و بہار و اڑیسہ کے فساد زدہ علاقوں میں ریلیف کا کام کرنے کے لیے ایک لاکھ سترہ ہزار تین سو بہتر روپے (۱۱۷۳۷۲/-) جمع کر کے صرف کیے۔

بنگال و بہار اور اڑیسہ کے فسادات کے موقع پر مظلومین کی امداد کے لیے بیس ہزار سے زائد رقم حلقہ اورنگ آباد کی طرف سے بھیجی گئی۔

دینی تعلیم

پورے ملک میں انفرادی گفتگوؤں، خطابات عام، ملاقاتوں، عصرانوں، تعلیمی مظاہروں تقریروں مذاکراتی نشستوں کے ذریعے مسلمانوں کو دینی تعلیم کی طرف توجہ دلائی گئی درسیات کا تعارف کرایا گیا۔ متعدد مقامات پر کچھ درسیات نصاب میں داخل ہوئیں۔ آسام میں [illegible] کا ترجمہ ایک صاحب کر رہے ہیں۔

مروجہ سرکاری درسیات کی خامیاں بتائی گئیں۔ درسی کتب کے جائزے کے سلسلے میں حلقہ جات جنوبی بہار، دہلی اور بمبئی نے جائزہ لینے کے لیے کمیٹیاں بنائی ہیں لیکن ابھی تک ان کی رپورٹیں امرائے حلقہ جات کو وصول نہیں ہو سکی ہیں البتہ حلقہ آندھرا میں جائزہ کمیٹی نے مکمل جائزہ لے کر رپورٹ دے دی ہے اور جون جولائی ۱۹۶۵ء میں حکومت کے ذمہ داروں سے مل کر اصلاح کی جائے گی۔ حلقہ بمبئی کی مجلس مشاورت نے بھی قابل اعتراض اجزاء سے درسیات کو پاک کرانے کے لیے ایک قرارداد وزیر تعلیم کو بھیج دی ہے مختلف حلقوں میں جہاں دینی تعلیمی کونسلیں قائم ہیں۔ درسیات کی خامیوں کی نشان دہی اور قابل اعتراض اجزاء کو حذف کرانے کے لیے ہمارے رفقاء ان سے پورا تعاون کر رہے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک بڑا اہم سوال یہ ہے کہ حکومت کو درسیات سے قابل اعتراض اجزاء کو خارج کرنے کے لیے کس طرح آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک بڑی دقت یہ ہے کہ ہر ریاست میں اس ریاست کی منظور شدہ کتابیں درسیات کے طور پر پڑھائی جاتی ہیں۔ اگر کسی ریاستی حکومت کے خلاف کوئی مقدمہ دائر بھی کیا جائے تو اس کے نتیجے میں صرف اس ریاست کی حد تک کامیابی کے امکانات ہوں گے۔ دوسری ریاستوں کا مسئلہ پھر بھی باقی رہے گا۔

بعض حلقوں نے ایجوکیشن منسٹری کو توجہ دلائی لیکن اس کا اثر بہت ہی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہوا ہے صرف یوپی کی حد تک دو ایک معمولی ترمیمیں محکمہ تعلیم نے کر دی ہیں۔

حلقہ مشرقی یوپی میں دینی تعلیم کا انتظام کرنے کے سلسلے میں ۱۱۰ تقریریں اور نوے مذاکرے ہوئے

حلقہ جنوبی بہار میں تیرہ مقامات پر بھی درس گاہیں کھولنے کے لیے لوگوں کو آمادہ کیا گیا جن میں سے چار مقامات پر ایسی درس گاہیں کھل گئی ہیں اس سلسلے میں موزوں اساتذہ کی قلت بھی ایک بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے۔ جنوبی بہار میں ۲۰ اساتذہ فوری طور پر درکار ہیں لیکن دستیاب نہیں ہو رہے ہیں۔

شہر بدایوں حلقہ رام پور میں بچیوں کی درس گاہ کے قیام پر بھی لوگوں کو آمادہ کیا گیا اور بحمداللہ کامیابی بھی ہوئی۔ حلقہ مدراس میں وانمباڑی اور عمرآباد میں سرکاری امداد پانے والے مدارس کو قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم کا انتظام کرنے پر آمادہ کیا گیا۔ اس حلقے میں CONVENT اسکولوں کے مضر اثرات بتا کر ان میں بچوں کو داخل کرنے سے منع کیا گیا اور تین بچوں کو وہاں سے اٹھا لیا گیا۔ حلقہ بمبئی میں تین جزوقتی مکاتب اور حلقہ آندھرا میں آٹھ صباحی اور شبینہ مکاتب کا قیام عمل میں آیا۔ بعض مقامات پر تعلیم بالغان کی طرف بھی توجہ دلائی گئی۔

دینی تعلیمی کونسل کے ساتھ ریاست یوپی راجستھان مدھیہ پردیش اور بہار میں تعاون کیا گیا۔ حلقہ الٰہ آباد کے رفقاء نے حلقے کے پانچ اضلاع میں دینی تعلیمی کانفرنس کے انعقاد کے سلسلے میں بھی پورا تعاون کیا۔ حلقہ اورنگ آباد میں نصاب تعلیم کا سابق میں جو جائزہ لیا گیا تھا۔ بعض مقامات پر اس سے متعلق پمفلٹ کو تقسیم کیا گیا اور ایک قرار داد منظور کی گئی جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ اسلامی عقائد کے نقطۂ نظر سے قابل اعتراض باتوں کو سرکاری نصاب تعلیم سے خارج کیا جائے نیز مرہٹواڑہ وقف بورڈ کو توجہ دلائی گئی کہ وہ اپنے بجٹ میں دینی تعلیم کے لیے اضافہ کرکے دینی تعلیم کی درس گاہیں قائم کرے۔

حلقہ جات میں مکاتب کے قیام کے لیے منصوبے کے مطابق جو کوششیں ہوئی ہیں ان کے نتائج یہ ہیں

نئے آزاد پرائمری مکاتب کے قیام کا نشانہ ۶۴ تھا جن میں سے ۴۰ کا قیام عمل میں آچکا ہے شبینہ و صباحی مدارس کا نشانہ ۲۷ تھا لیکن بحمداللہ ۳۲ قائم ہو چکے ہیں تعلیم بالغان کے مراکز ۹ کھولنے تھے لیکن بحمداللہ ۱۳ مراکز قائم ہو چکے ہیں۔ آزاد پرائمری مکاتب کے قیام میں شمالی بہار، شرقی یوپی اور حلقہ لکھنؤ بہت آگے ہیں اور تعلیم بالغان کے مراکز کے قیام میں حلقہ رام پور پیش پیش ہے۔ یہ کام ماشاءاللہ بہت امید افزا رہا۔

(باقی آئندہ)

تنقید و تبصرہ

نقطۂ نظر عبد المغنی لیکچرار شعبۂ انگریزی، پٹنہ کالج۔ صفحات ۲۱۶ کتابت طباعت اوسط۔ مجلد گرد پوش کے ساتھ۔ قیمت:۔ پانچ روپیہ ۷۵ پیسے۔ ملنے کا پتہ:۔ کتاب منزل سبزی باغ۔ پٹنہ ۴

زیر تعارف مجموعۂ مضامین کے مرتب صوبہ بہار کے ایک جواں سال نقاد ہیں جنہیں دیکھ کر سعدی کا یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

بالائے سرش ز ہوش مندی　　　می تافت ستارۂ بلندی

ان کی ہوش مندی، ذہانت، علم اور مطالعہ کے بارے میں یہ گمان تھا کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں لیکن یہ مجموعہ پڑھ کر معلوم ہوا کہ بہت کم جانتا تھا۔ دعا یہ ہے کہ عبد المغنی ایک ایسا ستارہ بن کر چمکیں جس میں سورج کی روشنی اور چاند کی خنکی و دل آویزی دونوں جمع ہوں۔

زیر نظر کتاب مرتب کے ۱۴ تنقیدی مقالات کا مجموعہ ہے۔ ان مقالات کی مدت ترتیب و تصنیف [illegible] سے [illegible] تک پھیلی ہوئی ہے۔ سب سے آخری مقالہ "اردو خطوط نگاری میں ابو الکلام کا مرتبہ" غیر مطبوعہ ہے اور باقی تمام مقالات پہلے چھپ چکے ہیں۔ کتاب کے مرتب نے اس کا دیباچہ بھی نقطۂ نظر ہی کے عنوان سے لکھا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں:۔

> ہر سنجیدہ شخص کے ہر سنجیدہ عمل کا ایک نقطۂ نظر لازمی طور پر ہوتا ہے۔ میری ادبی تنقیدوں کا بھی ایک نقطۂ نظر ہے۔ میں زندگی کے متعلق ایک واضح اور معین تصور رکھتا ہوں۔ میرے خیال میں انسان کی زندگی کسی حیوانی ارتقاء کا نمونہ نہیں۔ یہ ایک الوہی تخلیق کا نتیجہ ہے چنانچہ آدمی طبعاً ایک خدا اور شریف مخلوق ہے۔ انسانی سماج کی ترقی جنسی یا معاشی کش مکش کی مرہون منت نہیں۔ یہ ترقی اسرار

اخلاقی تعاون کا عطیہ ہے۔ یہ تعاون محبت اجتماعی قدروں کے ایک نظام پر مبنی ہے۔ انسانی ذہن کتنا ہی ترقی کر جائے۔ یہ قدریں اپنی جگہ اٹل ہیں۔ ایمان داری، ایثار، پاکیزگی، ہمدردی، سچائی بہادری وغیرہ وہ شریفانہ خصائل ہیں جن کے بغیر انسانیت کا کوئی ہیولیٰ کسی دور میں متصور نہیں۔

زیر نظر مجموعہ مقالات میں جتنے بھی ادبی مطالعات ہیں وہ سب بنیادی طور سے اسی نقطہ نظر پر مبنی ہیں۔ میں نے ہر مقالے میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ فن اپنے جمالیاتی وسائل سے کس طرح زندگی کی شرافت کو اجاگر کرتا ہے۔

مرتب کے یہ مقالات پڑھ کر ادبی مباحث جو میرے نہاں خانۂ دماغ کے کسی گوشے میں سوئے پڑے تھے جاگ اٹھے اور تھوڑا سا وقت ادبی مسرت و انبساط کے ساتھ گزر گیا —— مرتب نے متعدد شخصیتوں کے ادبی مقام اور ان کے کارناموں پر جو کچھ لکھا ہے ان سب سے اتفاق ضروری نہیں۔ اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا وزن کیا ہے۔ میرے نزدیک کسی تنقید کے صحیح معنی میں تنقید ہونے کے لیے کم سے کم تین باتیں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں ایک یہ کہ ناقد کی غرض کسی شخص یا اس کے کارنامے کی تنقیص نہ ہو۔ دوسری یہ کہ جس موضوع پر تنقید کرنی ہو، ناقد نے خود اس کا وسیع مطالعہ کیا ہو اور تیسری یہ کہ ناقد جو کچھ کہے وضاحت سے کہے گول مول اور مبہم انداز اختیار نہ کرے۔ اس پہلو سے تنقیدی مقالات کا یہ مجموعہ تنقید کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ناقد کے انصاف، وسیع مطالعہ اور توضیح نے ان مقالات کو بہت وزنی بنا دیا ہے۔ میں نے ادبی تنقید پر بہت سے مقالات پڑھے ہیں اور بلا رو و رعایت یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس معیار کے مقالے بہت کم پڑھے ہیں۔ اس مجموعہ کا پہلا مقالہ "اقبال اور شخصیتیں" پڑھ کر اس جہت سے بھی خوشی ہوئی کہ خود میرے ایک دیرینہ ارادے کے ایک جزو کی اس سے تکمیل ہو گئی۔ دس سال پہلے جب ادب کی طرف میری توجہ زیادہ تھی میں نے "رجال اقبال" کے نام سے ایک کتاب مرتب کرنی چاہی تھی اور کچھ مواد اکٹھا بھی کیا تھا لیکن پھر دوسرے کاموں کی مشغولیت کی وجہ سے یہ ارادہ عمل میں نہ آسکا۔ میرے ارادے کا دوسرا جزو یہ تھا کہ ان شخصیتوں کے مختصر سوانح حیات بھی جمع کر دیے جائیں جن کا ذکر اقبال نے اپنے کلام میں کیا ہے فاضل مقالہ نگار کو اس کا احساس ہے، وہ مقالے کے آخر میں لکھتے ہیں :-

"لیکن "رجال اقبال" کے عنوان پر اتنا ہی کافی نہیں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے شخصیات کے حالات، کردار اور افکار کا مفصل تذکرہ ہونا چاہیے۔"

اگر فاضل مقالہ نگار ہی اس جز کی تکمیل کر دیں تو ایک کتاب تیار ہو جائے گی اور یہ کتاب میرے لیے مزید خوشی کا سبب اور اقبالیات میں ایک مفید اضافہ ہوگی۔

اس مقالے کے صفحہ ۱۲ پر "اسے عزرائیل کے طمانچوں کی ضرورت ہے" کا جملہ شاید غلط چھپ گیا ہے عزرائیل کے بجائے عزازیل ہونا چاہیے۔

صفحہ ۲ پر ایک جملہ یہ ہے:۔ "بڑی تیز نگاہی کے ساتھ ان کیڑوں کو دیکھنا اور دکھانا پڑتا ہے جو ذہن کو غذا پہنچا کر خود ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے" اردو زبان میں "کیڑوں" کا اس طرح کا استعمال مقام مدح میں نہیں کیا جاتا۔ غالباً مقالہ نگار نے اس جملے میں خالص انگریزی اسلوب کی پیروی کی ہے اور یہ کوئی ایسا عمدہ اسلوب نہیں کہ خواہ مخواہ اسے اردو میں بھی لے لیا جائے۔

بحیثیت مجموعی یہ کتاب اس لائق ہے کہ ادب و تنقید سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص اسے مطالعہ کرے اور جو بھی اسے پڑھے گا امید یہی ہے کہ وہ یہ محسوس کرے گا کہ اس نے ایک اچھی اور کام کی کتاب پڑھی ہے۔

ABOUT IQBAL AND HIS THOUGHT

(کچھ اقبال اور اس کے فکر کے بارے میں)

از :۔ ایم۔ ایم شریف صاحب

صفحات ۱۱۶۔ مجلد مع گرد پوش۔ قیمت ۵۰/۔

شائع کردہ :۔ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کلچر کلب روڈ لاہور (پاکستان)

انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کلچر اس دور میں اسلام کی جو علمی تحقیقی خدمات انجام دے رہا ہے واقعہ یہ ہے کہ دل سے دعا نکلتی ہے۔ خدا اس ادارے کو اسلام اور حقیقی اسلام کے عالمی تعارف و تبلیغ میں شاندار کامیابیاں عطا فرمائے اور اس کے ارباب حل و عقد کو فکر و نظر کی کج روی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

زیر تبصرہ کتاب کے صفحات میں جگہ جگہ شدت کے ساتھ یہ محسوس ہوتا ہے کہ شریف صاحب کو خدا نے جتنا اچھا دماغ دیا ہے اتنا ہی اچھا دل بھی عطا کیا ہے۔ فلسفے کے خشک اور دقیق ترین مطالعہ کے باوجود وہ اپنی روح کی تازگی اور قلب کی رقت انگیز نمناکیوں کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ علم کی زیادتی سے ان کا ظرف تنگ نہیں ہوا اور ہمہ دانی کے غرور کی ذرا سی بھی ملوث ان کے علم و فضل کے دامن

نظر نہیں آتی۔ اس کتاب کے مطالعے سے یہ دو عظیم فائدے حاصل ہوتے ہیں کہ ایک طرف اقبال جیسی شخصیت کے انتہائی گہرے اور باریک گوشے کھل کر سامنے آتے ہیں تو دوسری طرف خود شریف صاحب کی تحریر کا انداز قدم قدم پر علم و فضل کے ساتھ حسن اخلاق کے گل بوٹے کھلاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی تعریف و ستائش میں جذبات کا کھوکھلا پن نہیں بلکہ شرح صدر کی عالمانہ شان ہے تو تنقید و نکتہ سنجی میں فکری چمک کی کدورت کے بجائے ایک بہترین مبلغ کا سا دل نشین انداز اور ایک مومن کا سا پروقار عجز و انکسار ہے۔

پیش لفظ کے علاوہ یہ کتاب حسب ذیل عنوانات پر تقسیم ہے :-

- اقبال سے میرا رابطہ
- اقبال کا تصور خدا
- (مسٹر سنہا کے نام) ایک ادھورا مکتوب۔
- ولیم بیم اور اقبال
- اقبال کا نظریہ جمال
- اقبال کا نظریۂ فن
- انڈکس

پہلے باب کو پڑھنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اقبال جتنا بڑا فلسفی اور شاعر تھا اتنا ہی بڑا انسان بھی تھا۔ سچ کہنا یقیناً بڑی بات ہے لیکن سچ کو سننا اس سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اقبال نہ صرف سچائی کو بیان کرتا ہے بلکہ سچائی کو سننا اور تنقید کو خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرنا بھی انہیں خوب آتا تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ سچائی کے لیے قربانی پیش کرنے میں بھی وہ مجاہدانہ عزیمت کا ثبوت دیتے تھے۔ مصنف پران کی زندگی کا جو واقعہ پیش کیا گیا ہے جس میں افغانستان کے ایک ہیرو نادر خاں کو انھوں نے گھربار بیچ کر مالی امداد کی عظیم الشان پیش کش کر دی تھی سا صول اور حق پسندی کے لیے ایک آخری قربانی کا درجہ رکھتا ہے۔

دوسرے باب میں خدا کے تصور کے بارے میں اقبال کے تین ارتقائی فکر کے مرحلے پیش کیے گئے ہیں کہ کس طرح خدا کے متعلق وہ نظریہ حسن، نظریہ عشق سے گزر کر فلسفہ خودی کے آخری مرحلے تک پہنچے۔ اقبال نے بطور خود اپنے فکر کے یہ تین ارتقائی مرحلے شمار نہیں کرائے بلکہ شریف صاحب نے ان کے کلام کا دور وار تجزیہ

کے سکان کے فلسفے کے ارتقاء کا جائزہ لیا ہے۔ اس باب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شریف صاحب کا فلسفیانہ مطالعہ کتنا گہرا اور وسیع ہے۔ البتہ اس باب میں پھر ایک تشنگی محسوس ہوئی۔ انھوں نے جس طرح اقبال کے نظریہ جمال والے باب میں ان کے فلسفے پر خود اپنا نقد بھی پیش کیا ہے۔ اس باب میں اقبال کے تصورِ خدا پر کوئی تنقیدی روشنی کتاب و سنت کی مدد سے نہیں ڈالی۔ حالانکہ یہ بہت ضروری تھا اس لیے کہ خدا اور حیات و کائنات کا باہمی تعلق خالص فلسفیانہ مسئلہ ہے، جب کہ اس مسئلے میں صحت و خطا کا براہِ راست اثر ایمانیات کی بنیادی اینٹ ذاتِ خداوندی پر پڑتا ہے۔ اس لیے یہاں فلسفے کا تطابق کتاب و سنت کے ساتھ ثابت کرنا بھی علمی و ایمانی فریضے کا درجہ رکھتا ہے۔

تیسرے باب میں شریف صاحب نے مسٹر سنہا کو جو خط لکھا ہے اس میں اقبال کی شخصیت، فن اور فلسفہ کے بارے میں سنہا صاحب کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ اس جواب میں شریف صاحب نے اتفاق و اختلاف کرنے کا بہت ستھرا انداز پیش کیا ہے اور بڑے دل نشیں استدلال سے کام لیا ہے شریف صاحب نے سنہا صاحب کے اس خیال سے کافی حد تک اتفاق کیا ہے کہ اقبال کے یہاں عورت کے سلسلے میں ذہنی قدامت پسندی ملتی ہے۔ اگرچہ شریف صاحب نے مغربی تہذیب کے مہلکات کا سہارا لے کر اس کا جواز نکالنا چاہا ہے مگر ہمیں ان کا یہ انداز غیر ضروری معذرت خواہانہ انداز محسوس ہوا۔ اقبال کے سامنے عورت کے سلسلے میں محض مغرب کی مہلک تہذیب کے خطرناک اثرات ہی نہ تھے بلکہ اس کے ساتھ وہ اسلامی معاشرے میں عورت کے حقیقی مقام کا بھی مکمل شعور رکھتا تھا۔ یہ شعور جذباتی چیز نہیں تھا بلکہ تاریخی تجربات گواہ ہیں کہ اس میں علم و استدلال کی ٹھوس بنیادیں موجود ہیں۔ اس لیے اس نقطۂ فکر کو زیادہ سے زیادہ "اجتہادی خطا" تو کہہ سکتے ہیں، قدامت پرستی کا لفظ تو وحشتناک ہی ہے۔

چوتھے باب میں ولیم جیمس اور اقبال کے فلسفہ میں مشابہت و اختلاف کی جو نشان دہی کی گئی ہے وہ خوب ہے۔ البتہ اس کتاب کا سب سے قیمتی تنقیدی حصہ وہ ہے جہاں پانچویں باب میں مصنف نے اقبال کے نظریہ جمال پر تنقید کی ہے۔ اس باب میں صفحہ ۲۶ پر کتابت کی ایک معمولی سی غلطی ملی۔ وہاں اردو شعر میں ایک جگہ "آسماں" کے بجائے "سماں" چھپ گیا ہے۔

آخری باب میں اقبال کے نظریہ فن و ادب کے متعلق قیمتی تنقیدی مواد جمع کر دیا گیا ہے اور پڑھنے کی چیز ہے۔ یہ کتاب مجموعی طور سے ایک شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ (ش۔ ن عثمانی)

(بقیہ اشارات)

اور بیوی کے انجام سے ڈراتا رہے۔ ترغیب و ترہیب کی ہر ممکن صورت اختیار کرے۔ اگر اس نے یہ کر لیا تو اس کی ذمہ داری پوری ہو گئی۔ عین ممکن ہے کہ اس تمام جدوجہد کے باوجود بیوی اور بچے اصلاح پذیر نہ ہوں لیکن ان کو ہدایت یافتہ بنا دینا اس کے ذمے نہ تھا اس لیے اس سلسلے میں اس سے باز پرس نہ ہو گی تفسیر روح المعانی میں ایک روایت کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہم پر اہل وعیال کو آگ سے بچانے کی ذمہ داری ڈالنے کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم انہیں ان چیزوں سے منع کرو جن سے اللہ نے تمہیں منع کیا ہے اور انہیں ان چیزوں کا حکم دو جن کا تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے تو اس طرح یہ نہی عن المنکر اور امر بالمعروف انہیں آگ سے بچانے کا سبب بن جائے گا۔ اس روایت نے تمام ایسی ذمہ داریوں کا مطلب واضح کر دیا ہے جن کا تعلق دوسرے لوگوں سے ہوتا ہے۔ اس طرح کے احکام کی ایک اور مثال یہ ہے:۔

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں
اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا (الحجرات ۱)	مقاتلہ کریں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو

یہاں بھی کہا گیا ہے "صلح کرا دو" اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مصالحت پیدا کرنے کی کوشش کرو کیونکہ بالفعل دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرا دینا کسی دوسرے انسان کے بس میں نہیں۔ اس کی قدرت میں جو کچھ ہے وہ کوشش ہے۔

ٹھیک یہی حال سورۃ شوریٰ کی آیت اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ کا بھی ہے۔ اقامتِ دین کا حکم انبیاء کرام اور ان کے ماننے والوں کو ایسی قوم، ایسے ملک اور ایسے ماحول میں دیا گیا تھا جب کہ قوم کی غالب اکثریت خدا کی باغی اور دینِ حق سے منحرف تھی بلکہ پورا ملک اور اس کا ماحول خدا کا دشمن تھا اس لیے کسی ایسی قوم میں اس کی ذمہ داری ڈالنے کا مطلب یہی ہے کہ اسے برپا کرنے کی جدوجہد کی جائے، شرک پر توحید کا غلبہ، باطل پر حق کا استیلاء اور مشرکین پر موحدین کی بالادستی اسی وقت ممکن ہے جب موانع راہ دور کر دیئے گئے ہوں، اس کے بعد پورے دین کو بالفعل قائم کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

اگر ہم نے پورے خلوص کے ساتھ اقامت دین کی جدوجہد جاری رکھی اور اسی راہ میں مر گئے تو نہ صرف یہ کہ ہم اپنی ذمہ داری پوری کر لیں گے بلکہ ان شاء اللہ اس اجر کے بھی مستحق ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے

جہاد فی سبیل اللہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے بپا کرنا ہے۔ اقامت دین کی خالصانہ جدوجہد میں ناکامی کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کسی حکم پر عمل کرنے کی سعی کے بعد ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جانے کا معاملہ شرعی نصوص ہی سے نہیں بلکہ عقلِ عام سے بھی ثابت ہے اور کوئی عاقل اس سے اختلاف نہیں کرتا۔ فرض کیجیے۔ استاذ نے کلاس میں اپنے ایک شاگرد سے کہا۔ جاؤ مدرسے کے گھڑوں یا نل سے ایک گلاس پانی لاؤ۔ شاگرد اپنی جگہ سے اٹھا، اس نے ہر اس گھڑے کو دیکھا جس میں پانی ہو سکتا تھا لیکن کسی میں پانی موجود نہ تھا پھر اس نے نل سے پانی لینا چاہا مگر وہ بھی خشک تھا، استاذ کے پاس واپس آیا اور عرض کی کسی گھڑے میں پانی موجود نہیں اور نل بھی خشک ہے۔ شاباش، کوئی حرج نہیں بیٹھ جاؤ۔ یہ تھا استاذ کا جواب ——— کسی افسر اعلیٰ نے اپنے ماتحت افسر کو ایک مہم پر بھیجتے ہوئے حکم دیا، جاؤ، اس مہم کو سر کرو اور مجرم کو زندہ یا مردہ میرے سامنے حاضر کرو۔ چھوٹی سی پولیس فورس نے گھنے جنگل میں بڑی مشقت اٹھا کر ڈاکوؤں کی کمین گاہ کو گھیر لیا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ ادھر سے بھی جواب میں گولیاں برسنے لگیں۔ اس مقابلے میں ایک گولی، پولیس کے جواں سال افسر کا دل چیرتی ہوئی، پشت سے باہر نکل گئی۔ ڈاکو فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور ماتحت افسر کی لاش، افسر اعلیٰ کے سامنے حاضر کی گئی، وہ لاش سے لپٹ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور پھر وہ لاش پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ دفن کر دی گئی اور حکومت نے اس افسر کی بیوی بچوں کے لیے وظیفے مقرر کر دیے ——— یہ دو مثالیں، نادر مثالیں نہیں ہیں بلکہ اس طرح کی بیسیوں مثالیں روزانہ ہماری نگاہوں سے گزرتی رہتی ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ شاگرد کو ایک گلاس پانی لانے کا حکم دیا گیا تھا مگر وہ پانی نہ لا سکا۔ ماتحت افسر پر مہم کو سر کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی لیکن وہ مہم سر کرنے کی بجائے خود اپنی جان گنوا بیٹھا، اس کے باوجود استاذ کی طرف سے شاباش اور حکومت کی طرف سے اعزاز و اکرام کے کیا معنی؟ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دو میں کسی نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی لیکن کیا فی الواقع بات یہی ہے؟ ذرا سا تامل واضح کر دیتا ہے کہ ان دونوں نے اپنی ذمہ داری پوری کر لی تھی اور وہ دونوں جس بات کے مکلف گردانے گئے تھے اس سے عہدہ برآ ہو چکے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نہ شاگرد کو شاباش ملتی اور نہ افسر کو اعزاز و اکرام نصیب ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر امر کے اندر یہ حقیقت پوشیدہ ہوتی ہے کہ

ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے پہلی مثال میں کون یہ کہہ سکتا ہے کہ شاگرد کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ
گھڑوں اور نل میں پانی موجود پائے اور موجود نہ ہو تو پانی پیدا کر کے گلاس بھر لائے۔ دوسری مثال میں
شخص کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ ماتحت افسر کی ذمہ داری یہ تھی کہ مجرم کسی حال میں شکست
اور اس کی گولی سے مرنے نہ پائے۔ عام حالات میں ہم جب کسی سے پانی مانگتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ پانی
یہ نہیں کہتے کہ پانی لانے کی جد وجہد کرو لیکن اس کے باوجود ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب نے اگر
لانے کی کوشش کی اور کسی مانع کی وجہ سے نہ لاسکا تو وہ اپنی ذمہ داری پوری کرلے گا اور کم سے
ہماری ملامت یا سزا کا مستحق نہ ہوگا۔

آخر صرف فریضۂ اقامت دین کو ایک ایسا فریضہ کیوں سمجھ لیا جائے کہ جب تک ہم بالفعل'
انجام نہ دیں لیں' ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اگر کسی شخص کے لیے یہ انداز فکر اس فریضے
انجام دینے کی جد وجہد سے فرار کا بہانہ بن بھی جائے تو کیا یہ بہانہ خدا کے یہاں بھی چل؟

قارئین زندگی سے التماس

عام قارئین سے بالعموم اور رفقائے جماعت اسلامی ہند سے بالخصوص یہ التماس ہے کہ راقم
نے جماعتِ اسلامی کے نصب العین اقامت دین پر اشارات کی متعدد قسطوں میں جو کچھ لکھا ہے[1] اس
کہیں کوئی بھول چوک ہو گئی ہو تو اس سے' اور اگر کسی بحث کے اضافے کی ضرورت ہو تو اس سے
فرمائیں تاکہ کتاب کی اشاعت سے پہلے اصلاح و اضافے کا کام انجام پا جائے۔

---

(۱) اس آخری قسط سے پہلے جو قسطیں شائع ہوئی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:-

جلد ۳۳ - جولائی ۱۹۷۹ء شمارہ ۱-۲-۳-۴-۵

جلد ۳۴ - جنوری ۱۹۸۰ء شمارہ ۱-۲-۳-۵

جلد ۳۵ - جولائی ۱۹۸۰ء شمارہ ۱-۳

Monthly 'ZINDGI' Rampur, Oct. 1965 Regd. No. L-688

ہندی میں سیرت پاک کے بعد

اسلامی مملکت کے خلیفہ اول حضرت ابوبکر
کی مکمل سوانح حیات

❁ حضرت ابوبکر ❁

— مرتبہ —
کوثر یزدانی

قیمت — 90 پیسے

ابتدائی اسلامی تاریخ سمجھنے کے لئے طالبوں اور عام مسلمانوں دونوں
کے لئے انتہائی مفید اور کار آمد کتاب۔

★ عام فہم ★ موثر انداز بیان ★ بیش قیمت مواد

خود بھی پڑھئے دوسروں کو بھی پڑھائیے

منیجر مکتبہ زندگی و کانتی رامپور۔ یو۔پی

Only Title printed at Shauker Press, Rampur

ماہنامہ

زندگی

رام پور، یوپی

سالانہ چھ روپئے   فی پرچہ ۶۰ پیسے

از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

دور حاضر کے استدلالی ذہن کو دوبارہ سے قرآن سے مطمئن کرنے
مغربی افکار سے مرعوبیت کو دور کرنے
قرآن کی مرکزی دعوت اور تمام اہم مسائل حیات سے اس کے تعلق
کو وضاحت واضح کرنے
اسلام کے جامع نظام حیات کی طرف بصورت احسن رہنمائی کرنے
قرآن کی انقلابی دعوت کو دلنشین انداز میں پیش کرنے کیلئے

تفہیم القرآن جیسی معرکۃ الآرا تفسیر کا مطالعہ نہایت ضروری ہے ۔

جلد اول

الفاتحہ ــــــــــــــــــــ الانعام

ہدیہ مع پلاسٹک کور -/Rs. 12

جلد دوم

اعراف ــــــــــــــــــــ بنی اسرائیل

ہدیہ مع پلاسٹک کور -/Rs. 15

جلد سوم

کہف ــــــــــــــــــــ روم

ہدیہ مع پلاسٹک کور -/Rs. 17

ـــ ملنے کا ـــ

منیجر :ـ مکتبہ زندگی و کانپور ، رامپور

ماہنامہ

زندگی رامپور

رجب المرجب ۱۳۸۵ھ
نومبر ۱۹۶۵ء

جلد :- ۳۵
شمارہ :- ۵

مدیر :- سید احمد قادری

- خط و کتابت و ارسال زر کا پتہ : منیجر زندگی، رام پور۔ یوپی
- زر سالانہ : چھ روپیہ — ششماہی : تین روپیہ — فی پرچہ ۶۰ پیسے
- ممالک غیر سے بارہ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

مالک : جماعت اسلامی ہند۔ ایڈیٹر : سید احمد عروج قادری۔ پرنٹر پبلشر : احمد حسن۔ مطبع : دہلی پرنٹنگ ورکس [illegible]
مقام اشاعت : دفتر زندگی رامپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

سید احمد قادری

اٹھارہ سال سے کشمیر میں جو لاوا ایک رہا تھا وہ اگست میں پھٹا اور ستمبر میں پھوٹ بہا۔ ہندوستان اور پاکستان، اعلان جنگ کے بغیر اس طرح لڑے جس طرح کوئی دو ملک اعلان جنگ کے بعد لڑتے ہیں۔ سیالکوٹ کے محاذ میں کثیر التعداد ٹینکوں کی ایسی زبردست لڑائی لڑی گئی کہ جنگ عظیم ثانی کے بعد دنیا میں کسی جگہ نہیں لڑی گئی۔ دونوں ملکوں کی فوجوں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ مقابلہ کیا۔ لاشوں کے انبار لگے، ہزاروں بچے یتیم اور ہزاروں عورتیں بیوہ ہوئیں۔ اربوں روپے کے فوجی و غیر فوجی ساز و سامان اور جائدادیں جنگ کی آگ میں بھسم ہوئیں اور جب یہ سب کچھ ہو چکا تو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو ہوش آیا، سکریٹری جنرل خود تشریف لائے۔ دونوں ملکوں کے سربراہوں سے بات چیت کی۔ واپس گئے۔ کونسل کا اجلاس ہوا۔ تجویز پاس ہوئی اور ۲۳ ستمبر ساڑھے تین بجے شب کو دونوں ملکوں کے درمیان اختلاف کی خلیج کچھ اور وسیع کر کے جنگ بند ہو گئی۔ ہم نے اور ساری دنیا نے ذرا اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن وہ مسئلہ جس نے لڑائی کی آگ بھڑکائی جوں کا توں رہا۔ ہندوستان کو اطمینان ہے کہ کشمیر جس طرح پہلے اس کے ساتھ تھا اب بھی وہ اس کے ساتھ ہے۔ پاکستان نے اس جنگ میں منہ کی کھائی ہے اور پاکستان کو تسلی ہے کہ مسئلہ جو سرد خانے میں منتشر رہا تھا پھر گرم ہو گیا ہے اور ہندوستان کو پتہ چل گیا کہ کشمیر لقمۂ تر نہیں ہے۔ اس کے باوجود کچھ سوچنے والے سوچ رہے ہیں کہ آخر یہ ہوا کیا؟

اگست کے دوسرے ہفتے میں خبر آئی کہ وادی کشمیر میں کچھ مسلح پاکستانی در اندازی گھس آئے ہیں اور شرارتیں کر رہے ہیں۔ خیال ہوا کہ بھارت کی فوجیں وہاں موجود ہیں، چند دنوں میں در اندازی پکڑ لیے

جائیں گے اور اپنے کیفر کردار کو پہنچ جائیں گے لیکن یہ خیال صحیح ثابت نہیں ہوا۔ معاملہ تیزی سے آگے
بڑھتا اور سنگین ہوتا گیا۔ ایک ہفتے کے اندر ہی غالباً سب سے پہلے جن سنگھی حلقے سے آواز اٹھی کہ ان
اڈوں پر بمباری کرنی چاہیے جن سے درانداز وادیٔ کشمیر میں داخل ہوتے ہیں۔ ۱۶رستمبر کو بھارت کی
فوجوں نے کرگل کی دو پاکستانی چوکیوں پر قبضہ کر لیا۔ کیونکہ ان چوکیوں کی وجہ سے سری نگر لیہہ روڈ
کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اسی خطرے کے پیش نظر، ۱۷ مئی کو بھی ہماری فوجوں نے ان چوکیوں پر قبضہ کر لیا تھا،
اور ہندستان نے اقوامِ متحدہ کی یقین دہانی پر انھیں ۳ر جون کو خالی کر دیا تھا۔ ان دو چوکیوں پر دوبارہ
قبضہ کرنے کے بعد بھی حالات درست نہیں ہوئے۔ درانداز شرارتیں کرتے رہے اور حالات اس قدر
بگڑے کہ خود بھارت کے وزیر اعظم کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ اب ہم کوئی سخت قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئے
چنانچہ ۲۵ر اگست کو راجیہ سبھا میں نائب وزیر دفاع نے اعلان کیا کہ جموں و کشمیر میں ہندستان کی حفاظتی
فوج نے دو مقامات پر جنگ بندی لائن کو پار کر کے نئے فوجی ٹھکانے قائم کر لیے ہیں۔ ایوان نے اس
اعلان کا استقبال تالیوں سے کیا اور پھر اخبارات میں ہماری بہادر فوجوں کی مسلسل پیش قدمی کی
خبریں آنے لگیں۔ یکے بعد دیگرے پاکستانی چوکیاں اور مقبوضہ کشمیر کی آبادیاں زیر تصرف آتی چلی گئیں،
ادھر کے دیہاتوں میں ہماری فوجیں اپنا نظم قائم کرتی چلی گئیں۔ پاکستانی فوجوں نے بہت کم اور ہلکی
مزاحمت کی، خبریں آنے لگیں کہ مظفر آباد بھی اب دور نہیں ہے۔ سوچنے والوں نے سوچا، چلو اچھا ہوا کشمیر
کا قضیہ نامرضیہ ختم کے قریب ہے۔ دونوں حصے ایک ہو جائیں گے پھر ساری دراندازیاں دھری
رہ جائیں گی لیکن اس سوچ پر اس خبر نے اوس ڈال دی کہ پاکستانی فوجوں نے سیالکوٹ کی طرف سے
جنگ بندی لائن پار کر لی اور وہ چھمب کے علاقے میں داخل ہو گئیں۔ اس حملے کا جواب دیا گیا۔ مگر وہ آگے
بڑھتی رہیں یہاں تک کہ انھوں نے جوڑیاں کے مستحکم مقام پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت تک یہ لڑائی کشمیر کی مقامی لڑائی تھی۔ ہماری فوجیں مظفر آباد کی
طرف بڑھ رہی تھیں اور پاکستانی فوجیں جموں کی طرف ـــ یکایک ۶رستمبر کو وزیر دفاع مسٹر چوہان نے لوک سبھا میں
تالیوں کی گونج کے درمیان اعلان کیا کہ پاکستان کی طرف سے ایک نیا محاذ کھولنے کی کوشش کو ناکام بنانے کے لیے پنجاب میں
ہماری فوجوں نے سرحد پار کر لی ہے۔ انھوں نے کہا کہ پنجاب میں ہماری فوجیں ہندستانی سرحدوں کا تحفظ
کرنے کے لیے لاہور کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ وزیر اعظم نے بھی اپنے ایک بیان میں کہا کہ یہ جنگ پاکستان کی
جارحیت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دے گی۔ اس اعلان و بیان نے جنگ کا رخ بالکل بدل دیا اور اب دونوں
ملکوں کے درمیان شدید اور خون ریز جنگ شروع ہو گئی جس کا آخری ڈراپ سین ۲۳ر ستمبر کی شب کو

ہوا ہے۔ اگرچہ فوجیں اپنے اپنے محاذ پر ڈٹی ہوئی ہیں اور تقریباً تمام محاذوں پر جھڑپیں بھی جاری ہیں۔
جنگ بندی کے بعد وزیر اعظم نے یہ فرمایا کہ اگر پاکستان اپنے درانداذوں کو واپس نہیں بلائے گا تو ہندستان خود ان سے نمٹ لے گا۔ اب ذہن میں دو سوال ابھرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس جنگ نے کیا پاکستان کی طاقت اتنی مفلوج کر دی ہے کہ آئندہ کشمیر کے لیے وہ کوئی جنگ نہ چھیڑ سکے؟ دوسرا یہ کہ جب دخل اندازوں سے وادی کشمیر میں نمٹا تھا تو پھر جنگ بندی لائن کو پار کر کے فوجیں آگے کیوں بڑھائی گئیں؟ جنرل چودھری نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان کی طاقت کو مفلوج سمجھ لینا صحیح نہیں ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ وہ آئندہ بھی جنگ چھیڑ سکتا ہے باقی رہے دراندازوں تو ان سے وادی میں اسی طرح نمٹا جا رہا ہے جس طرح دونوں ملکوں کی خوں ریز جنگ سے پہلے نمٹا جا رہا تھا۔ اس لیے پھر وہی سوال سامنے آکھڑا ہوتا ہے کہ آخر یہ ہوا کیا؟ یہ جان کر سوال اور مشکل بن جاتا ہے کہ ہمارے ملک نے جنگ بندی کی تجویز پاکستان سے بھی پہلے منظور کر لی۔

بہرحال جنگ کے بجائے صلح و امن کو پسند کرنے والے لوگوں کے لیے یہ عارضی التوائے جنگ بھی خوش آئند ہے۔ خدا کرے یہ التوا آئندہ جنگ کی تیاری کے لیے "مہلت" نہ بنے بلکہ دونوں ملک اس مسئلے کا کوئی ایسا حل تلاش کرنے کی توفیق پائیں جو ان کے درمیان جنگ کا سدباب کر دے۔

۲۷ ستمبر ۱۹۶۵ء

---

(۲)

بہت عرصے کے بعد عرب ممالک سے ایک مسرت بخش خبر آئی ہے۔ صدر ناصر اور شاہ فیصل کے درمیان یمن کے بارے میں معاہدہ ہو گیا۔ اس خبر نے مسرت میں اس لیے بھی اضافہ کیا کہ معاہدے سے کچھ عرصہ پہلے صدر ناصر کے ایک بیان سے اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ اب شاید صدر ناصر اور شاہ فیصل کی حکومتوں میں براہ راست جنگ شروع ہو جائے گی۔ خدانخواستہ اگر یہ جنگ شروع ہو جاتی تو عرب ممالک کے وقار پر اس کی شدید ترین ضرب پڑتی اور ان کی رہی سہی ہوا بھی اکھڑ جاتی۔ جولائی ۱۹۶۵ء کے آخری عشرے میں مصر کے یوم انقلاب کا شش روزہ جشن منایا گیا تھا انہیں چھ دنوں میں کسی دن کی تقریر میں صدر ناصر نے سعودی عرب کو جو دھمکی دی تھی وہ یہ تھی:-

"بلاشبہ اگر ہم سعودی عربیہ کے ساتھ کسی پر امن معاہدے تک نہیں پہنچ سکے تو معاملات کی بنیاد

صورت حال باقی نہیں رہ سکتی۔ ہم اس وقت یمن میں ہیں اور ہم پر حملہ کرنے کے لیے یمن سے باہر سعودی عربیہ کے علاقے میں فوجیں مسلح کی جا رہی ہیں۔ صبر و تحمل اب زیادہ مدت تک باقی نہیں رہ سکتا۔ ہم نے اس لمبی مدت میں اپنے آپ کو روکے رکھا ہے۔

ہمارے اور سعودی عربیہ کے معاملات اب آگے بڑھ کر تصادم میں بدل سکتے ہیں اس لیے کہ ان اڈوں کو ختم کرنا ہمارے لیے ضروری ہے جن سے جمہوریہ یمن پر حملہ کیا جاتا ہے۔

صدر ناصر کی اس دھمکی نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا تھا لیکن شکر ہے کہ دونوں ملکوں میں جنگ کی نوبت نہ آئی اور معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ صدر جمال عبد الناصر ۲۲ اگست ۶۵ء کو جدہ پہنچے اور ۲۴ کو شاہ فیصل سے اپنی گفتگو ختم کی۔ جس معاہدے پر دستخط ہوئے ہیں ان کی اہم دفعات یہ ہیں:-

۱- ۲۳ نومبر ۱۹۶۶ء کے لگ بھگ یمن کے عوام سے اس مسئلے پر استصواب رائے کیا جائے گا کہ وہ اپنے لیے کس قسم کی حکومت چاہتے ہیں؟

۲- رائے شماری تک کے زمانے کو عارضی (عبوری) دور سمجھا جائے گا۔

۳- متحدہ عرب جمہوریہ اور سعودی عربیہ دونوں ایک عارضی مجلس انتظامیہ کے تعین و تقررین ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ یہ مجلس پچاس ارکان پر مشتمل اور پوری یمنی قوم کی نمائندہ ہوگی۔ اس مجلس کا پہلا اجلاس ۲۳ نومبر کو شہر حرادیں منعقد ہونا چاہیے (استصواب رائے سے ٹھیک ایک سال پہلے) یہ مخصوص مجلس حسب ذیل اہم خدمات انجام دے گی۔

(الف) عبوری دور کے لیے حکومت کے طریقے اور ضابطے کی تعیین اور فیصلہ (ب) حکومت کی ایسی تنظیم کہ وہ استصواب سے پہلے تک ملک کے انتظامات کی دیکھ بھال کر سکے۔ (ج) استصواب رائے کے لیے طریق عمل کی تعیین جس کا انعقاد ۲۳ نومبر ۶۶ء سے مؤخر نہیں ہوگا۔

(۴) متحدہ عرب جمہوریہ اور سعودی عربیہ کی حکومتوں کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ عارضی مجلس کے فیصلوں کی تصدیق و تائید کریں اور ان سے یہی مطلب ہے کہ وہ ان فیصلوں کو کامیابی کے ساتھ نافذ کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ اگر عارضی مجلس استصواب رائے کی نگرانی اور تکمیل کے لیے کسی غیر جانب دار کمیٹی کے تقرر کو ضروری قرار دے تو دونوں حکومتوں کے لیے ضروری ہوگا کہ اس فیصلے کو تسلیم کرنے کا اعلان کریں اور مشترکہ طور پر ایک غیر جانبدا

کمیٹی مقرر کریں ۔

(۵) سعودی عربیہ کی حکومت فوراً ہر قسم کی فوجی امداد بند کر دے اور اپنے کسی علاقے کو یمن کے خلاف استعمال کرنے کی اجازت نہ دے

(۶) متحدہ عرب جمہوریہ کی حکومت یہ تسلیم کرتی ہے کہ وہ ۲۳ نومبر ۱۹۶۵ء سے دس مہینے کے اندر اپنی فوجیں یمن سے واپس بلائے گی۔

(۷) فوجی تصادم بجلت تمام روک دیے جائیں گے اور دونوں حکومتیں ایک مشترکہ کمیٹی مقرر کریں گی تاکہ درج ذیل مقاصد کی تکمیل کریں ۔

(الف) مخصوص نگراں کمیشنوں کے ذریعہ جنگ بندی کی نگرانی کرنا ۔

(ب) سرحدوں اور بندرگاہوں کی نگرانی کرنا اور ہر قسم کی فوجی امداد کا سدباب کرنا اور اپنی نگرانی میں غذائی امداد کا انتظام کرنا۔ یہ مشترکہ کمیٹی نقل و حمل کے ضروری ذرائع استعمال کرسکتی اور آزادانہ یمنی علاقے میں نقل و حرکت کرسکتی ہے اور اگر ضروری ہو تو باہمی رضامندی سے ایسے سعودی علاقے کو بھی استعمال کرسکتی ہے ۔جہاں مشاہداتی چوکیاں قائم کرکے نگرانی کی جاسکے ۔

(۸) متحدہ عرب جمہوریہ اور سعودی عربیہ کی حکومتیں اس معاہدے کے نفاذ کے لیے ایجابی طور پر ایک دوسرے سے تعاون کرتی ہوئی کام کریں گی اور جب تک استصواب رائے کے نتیجے کا اعلان نہ ہو جائے یمنی علاقے کے استحکام و انتظام میں تعاون کرتی رہیں گی اور یہ اس طرح ہوگا کہ دونوں حکومتیں مل کر مشترکہ فوج بنائیں گی جس کو کمیٹی اس معاہدے کو توڑنے کی ہر کوشش کے خلاف استعمال کرے گی ۔ نیز مشترکہ کمیٹی اس فوج کو ہر اس کوشش کے خلاف استعمال کرے گی جو اس معاہدے کے نفاذ میں تاخیر پیدا کرنے یا قبائل کو مشتعل کرنے کے لیے کی جائے ۔

(۹) آخری بات یہ کہ دونوں حکومتیں اس پر متفق ہیں کہ متحدہ عرب جمہوریہ اور سعودی عربیہ کے درمیان تعاون واتحاد کو ترقی دیں گی ۔ موجودہ غیر جانبدارانہ پوزیشن کو قائم رکھیں گی ۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے صدر جمال عبدالناصر اور شاہ فیصل آپس میں براہ راست تعلق قائم رکھیں گے تاکہ اس معاہدے کی کامیابی کو نقصان پہنچانے والی تمام مشکلات کو ختم کرسکیں ۔

شام کی بعثی حکومت کے سوا تمام مسلم حکومتوں اور عام طور سے تمام دنیا کی حکومتوں نے اس معاہدے پر خوشی کا اظہار کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ سب سے زیادہ مصر کے عوام وخواص نے اس معاہدے پر مسرت محسوس کی ہوگی کیونکہ مصر کو سالہا سال سے سخت جانی و مالی نقصان برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔ صدر ناصر نے یمن میں اپنی فوجیں اتار کر سخت غلطی کی تھی اور اب صورت حال یہ ہوگئی تھی کہ اگر وہ اپنی اس غلطی کی تلافی نہ کرتے تو خود ان کے ملک میں ان کی مقبولیت معرض خطر میں پڑ جاتی۔ وہ چونکہ ایک ہوشیار اور چالاک مدبر ہیں اس لیے انھوں نے ہوا کا رخ پہچان لیا اور اپنے غلط موقف سے پیچھے ہٹ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سال یوم انقلاب کی تقریروں میں صدر ناصر کا لہجہ نمایاں طور پر نرم تھا انھوں نے مغربی ممالک پر پرجوش حملے نہیں کیے اور نہ اپنی خارجی فتوحات کا ذکر کیا بلکہ اپنی ڈھائی گھنٹے کی تقریر میں زیادہ حصہ اپنے داخلی کارناموں کی تفصیل بیان کرنے میں صرف کیا' ان کی حکومت نے مصر کی مادی ترقی کے لیے جو کارنامے انجام دیے ہیں ان میں سے ایک ایک کا تفصیل سے ذکر کیا۔ شاید مصری عوام کو یہ بتانا مقصود تھا کہ دیکھو، میں تمہارا کتنا بڑا محسن ہوں اور میں نے تمہاری مادی خوش حالی کے لیے کس قدر کوشش کی ہے۔ اسی تقریر میں انھوں نے سعودی عربیہ کو وہ دھمکی دی جس کا اوپر ذکر گزرا ہے لیکن جب شاہ فیصل پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا تو وہ معاہدہ عمل میں آیا جس کی تفصیل ابھی آپ نے پڑھی ہے۔

سعودی عربیہ پر دین و مذہب سے آزاد اور صرف مادی ترقی کو مطمح نظر بنانے والے اشخاص چاہے جتنی تنقیدیں بھی کریں لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ یمن کے سوشلسٹ انقلاب سے اپنی آنکھیں بند نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یمن اس کا اہم سرحدی ملک ہے اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ یمن کے تمام باشندے اس انقلاب سے متفق نہ تھے۔ بات صرف اتنی تھی کہ فوج کے ناصر دوست عنصر نے حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ ملک کے ذی اثر قبائل نے اسے پسند نہیں کیا اور یمن کے جائز حکمراں کی مدد پر آمادہ ہو گئے۔ انھوں نے اپنے دور دراز علاقوں میں انہیں پناہ دی اور انقلابیوں سے جنگ چھڑ گئی۔ اگر مصر اپنی فوجیں نہ اتار دیتا تو چند ہفتوں میں یہ انقلاب اپنی موت آپ مر جاتا اور سعودی عربیہ کو زحمت پیش نہ آتی لیکن مصر کی چالیس ہزار ترقی یافتہ اسلحے سے لیس باقاعدہ فوج سے غیر مسلح قبائلی صرف اپنے بل بوتے پر مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ سعودی عرب کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ وہ یمن کو صدر ناصر کے کنٹرول میں چلا جانے دے اور دوسرا یہ کہ یمن کے امام کی امداد کرے۔ اس نے دوسرا راستہ پسند کیا۔ یہ راستہ انھوں نے کیوں پسند کیا؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سعودی عرب

کے حکمراں نے اپنی بادشاہت بچانے کے لیے یہ اقدام کیا تھا۔ انھیں خطرہ تھا کہ یمن کی امامت کے بعد ان کی بادشاہت کا نمبر آنے والا ہے لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ صدر ناصر کی مادہ پرستی اور دین بیزاری سے یمن اور اپنے ملک کو بچانے کے لیے شاہ فیصل کو امام یمن کی امداد کرنی پڑی۔ جن لوگوں نے صرف مادی ترقی کو اپنا معبود نہیں بنایا ہے وہ مصری ڈکٹیٹر کی روش کو کبھی پسند نہیں کر سکتے۔

سعودی عربیہ کے اس اقدام سے صدر ناصر کی اسکیم سخت متاثر ہوئی۔ انھوں نے سمجھ رکھا تھا کہ ان کی مسلح فوج، غیر مسلح قبائلیوں کو چند ہفتوں یا چند مہینوں میں زیر کرلے گی اور یمن ان کے زیر اقتدار آ جائے گا۔ لیکن سعودی عرب کی امداد اور قبائلیوں کی جغرافی پوزیشن نے جنگ کو اس قدر طویل کر دیا کہ مصر کا خزانہ خالی ہونے لگا اور عوام میں بے چینی پھیلنے لگی۔ صدر ناصر نے شاہ فیصل کو دھمکی دی وہ بھی بے اثر رہی اب ان کے سامنے صرف دو راستے تھے۔ مصر کو اقتصادی اور فوجی لحاظ سے تباہی کی طرف دھکیل دیں یا اپنے غلط موقف سے پیچھے ہٹ جائیں۔ وطن پرستی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ دوسرا راستہ اختیار کریں اور انھوں نے دوسرا ہی راستہ اختیار کیا ورنہ ان کا وطن ہی انہیں لے ڈوبتا۔

صدر ناصر میں ایک دنیا دار اور حوصلہ مند مدبر کی حیثیت سے بعض خوبیاں پائی جاتی ہیں لیکن ان کی خوبیوں پر جس چیز نے پانی پھیر رکھا ہے وہ ان کی یہ خواہش ہے کہ تمام عرب ممالک ان کے کنٹرول میں آ جائیں اور وہی سب کے تنہا لیڈر بن جائیں۔ اگر یہ خواہش صرف خواہش کی حد تک رہتی تو کچھ زیادہ مضر نہ تھی لیکن افسوس کہ وہ ان کے لیے ایک بیماری بن چکی ہے۔ پھر بھی یہ بیماری ابھی لاعلاج نہیں ہے۔ اس کی علاج پذیری کا پہلا ثبوت اس وقت ملا تھا جب شام کی فوج نے مصر سے اتحاد ختم کرکے علم بغاوت بلند کر دیا تھا اور صدر ناصر نے چپ چاپ اپنی فوجوں کو شام سے واپس بلا لیا تھا۔ انھوں نے شامیوں سے جنگ نہیں چھیڑی تھی۔ اس کا دوسرا ثبوت یہ معاہدہ ہے جو انھوں نے شاہ فیصل سے کیا ہے —— انھیں سوچنا چاہیے کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ جو عرب ملک بھی ان کے قریب آتا ہے وہ کچھ ہی دنوں بعد ان سے دور بھاگنے لگتا ہے۔ جس زمانے میں شام سے دوستی اور اتحاد کی پینگیں بڑھ رہی تھیں یمن بھی مصر سے بہت قریب ہو گیا تھا اور اس وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یمن بھی متحدہ عرب جمہوریہ کا ایک جزو بن جائے گا لیکن ایسا نہ ہو سکا بلکہ مرحوم امام یمن نے صدر ناصر کی آزادروی اور مصر میں بے دینی کے فروغ (باقی صفحہ ۱۳ پر)

دعوتِ تبلیغ کی فکری اساس

جناب مولانا محمد اشرف خاں صاحب ایم اے صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور

معاصر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کی اشاعت خاص بیاد حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ میں جناب مولانا محمد اشرف صاحب نے "صدیق وقت، یوسف اقلیم دعوت و دین" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے۔ اس مقالے کا ایک ذیلی عنوان "دعوتِ تبلیغ کی فکری اساس (یا بنیادی ایمان و یقین")" ہے۔ اس کے تحت انھوں نے دعوت تبلیغ کے مقصد و مطمح نظر کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، معلوم نہیں تبلیغی جماعت کے اکابر اس سے متفق ہیں یا نہیں۔ اگر واقعی تبلیغی جماعت کا مقصد وہی ہے جو اس مقالے میں دکھایا گیا ہے تو یہ ہمارے لیے بہت خوش آئند ہے۔ ہم معاصر الفرقان کے شکریے کے ساتھ مقالے کا یہ حصہ ذیل میں نقل کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

دینی دعوت کے اس طرز کے متعلق جو نہیں جانتے اور جاننا نہیں چاہتے انہیں تو جانے دیجیے خود بہت سے تعلق رکھنے والے اور اس کی افادیت کے قائل حضرات بھی اس کی اصل حقیقت کو بہت کم جانتے ہیں۔

حضرت جیؒ کے سامنے یہ دعوت اپنی پوری ترتیب کے ساتھ منکشف تھی اور اس کا نقشہ بالکل مرتب تھا اور یہ ترتیب و خاکہ ان کا کوئی ذہنی اختراع یا کسی انسانی دماغ کی کاوش کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اٹل قوانین تشریعی اور نظام ہدایت کی معرفت و یافت سے حاصل ہوا تھا اس وجہ سے یہ نظام حضرت جیؒ کے عقیدے کا لاینفک جزو بن چکا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لیے چند باتوں کا سمجھ لینا ضروری ہے

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت نے جیسے اس کائنات کے نظام کو قائم فرمایا ہے اور گو اس کی قدرت اسباب کی قطعاً پابند نہیں تاہم اس کی حکمت نے اس کی قدرت کو عادی طور پر اسباب و علل سے اس عالم میں ظاہر فرمایا ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے نظام تشریعی میں بھی اسباب و علل رکھے ہیں۔ نظام تشریعی مقصود ہے۔ نظام تکوینی نظام تشریعی کے بعض مقاصد کی تکمیل کے لیے پیدا فرمایا گیا۔ گویا نظام تشریعی اصل و مقصد ہے اور نظام تکوینی اس کا ذریعہ، اس وجہ سے نظام تشریعی کے قوانین میں انفکاک و تغیر و تبدل نہیں ہوتا لیکن نظام تکوینی کے عادی اسباب و علل کو نظام تشریعی کی حکمتوں و مصالح کی بنا پر جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ چاہتی ہے توڑ دیتی ہے اور ان علل و اسباب تکوینیہ کے ارادۂ الہیہ سے توڑ دینے کا نام معجزہ، خرق عادات یا کرامت ہے۔ حضرت سید الملۃ قدس سرہ نے سیرت النبی (ج ۳ ص ۳۹ و مابعد) میں اس پر قابل دید بحث فرمائی ہے ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:۔

> یہ مادی عالم جس طرح مادی نظام اور قانون کا پابند ہے۔ خدائے پاک نے عالم روحانی میں بھی اسی قسم کا ایک اور نظام اور علل و اسباب کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے جس یقین کے ساتھ آپ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ زہر انسان کے لیے قاتل ہے۔ اسی یقین کے ساتھ عب روحانی کا واقف کہ سکتا ہے کہ گناہ انسان کی روح کو قتل کر دیتا ہے۔ پیغمبر فیضان نبوت کے قبول کے لیے اپنی روح میں کس طرح استعداد پیدا کرتا ہے۔ دنیا میں کب مبعوث ہوتا ہے۔ معجزات کا ظہور اس سے کن اوقات میں ہوتا ہے اور وہ اپنے دعوے کو کس طرح پیش کرتا ہے انکار و مزاحمت پر کیوں کر عاجز الی اللہ کرتا ہے اور پھر کیوں کر دعوت کے منکر ناکام و خاسر اور اہل ایمان فلاح یاب و کامیاب ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک چیز مرتب اور منظم قواعد کے مطابق بہ ترتیب ظہور میں آتی ہے۔ قرآن مجید میں تیرہ مقام پر سنۃ اللہ کا لفظ آیا ہے۔ لیکن ان میں زیادہ تر اسی روحانی نظام و ترتیب کی طرف اشارہ ہے۔
>
> فلسفۂ تاریخ جس طرح سیاسی واقعات کی تکرار اور حوادث کے بار بار کے اعادہ سے اصول اور نتائج تک پہنچ کر ایک عام تاریخی قانون بنالیتا ہے۔ ویسا ہی طرح انبیاء علیہم السلام کے سوانح اور تاریخیں بھی اپنے واقعات کے بار بار کے اعادے سے خصائص نبوت کا اصول و قانون ہمارے لیے مرتب کرتی ہیں۔ (سیرت النبی جلد پنجم ص ۲)

دوسری جگہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں :۔

قرآن مجید میں سنت الہی کا ایک خاص مفہوم ہے اور اس اصطلاح خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ خیر و شر، حق و باطل، نور و ظلمت اور ظلم و انصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر حق کو باطل پر نور کو ظلمت پر اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے۔ گنہگار اور مجرم قومیں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند و موعظت ان کے لیے مؤثر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک، آسمان کی گرج، زلزلہ کی تھرتھراہٹ، آندھی کی گھڑگھڑاہٹ، دریا کے طوفان، پہاڑ کی آتش فشانی یا دشمن کی تلوار سے ہلاک اور برباد ہو جاتی ہیں۔ یہ سنت الہی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی اور اس میں کبھی کوئی فرق نہ پیدا ہوگا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے اسی مفہوم میں آیا ہے ...... (اس کے بعد سید صاحب نے وہ تمام آیتیں لکھ دی ہیں تاکہ کسی کو شک و شبہہ کی گنجائش نہ رہے ہم نمونۃً صرف ایک آیت نقل کرتے ہیں۔) حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش کو تنبیہ اور مسلمانوں کو تسکین دی جاتی ہے۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا	اور اگر یہ کافر تم سے لڑتے تو پیٹھ
الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا	پھیر دیتے، پھر وہ کوئی حامی نہ پاتے اور نہ کوئی
نَصِيرًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ	مددگار، اللہ کا دستور یہ پہلے سے چلا آتا ہے
خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ	اور تم اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پاؤ گے۔
اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ فتح ۳	تفصیل کے لیے دیکھیے سیرۃ النبی صفحہ ۲۷۹ تا ۲۸۱ ج ۴

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نظام ہدایت میں اس کا ایک اٹل قانون اور سنۃ اللہ جاری ہے کہ نبی آتا ہے اپنی قوم کو دعوت دیتا ہے۔ جو خوش نصیب اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں وہ دارین کی فوز و فلاح اور کامیابی پاتے ہیں اور جو اس بات کو نہیں مانتے اور نبی کی امکانی کوششوں کے باوجود ایمان نہیں لاتے بلکہ اس کے دشمن بن کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ آخرش اللہ تعالیٰ کی قدرت خاصہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا قانون ہے جس میں تغیر کا کوئی امکان نہیں۔ ہر زمانے میں یونہی ہوا اور یونہی ہوگا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا یہ غیر متبدل دستور اور اٹل قانون انبیاء علیہم السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں (مومنین) کے لیے عام ہے کہ ان کی کامیابی اور نجات ہوگی اور ان سے ٹکرانے والے ہلاک ہوں گے۔ ارشاد ربانی ہے :۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ	کیا یہ کافر گزشتہ قوموں کی طرح کا واقعہ
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ	ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں کہہ دے کہ انتظار
فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ	کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں
ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	پھر اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور
كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ	ایسے ہی ایمان والوں کو ہم پر فرض ہے ہم
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس ۱۰۰)	نجات دیں گے ایمان والوں کو۔

خدا تعالیٰ کا قطعی وعدہ ہے کہ وہ مومنین کی مدد فرمائے گا ۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ	اور ایمان والوں کی مدد ہم پر فرض ہے

اسی قاعدے کے تحت سورہ المومن میں ارشاد ہے :۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ	یقیناً ہم ضرور بالضرور مدد فرمائیں گے اپنے
اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ	رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے
الْاَشْهَادُ ۔ (المومن ۶)	دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی ۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جس طرح امم ماضیہ میں جاری اور ساری تھی ۔ اسی طرح اب جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بن کے تشریف لے آئے اور آپ کی امت تمام امتوں کی جانشین بن کر عالم میں آئی ۔ ارشاد رسالت ہے :۔

نحن اٰخر الامم (کنز ۱۳ بحوالہ ابن ماجہ) ہم آخری امت ہیں ۔

تو جیسے پہلی امتوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ چلن اور سنۃ اللہ جاری تھی اس امت میں بھی تا قیامت جاری ہے کیونکہ ختم نبوت نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے زمانے کو قیامت تک مستمر کر دیا ہے اب اس زمانے میں (یعنی بعثت محمدیہ سے لے کر تا قیام ساعت) اللہ کی وہ نصرتیں اور مددیں جو طریقہ محمدیہ اور دین حق اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہیں ۔ باقی و قائم و دائم ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرما لیا لیکن آپ کے فیوض و برکات باقی اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت لینے کے طریقے اور قدرت خاصہ سے استفادے کی صورتیں امت میں ہیں۔ آپ کے احکام اور سنن کی شکل میں موجود ہیں۔ امت اپنی ذات میں مستقل حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ اپنے نبی کی نائب اور خلیفہ ہے اور اس عالم میں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارح کی حیثیت سے کام کرنا ہے۔ اب اس میں جتنے جواہر نیابت و خلافت موجود ہوں گے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد دعوت اور طریقوں میں جس قدر یہ ان کی شریک ہو گی اسی قدر اللہ تعالیٰ کی خصوصی مددوں سے نوازی جائے گی اور اس کے عمال پر قوموں کے لیے خیر و شر کا فیصلہ ہو گا۔

(۴) امت محمدیہ مرحومہ یوں تو امم سابقہ کی طرح جملہ احکام و اعمال میں اپنے نبی کے طریقے پر ہو گی لیکن اس کا خصوصی امتیاز اس کی داعیانہ حیثیت ہے، جس کی وجہ سے اسے دوسری امتوں پر فوقیت و فضیلت بخشی گئی اور حقیقتاً یہ دعوت ہی اصلاً انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں خدا کی خصوصی نصرت کو متوجہ فرماتی تھی۔ اسی وجہ سے انبیاء کی دعوت ماننے والے کامیاب اور نہ ماننے والے ناکام و خاسر و خائب ہوتے تھے اسی بنا پر اس امت کی نصرت کو دین کی نصرت کے ساتھ مشروط کر دیا اور دین کی نصرت کرنے والوں کو اپنی مدد کا پختہ یقین دلایا۔ ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ	اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جمادے گا تمہارے قدم۔
(محمد ۱)	
وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝	اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور مدد کرے گا اس کی جو اس کے (دین کی) مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے، زور والا ہے
(الحج ر ۲)	

اس بنا پر جب امت اپنے فریضۂ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں غفلت برتے گی تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے (مدد کی) جو دعائیں ہوں گی وہ قبول نہیں ہوں گی جیسا کہ احادیث میں آتا ہے

دیکھو کنز العمال ص ۲۲۶ ج ۲ و مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف)

امت کی اس خاص داعیانہ حیثیت اور نیابت نبوت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی نصرتوں کے آنے اور دارین میں عافیت و فوز و فلاح کے پانے کا طریقہ اس فریضہ (دینی دعوت) کو مقصد قرار دے کر اس کی راہ میں اپنی جانوں کا کھپانا اور مال کا انفاق ہے۔ باقی اعمال ذاتی اور اخروی نجات تو دلادیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی وہ نصرتیں جو عالم کو ہدایت کی طرف پلٹا دیں اور دشمنان ہدایت کو تباہی کے گھاٹ اتار دیں وہ دین کی دعوت کی محنت پر منحصر ہیں۔

(۵) پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہ دعوت بالکل منہاج نبوت کے مطابق ہو۔ کتاب اللہ صحیفۂ نظام ہدایت اور راہنمائے طریقۂ دعوت بھی ہے۔ یعنی قرآن پاک صرف دعوت ہی نہیں بلکہ طریق دعوت بھی سکھاتا ہے۔ اسی طرح اسوۂ نبوی شخصی و انفرادی اعمال کے لیے ہی نمونہ نہیں ہے بلکہ آپ کا طرزِ دعوت و تربیت بھی تا قیام الساعۃ ہدایت رسانی خلق کا افضل و اکمل اور مؤثر ترین طریقہ ہے۔

(۶) امت جب منہاج نبوت کے مطابق دعوت کو مقصد بنا کر احیاءِ دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے محنت و کوشش اور جہد و مشقت اور ایثار و قربانی کو پیش کرے گی تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت خاصہ سے سعید روحوں کو ہدایت کی طرف پلٹا دیں گے۔ اور دعوت کے مقابل میں آنے والی طاقتوں کو خود پاش پاش کر دیں گے کہ سنۃ اللہ اسی طرح ہی جاری ہے لیکن خداوند قدوس کی یہ نصرت محنتوں کی ایک خاص سطح پر آتی ہے۔

(۷) امت پورے عالم کی طرف مبعوث ہے۔ یہ قعود و عزلت کی زندگی نہیں بسر کر سکتی۔ اس کی رہبانیت اور درویشی دین کی محنت ہے اس لیے امت کو مختلف احوال و ظروف میں ہجرت و نصرت اور نفر و جہاد کے احکام دیے گئے۔

ان اساسی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلف الصدق اور خلیفہ راشد حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کی دعوت پر غور کریں گے تو کسی درجہ میں یہ بات سمجھ سکیں گے کہ یہ خاصان خدا اس کام کو اس قدر اہمیت کیوں دیتے تھے وہ یقین کے ساتھ سمجھتے تھے بلکہ گویا آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ یہ غیر متبدل سنۃ اللہ اور اللہ تعالیٰ کا اٹل دستور اور فیصلہ ہے کہ اس امت کے لیے بلکہ سارے عالم انسانی کے لیے خیر و شر کے فیصلے کا انحصار اب امت محمدیہ کے عمل دعوت اور اس راہ کی محنت و قربانی پر ہے اگر امت نے دعوت کے کام کو اور اس کی راہ میں ٹھوکریں کھانے

نہیں اپنایا تو وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم ہوگی اور سارے انسانی عالم کی بھی ہدایت رحمت سے محرومی کا باعث بنے گی۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں اور سینوں کو یقین سے بھر دیا تھا کہ اللہ تعالےٰ سے امت کے لیے اور عالم کے لیے خیر اور ہدایت کے فیصلے کرانے کا راستہ یہی ہے کہ امت میں منہاج نبوی پر دعوت اور قربانی زندہ ہو اس کے سوا سب دروازے بند ہیں۔

حضرت جی قدس سرہ پر اللہ تعالےٰ نے ان تمام حقیقتوں اور سنۃ اللہ کے ان جملہ پہلوؤں اور نظام ہدایت کے دقیق رخوں کو پوری طرح منکشف کر دیا تھا اس وجہ سے وہ سمجھتے تھے کہ امت محمدیہ اگر آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم والے مقصد کو اپنا کر اور اپنے کو صفات نبویہ سے مزین کرتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے میدان دعوت میں (جو کہ پورا عالم اور ساری نسل ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقوں اور صحابہ والی قربانیوں کے ساتھ اتر آئے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، رحمت واسعہ اور ان کے تشریعی اٹل قوانین کی بنا پر اللہ تعالیٰ ہدایت کا فیضان فرما دیں گے۔ ہدایت صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قبضہ میں ہے اور ہدایت لینے کا ضابطہ اعمال محمدیہ کو اپناتے ہوئے منہاج نبویہ کے مطابق دعوت کے میدانوں میں ابراہیمی اور محمدی قربانیوں کو پیش کرنا ہے۔ امت محمدیہ کا جب ایک معتد بہ طبقہ صحیح رخ سے دین کے لیے قربانی پیش کر دے گا اور وہ قربانی عنداللہ مقبول ہو جائے گی تو اللہ تبارک تعالیٰ عالم کے لیے ہدایت کا فیصلہ فرما دیں گے ہدایت کے لیے ایمان و اعمال صالحہ اور دعوت اور قربانی اور دعائیں شرطیں ہیں ملک و مال شرط نہیں، اس لیے جس وقت امت صحیح رخ سے ہدایت کی محنت کرنے والی بن جائے گی اور اس کی قربانیاں اور دعائیں اللہ تعالےٰ سے مدد کا فیصلہ کروا لیں گی اس وقت باطل کی قوتیں اللہ کی غیبی طاقت سے پارہ پارہ کر دی جائیں گی۔ یہ محنت جس قدر نسبت محمدیہ کو اپنے اندر لیے ہوئے گی اسی قدر اس کے اثرات عالم گیر ہوں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عالمی ہے۔ آپ والے اعمال کا اثر پورے عالم پر پڑتا ہے۔ آپ والے اعمال اگر اپنی حقیقت کے ساتھ ایک طبقہ میں بھی زندہ ہو جائیں اور وہ طبقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی محنت کو اخلاص اور صحیح اصولوں کے ساتھ پنپائے تو ان کی دعوت و دعا پر اللہ تعالیٰ کی قدرت خاصہ پورے عالم کے باطل نظاموں کو توڑ دے گی جیسے امم ماضیہ میں فرعون و نمرود و شداد و قوم عاد و قوم ثمود و اصحاب الایکہ اور دوسری نمرود اور باغی قوم کو اپنی قدرت کاملہ سے ختم فرمایا تھا ——— بات یقین کی ہے اللہ تعالےٰ کی قدرت پر یقین ہو اور

کے قوانین اس طرح ہدایات ہوں تو یہ بات بعید نہیں دکھائی دے گی۔

بہرحال حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نظام ہدایت کے اٹل قوانین اور غیر متبدل سنۃ اللہ کی بنا پر دعوت و ہدایت کا ایک خاص خاکہ ونقشہ تھا جس پر ان کا ویسا ہی ایمان ویقین تھا جیسا کسی بدیہی سے بدیہی چیز پر ہوسکتا ہے۔ اس خاکہ ونقشہ کا ہر خط وخال انبیاء علیہم السلام کے قصص قرآن حکیم کی ہدایات سنن نبویہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے احوال سے مرتب کیا گیا تھا۔ ان کے سامنے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی پوری زندگی تھی اور وہ ہر قدم خدا کی توفیق سے اسے دیکھ دیکھ اٹھاتے تھے۔ یہ دعوت محض چند اعمال کی دعوت نہ تھی بلکہ پورے دین کے احیاء کی پورے عالم میں کوشش تھی بعض ناواقف جو صورت حال سے واقف نہیں اسے سطحی دعوت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کم فہمی اور سطحیت کی دلیل ہے۔ کاش وہ حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ نے علمی وعملی صلاحیتوں سے توانا ہے اس کام کو سمجھتے اور اپنا لیتے چند اعمال کے احیاء کا سوال نہیں بلکہ ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے جو اپنے مقصد، عقائد وایمان، احوال و اعمال عبادات و ذہنیت، افکار واحساسات، اخلاق ومعاشرت میں صحابہ کا نمونہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت وقدرت سے امید ہے کہ جس طرح اس نے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں اسے اٹھایا، بڑھایا، چمکایا اور اس سطح پر پہنچادیا، آئندہ بھی اس کے فروغ کی صورتیں پیدا فرمائے گا۔ وَمَا ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز ممکن ہے حضرت جی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال سے پیشتر بار بار ان کلمات کو پڑھنا الحمد للہ وحدہ، صدق وعدہ، ونصر عبدہ، وہزم الاحزاب وحدہ، اسی طرف اشارہ ہو۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

شرائطِ ایجنسی

۱۔ ایجنسی کم سے کم پانچ پرچوں پر دی جائے گی۔

۲۔ -/5 ایڈوانس جمع کرنے ہوں گے۔

۳۔ ۵ سے ۵۰ پرچوں تک 25% کمیشن دیا جائے گا۔ البتہ ۵۰ سے زائد والوں کو کمیشن 33% دیا جائے گا

۴۔ رسائل کی روانگی کا خرچ دفتر برداشت کرے گا۔ رجسٹرا اور وی پی (V.P) کا خرچ ایجنٹ صاحبان کے ذمے ہوگا۔

۵۔ ہر ماہ کا بل باقاعدگی سے ادا کرنا چاہیے۔

منیجر
رسالہ زندگی۔ رامپور یوپی

شہر پناہ کے پھاٹک اور عزیز مصر کی رہائش گاہ

جناب عبدالباری صاحب، ایم اے

قرآن کریم میں کفار کی مذمت ہمیشہ بطریق کنایہ کی جاتی ہے۔ اس کا اسلوب کلام ہی ایسا ہے کہ کسی کی تعیین و تشخیص نہیں کرتا۔ بری صفات کی مذمت کرتا ہے تو مطلق طور پر نہ کہ نام لے کر۔ چنانچہ سورۂ یوسف میں بھی مذمت کا پہلو نہایت پردہ پوشی کے ساتھ بیان ہوا۔ مثلاً وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۔ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِن دُبُرٍ ۔ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا ۔ إِنَّهُ مِن كَيْدِكُنَّ ۔ إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۔ اللہ تعالیٰ نے تو مذمت کے بیان میں بھی اتنی احتیاط برتی۔ برخلاف اس کے معاملہ نے ایک ایسا موڑ لے لیا جس سے پیچیدگیاں بڑھ گئیں۔

دروازے (باب) پر شوہر سے مڈبھیڑ ہو جانے کے بعد جس انداز سے عورت نے یوسفؑ پر جھوٹا الزام تھوپا اس سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ اسے پکی محبت نہ تھی۔ کیونکہ محبت کی راہ میں پکا عاشق بڑی سے بڑی مصیبت، ذلت و رسوائی گوارا کرے گا۔ مگر اپنے محبوب پر آنچ نہ آنے دے گا۔ عورت کا برتاؤ اس کے بالکل برعکس تھا۔ یوسفؑ جو کسی صورت سے بھی سوء کی طرف مائل نہ ہوئے تھے بلکہ اس عورت ہی نے ان کے نفس کے خلاف مراودۃ کی تھی۔ یوسفؑ دروازہ بند ہو جانے پر غیب میں بھی اللہ ہی پر پختہ ایمان رکھتے تھے اور اسی کی پناہ کی طرف دوڑے۔ عورت سے منہ موڑ کر بھاگے۔ بھاگتے وقت قمیص بھی عورت نے پیچھے سے پھاڑ دی مگر عورت کے شوہر نے خود ہی معاملہ کی جانچ نہایت سنجیدگی سے کی اور نہ صرف اسے خود تسلی ہو گئی بلکہ یوسف کو بھی اس نے تسکین دی اور عورت کو خطاوار بتاتے ہوئے معافی مانگنے کی تنبیہ کی۔

جب عورت کے خاوند نے یہ سمجھ لیا کہ معاملہ مراودۃ سے آگے (مجامعت تک) ہرگز نہیں بڑھا تو اسے

دہیں رفع دفع کر دیا۔ اس نے عورت کی پیش قدمی، اس کے مجوزہ فیصلہ اور یوسف کو قید خانے بھجوانے
کے اشارات تک سے ذرا بھی اثر نہ لیا کہ کوئی کورٹ کچہری بٹھاتا۔ مگر تالمود کا بیان ہے کہ یہ سارا معاملہ
عدالت میں پیش ہو کر یوسف کو بے قصور ثابت ٹھہرایا گیا۔ جیسا کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے
تفہیم القرآن جلد دوم میں نشان دہی کی ہے۔ ہر شخص تھوڑے سے غور و تامل سے معلوم کر سکتا ہے کہ ان دونوں
روایتوں میں سے کون سی روایت زیادہ معقول اور قرین قیاس ہے۔ کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ اتنے
بڑے ایک ذی وجاہت آدمی نے ایسے نازک معاملہ کو جو اس کی آبرو سے تعلق رکھتا تھا عدالت میں پیش
کرنا پسند کیا ہوگا؟ آبرو کے معاملہ کی تحقیق اس نے خود ہی کی اور اس کی تہ تک پہنچ گیا۔ چونکہ دروازہ
(باب) پر مڈبھیڑ ہوگئی اور مدعیہ مدعا علیہ پر متشدد نظر آئی لہذا اس کے خاوند نے وہیں تحقیق شروع کر دی
اور ہٹ نہ سکا۔ اگر اس کا بس چلتا تو اپنے آبرو سے متعلقہ معاملہ کی سماعت و تحقیق کسی بند کمرے ہی میں کرتا۔

دروازہ ہی پر قضیہ چک جانے کی بات ہمیں اس عہدِ قدیم کی طرف لے جاتی ہے جبکہ شہر کے دروازوں
کی منفرد و نمایاں حیثیت ہوا کرتی تھی۔ عربی زبان میں باب دروازے کے علاوہ پھاٹک کو بھی کہتے ہیں۔ اس
کی جمع 'ابواب' ہے۔ بائیبل میں عہدِ قدیم سے وابستہ قریب قریب ہر شہر کے دروازہ یا دروازوں کا
ذکر موجود ہے جو کافی دلچسپ اور بعض پہلوؤں سے اہم ہے۔ قدیم زمانے میں شہروں کی حفاظت کی غرض
سے ان کے چاروں طرف لمبی دیوار گھیر دی جاتی تھی جسے شہر پناہ کہتے تھے اور شہر کے اندر داخلے کے لیے ایک
یا ضرورت کے مطابق کئی کئی دروازے رکھے جاتے تھے جن کے مختلف نام بھی ہوا کرتے تھے۔ ایک شہر سے
دوسرے شہر کو جانے والے کاروانی راستے انہیں دروازوں کے پاس سے ہو کر گزرتے تھے۔ قرآن کریم میں
جب ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کنعان سے یعقوبؑ مصر کو روانہ کرنے سے پیشتر اپنے لڑکوں سے کہتے ہیں :-

یٰبَنِیَّ لَاتَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ — اے میرے بیٹو! ایک ہی
وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ — دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں
مُّتَفَرِّقَةٍ (یوسف) — سے داخل ہونا۔

اس سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ مصر میں بھی اس وقت شہر کے کئی دروازے تھے۔ [illegible] سے بھی اس کی
تائید کے علاوہ مزید تفصیلات کا یوں پتہ چلتا ہے کہ مصر کے تمام دروازوں پر یوسف نے پہرے دار مقرر
کر دیے تھے اور ہر گزرنے والے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھائے ۔۔۔ دس مختلف

دروازوں سے سالار کے دس لاکھ سرزمین مصر میں داخل ہوئے۔ اس قسم کی دیواریں ابھی تک دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ (مثلاً چین کی دیوار، پیرو کی دیوار وغیرہ) اور اس طرح کے دروازے بھی مع مختلف اسمار کے خود دہلی میں شہر پناہ کے آثار آج تک موجود ہیں اور لاہوری و اجمیری دروازے وغیرہ بھی۔

زمانۂ قدیم میں ایسے دروازوں پر یا ان کے آس پاس تقریباً سارا لین دین عوام الناس کا ہوا کرتا تھا۔ "اور وہ دونوں فرشتے شام کو سدوم آئے اور لوط سدوم کے پھاٹک پر بیٹھا تھا اور لوط ان کو دیکھ کر ان کو دیکھ کر ان کے استقبال کے لیے اٹھا اور زمین تک جھکا۔" (پیدائش ۱۹ : ۱) قریۂ اربع (جبرون کا قدیم نام) کے پھاٹک پر ابراہیم نے مکفیلہ کے غار کا عہد نامہ مکمل کیا تھا۔ بنی حت اور ان سب کے روبرو جو اس کے شہر کے دروازے سے داخل ہوتے تھے۔ (پیدائش ۲۳ : ۱۱) ایوبؑ کہتے ہیں۔ "جب میں شہر کے پھاٹک پر جاتا اور اپنے لیے چوک میں بیٹھک تیار کرتا تھا تو جوان مجھے دیکھتے اور چھپ جاتے اور عمر رسیدہ اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ امرا بولنا بند کر دیتے اور اپنا ہاتھ اپنے منھ پر رکھ لیتے تھے۔ رئیسوں کی آواز تھم جاتی اور ان کی زبان تالو سے چپک جاتی تھی۔ (ایوب ۲۹ : ۷ - ۱۰)

شہر کا دروازہ عموماً چوڑی دیوار کا قوس نما پھاٹک ہوا کرتا تھا۔ علاوہ اس کے دو چار درختوں کی وجہ سے سایہ دار بھی ہو جاتا۔ یہ بھی ایک بڑا سبب تھا کہ لوگ ہنسی خوشی دروازے کے ارد گرد جمع ہوا کرتے تھے کوئی اپنے رفقا سے ملنے جاتا۔ کوئی اپنے آنے والے دوستوں کے استقبال کے لیے جاتا۔ کوئی اپنے جدا ہونے والوں کو خدا حافظ کہنے جاتا۔ بہت سے تو اس غرض سے جاتے کہ ادھر ادھر کی خبریں سنیں۔ مگر بیوپاری بغرض تجارت و دیگر مشاغل حاضر ہوتے

ان سارے مشاغل کے علاوہ ایسے دروازوں پر قضاۃ کے ذریعے قضیے بھی چکائے جاتے۔ قصائد پڑھے جاتے۔ نبوت کے پیغامات نشر کیے جاتے اور اعلانات منادی و دیگر اطلاعات کی تشہیر بھی ہوتی تھی۔ اس وقت شاہ اسرائیل اور یہوسفط شاہ یہودا سامریہ کے پھاٹک کے سامنے ایک کھلی جگہ میں اپنے اپنے تخت پر شاہانہ لباس پہنے ہوئے بیٹھے تھے اور سب نبی ان کے حضور پیشین گوئی کر رہے تھے۔ (سلاطین ۲۲ : ۱۰) تب بوعز پھاٹک کے پاس جا کر وہاں بیٹھ گیا اور دیکھو جس نزدیک کے قرابتی (اہل کنبہ والا) کا ذکر بوعز نے کیا تھا وہ آنکلا۔ اس نے اس سے کہا اے فلاں! ادھر آ اور ذرا یہاں بیٹھ جا۔ سو وہ ادھر آکر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے شہر کے بزرگوں میں سے دس آدمیوں کو لے کر کہا یہاں بیٹھ جاؤ۔ سو وہ بیٹھ گئے۔ تب اس نے نزدیک کے قرابتی (کنبہ والا)

سے (سموئیل ۴: ۱۲-۱۸) جب خداوند کا صندوق چھن گیا اور بنیمین کا ایک آدمی دوڑ کر شیلا پہنچا تو عیلی راہ کے کنارے کرسی پر بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔ کیونکہ اس کا دل خدا کے صندوق کے لیے کانپ رہا تھا۔ اور جب اس شخص نے شہر میں آکر ماجرا سنایا تو سارا شہر چلا اٹھا ۔ ۔ ۔ ۔ اور جب اس نے خدا کے صندوق کا ذکر کیا تو عیلی کرسی پر سے پچھاڑ کھا کر پھاٹک کے کنارے گرا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔" (۱-سموئیل ۴: ۱۲-۱۸) شہر کے ایسے دروازوں میں بڑے بڑے مضبوط پلے ہوتے تھے مثلاً غازہ کے لوگوں کو خبر ہوئی کہ سمسون یہاں آیا ہے انھوں نے اسے گھیر لیا اور ساری رات شہر کے پھاٹک پر اس کی گھات میں بیٹھے رہے۔ ۔ سمسون نے آدھی رات کو اٹھ کر شہر کے پھاٹک کے دونوں پلوں اور دونوں بازوؤں کو پکڑ کر بینڈے سمیت اکھاڑ لیا اور ان کو اپنے کندھوں پر رکھ کر اس پہاڑ کی چوٹی پر جو حبرون کے سامنے ہے لے گیا۔" (قضاۃ ۱۶: ۲-۳) ایسے دروازوں پر اکثر ایک حجرہ بھی ہوا کرتا تھا۔ مثلاً داؤد کا حجرہ ایسے پھاٹک ہی کے اوپر تھا۔ اگر کسی آدمی کا ضدی اور گردن کش بیٹا جو اپنے باپ یا ماں کی بات نہ مانتا ہو اور اس کے تنبیہ کرنے پر بھی ان کی نہ سنتا ہو تو اس کے ماں باپ اسے پکڑ کر اور نکال کر اس شہر کے بزرگوں کے پاس اس جگہ کے پھاٹک پر لے جائیں اور وہ اس کے شہر کے بزرگوں سے عرض کریں کہ یہ ہمارا بیٹا ضدی اور گردن کش ہے۔ یہ ہماری بات نہیں مانتا اور اڑاؤ اور شرابی ہے۔ تب اس کے شہر کے سب لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے۔ یوں تم ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دور کرنا۔ تب سب اسرائیل سن کر ڈر جائیں گے۔" (استثنا ۲۱: ۱۸-۲۱) معاملات کے فیصلے انہیں پھاٹکوں پر سنائے جاتے تھے۔ تب ہی تو ہمیں ایسے اشارات مل رہے ہیں کہ وہ پھاٹک میں ملامت کرنے والوں سے کینہ رکھتے ہیں اور راست گو سے نفرت کرتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ تم صادقوں کو ستاتے اور رشوت لیتے ہو اور پھاٹک کے مسکینوں کی حق تلفی کرتے ہو ۔ ۔ ۔ بدی سے عداوت اور نیکی سے محبت رکھو اور پھاٹک میں عدالت قائم کرو۔" (عاموس ۵: ۱۰-۱۵) سورج غروب ہونے پر یہ دروازے بند کر دیے جاتے تھے۔

غرضکہ قدیم شہروں کے دروازوں (ابواب) کی یہ خصوصیات تھیں اور شہریوں کے ملاقات، ان کی منادی، اطلاعات اور طرح طرح کی خبروں کا شہر کے یہ پبلک اڈے تھے۔ یہاں تک کہ قضیے بھی دیے چکائے جاتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یوسف کے زمانے میں مصر میں ایک شہر کی دروازے (ابواب) تھے کہ وہ

دروازہ (الباب) جہاں عورت کے خاوند سے مڈبھیڑ ہوگئی تھی شہر پناہ کا دروازہ نہ تھا۔ ورنہ بجائے سیّدھا (اس کے خاوند) کے بوّاب (پہرہ دار) سے مڈبھیڑ ہوتی۔ وہ دروازہ (الباب) فوطیفار بلکہ اس کی عورت کی رہائش گاہ کا دروازہ معلوم ہوتا ہے جو باہر کی طرف کھلتا تھا جہاں سے شاہی محل کے دیگر حکام و خدام کی رہائش گاہوں کو راستے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بات ہوتے ہوتے کچھ خدام اور عورت کے خاوند کنبہ والے جو شاہی ملازمت میں رہے ہوں گے وہاں رک کر تماشہ دیکھنے لگے اور انہیں میں سے ایک نے شہادت کی غرض سے قرینہ کی تجویز پیش کر دی۔ لیکن تحقیق کے بعد عورت کے خاوند نے پھر بھی غنیمت سمجھا کہ اپنے آبرو کا معاملہ شہر کے پبلک تشہیری اڈے تک نہ پہنچا تھا اور اپنی سمجھ سے وہیں معاملہ ختم کر دیا۔

یوسفؑ کے ہم عصر بادشاہ اپوفیس کے شاہی محل اور اس کے حدود اور ان حدود کے اندر فوطیفار (عزیز مصر) کی رہائش گاہ کی پوزیشن کا جہاں تک تعلق ہے۔ قرآن کریم، تورات، تالمود اور اثری تحقیقات کے ذریعہ جو مواد اب تک فراہم ہوئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح عموماً عمارات شاہی شہر اور عام بستی سے دور ہٹ کر ہوا کرتی ہیں ویسی ہی فراعنہ اور شاہان مصر کی عمارات بھی ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ یوسف کے ہم عصر بادشاہ کے زمانے میں بھی دار الخلافہ ممفس کی شاہی عمارات بستی سے دور ہی معلوم ہوتی ہیں۔ تالمود کا بیان ہے کہ جب پہرہ داروں کے ذریعہ معلوم ہو گیا کہ یوسف کے بھائی دس مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہو گئے ہیں مگر تین دن تک متعینہ مال گودام تک غلہ لینے کے لیے نہ پہنچے تو یوسف نے اپنے سولہ خدام خاموشی سے ان کا پتہ لگانے کے لیے شہر میں بھیجے۔ ایک اشارہ ہمیں قرآن کریم میں یوں ملتا ہے کہ جب شاہ مصر کا پینے کا پیالہ بنیمین کے سامان میں نکل آیا اور اسے یوسفؑ نے چوری کے جرم میں روک لیا تو ایک بڑا بھائی بھی رک گیا اور بقیہ اپنے والد کے پاس کنعان پہنچے اور ہر طرح سے اپنی صفائی پیش کرنے لگے کہ حتی الوسع ہم نے اس کی حفاظت میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا۔ (جس قریے میں ہم ٹھہرے تھے وہاں سے دریافت کر لیجیے) یہاں قریہ کا اشارہ شہر کے کسی محلہ کی طرف ہے جہاں یہ سب ٹھہرے ہوئے تھے۔

عمارات شاہی میں فرعون یا شاہ کے لیے ایک وسیع محل اور حرم سرا بنایا جاتا تھا۔ خدام شاہی کا اکثر وقت ان فراعنہ کے ساتھ گذرا کرتا تھا ان کی رہائش کا انتظام بھی شاہی محل کے قریب ہی ہوا کرتا

جس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ تب یوسف ان کے آگے جو آس پاس کھڑے تھے اپنے کو ضبط نہ کر سکا اور چلا کر کہا۔ ہر ایک آدمی کو میرے پاس سے باہر کر دو۔ چنانچہ جب یوسف نے اپنے آپ کو اپنے بھائیوں پر ظاہر کیا اس وقت اور کوئی اس کے ساتھ نہ تھا اور وہ چلا چلا کر رونے لگا اور مصریوں نے سنا اور فرعون کے محل میں بھی آواز گئی۔ (پیدائش: ۴۵: ۱-۲) محافظ۔ چتر۔ محافظ اسلحہ۔ خواجہ سرا، مہر دار ساقی، محررِ شاہی، مہتمم مجلس موسیقی، ناظر ذخیرہ اور محصلین شاہی، داروغہ مویشیان، خزانچی، نان بائی، دربان، جیلر، انجینیر وغیرہ کے لیے قریب ہی میں مکانات کا ہونا ضروری تھا۔ پھر ہر محکمہ کا وسعت کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ دفتر کا ہونا بھی۔ محکمۂ آبپاشی، تعمیرات و معدنیات کے زبردست محکمے ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ سنگ تراشی بذات خود ایک مستقل کام تھا جس کی بدولت ساری عمارتیں کھڑی ہوتی تھیں۔ اگر کوئی معبد شاہی محل سے دور نہ ہوا تو اس معبد ہی میں کاہنوں کے لیے مکانات تعمیر کرا دیے جاتے تھے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ محرر، محاسب، دیابان، اطبا، چند مردہ اجسام کو حنوط کرنے والے (ممی ساز) چند آدمی مقدس جانوروں کو خوراک دینے والے اور متفرقات کے لیے چند ملازمین بھی رکھے جاتے تھے اور ان کے لیے بھی سکونت کا انتظام ہوتا تھا۔ غرضکہ یہ ایک چھوٹی سی دنیا خود ہی ہوا کرتی تھی جو شاہی چہار دیواری کے اندر کی دنیا کہی جا سکتی ہے اور ایسی چھوٹی سی دنیا یوسف کے زمانے میں بھی سرزمین مصر کے دارالخلافہ ممفس (Memphis) میں موجود تھی۔ البتہ سلاطین ہیکسس (Hyksos) نے اپنا شاہی اسلحہ خانہ و چھاؤنی شاہی محل سے بہت دور اواریس (Avaris) میں قائم کر رکھا تھا۔ ان سارے محکموں کی نگرانی "العزیز" کے ذمے رہا کرتی تھی جو بطور موجودہ وزیر اعظم (Prime minister) سارے فرائض انجام دیا کرتا تھا۔ ان سارے محکموں کے حکام اور اہل کاران فوطیفار (عزیز مصر) کے ماتحت ہونے کے علاوہ اس کے زیر داب میں بھی تھے۔ یہی پوزیشن تھی اس وقت کے عزیز مصر فوطیفار کی۔ اتنے قلمدانوں کے سنبھالنے والے کے لیے جس سے ہر وقت شاہ مصر رائے و مشورہ لیا کرتا تھا۔ ایسی قیام گاہ کا ہونا ضروری تھا جو شاہی محل سے متصل ہو۔

جس وقت دروازہ پر (لدی الباب) اس کی عورت اور یوسف سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی غالباً وہ کسی شاہی شغل ہی سے واپس آ رہا تھا۔ معاملہ کی تحقیقات کے دوران جو اہل کار پہنچ گئے ہوں گے وہ انہیں اہل کاروں اور ان کے بھائی بندوں میں سے رہے ہوں گے جن کا ذکر کیا گیا۔ لہٰذا معاملہ کو بجائے کسی گوشۂ تنہائی میں حل کرنے کے دیں دروازے پر رفع دفع کرنے کے وقت فوطیفار کو کال

اطمینان تھا کہ بات یہیں ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ ناظرین نے خود ہی (تمام محبت کا نقشہ دیکھ لیا تھا) اور اگر چرچا کسی وقت اٹھا بھی تو اس چھوٹی سی دنیا کے اندر اٹھے گا یعنی شاہی چہار دیواری کے اندر ہی جس پر قطیفار کا مکمل رعب و داب تھا اسے ذرا بھی اندیشہ نہ تھا کہ یہ بات اس چہار دیواری سے پار ہو کر باہر چلی جائے گی۔

ایک طرف تو صحیح صورت حال یہ تھی۔ دوسری طرف ہوا یہ کہ عورتوں (مفسر بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہ پانچ تھیں۔ دربان، ساقی، نان بائی، جیلر اور داروغہ مویشیان کی بیویاں) نے شاہی چہار دیواری پار کر کے اس چرچے کا پروپیگنڈہ شہر میں شروع کر دیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے۔ اَشْعَنَ الحکایۃ فی مصر اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا! بات تو واقعی اتنی ہی تھی جتنی اوپر بیان ہوئی۔ مگر اس کا تبنگڑ ہی ایک افسانہ بن گیا۔ شہر میں پروپیگنڈے کا مواد چہار دیواری سے بات پھوٹتے ہی پر ملا ہوگا۔ و قال نسوۃ فی المدینۃ کا جو ترجمہ اس مفہوم کا ملتا ہے کہ شہر کی عورتوں نے چرچا شروع کیا موزوں نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ فی المدینۃ کا ترجمہ شہر میں ہی ہوگا۔

توبہ، صبر اور استقامت

مولانا محمد سلیمان، فرخ آبادی

توبہ کے معنی، لوٹنے پلٹنے، واپس ہونے اور رجوع کرنے کے آتے ہیں اور یہی مفہوم انابت کا ہے۔ بندے سے جب گناہ ہو جاتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے دائرے سے نکل جاتا ہے۔ توبہ کا مطلب ہے فرماں برداری اور اطاعت کے دائرے میں واپس آنا، نافرمانی کے دائرے سے پلٹنا۔ غلط روی اور غلط کاری سے اللہ کی طرف رجوع کرنا۔

توبہ کی نسبت جب اللہ کی طرف ہو تو مطلب ہوگا رَجَعَ عَلَیْہِ بِفَضْلِہٖ اپنے فضل و کرم کے ساتھ متوجہ ہوا۔ دوسرے لفظوں میں توبہ قبول کی۔ اللہ تعالیٰ کے تواب ہونے کا یہی مطلب ہے کہ وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اپنے فضل و کرم کے ساتھ بار بار بندوں کی طرف رجوع ہونے والا ہے۔

ہر گناہ سے توبہ کرنا واجب اور ضروری ہے۔ توبہ سے گناہ کبیرہ بھی معاف ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ توبہ، توبہ ہو اور اس کی شرطیں پائی جائیں۔ گناہ اگر اللہ اور بندے کے درمیان ہے یعنی اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہے تو اس کی تین شرطیں ہیں۔

(۱) احساس ہوتے ہی گناہ سے رک جائے۔ (۲) اپنے کیے پر نادم ہو۔ گناہ کا خیال کر کے پانی پانی ہو جائے۔ (۳) یہ ارادہ اور عزم کرے کہ آئندہ کبھی گناہ نہ کروں گا اور اگر گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو ایک چوتھی شرط اور ہے۔ (۴) جس شخص کا حق تلف کیا ہے اسے اس کا حق ادا کرے یا اس سے معاف کرا لے۔

توبہ فلاح کا ذریعہ ہے

وَتُوْبُوْا اِلَی اللہِ جَمِیْعًا اَیُّہَا الْمُؤْمِنُوْنَ

اے ایمان والو! رجوع کرو تم اللہ کی طرف سب [illegible] فلاح

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۂ نور) پاسکو۔

توبہ واجب ہے

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ (ھود) اپنے رب سے بخشش چاہو۔ پھر اس کی طرف پلٹ آؤ۔

توبہ صدق دل سے ہونی چاہیے

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۝ (مریم) اے ایمان والو! اللہ سے سچی توبہ کرو۔

ان آیات سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) توبہ واجب ہے۔ (۲) ہر شخص کو خود توبہ کرنے کے علاوہ دوسروں کو بھی توبہ کرنے پر ابھارنا چاہیے۔ (۳) فلاح و بہبود اور کامیابی توبہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ (۴) وہ توبہ توبہ نہیں جس کے ساتھ خلوص نہ ہو۔ اور جو صدق دل سے نہ کی گئی ہو۔

زیادہ سے زیادہ توبہ و استغفار

يقول (صلعم) واللّٰه اِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (خ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں ہر روز ستر بار سے بھی زیادہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم يَا اَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ فَاِنِّيْ اَتُوْبُ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ (مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی قسم تم سے توبہ کرو اور اس سے مغفرت چاہو کیونکہ میں ایک ایک دن میں سو سو بار توبہ کرتا ہوں۔

توبہ کا دروازہ قیامت تک کھلا رہیگا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم مَنْ تَابَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ (مسلم)

رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس نے مغرب سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے توبہ کرلی تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا

توبہ کا دروازہ مرتے دم تک کھلا رہے گا

قَالَ صلعم اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ (ترمذی)

اللہ جل شانہ بندے کی توبہ اس کی جان کنی کی حالت سے پہلے پہلے تک قبول فرماتا ہے۔

ان احادیث سے بھی یہ معلوم ہوئی کہ ہمیں ہر وقت توبہ استغفار کرتے رہنا چاہیے کیونکہ قصداً اور ارادہ سے بھی غفلت میں نہ معلوم ہم سے کتنے گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ

کی اطاعت و فرماں برداری اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے جد وجہد کرنے اور محنت و مشقت برداشت کرنے کی جس قدر توانائیاں ہمیں بخشی گئی ہیں ان کا آدھا تہائی حق بھی ہم ادا نہیں کر پاتے ہیں۔ یہ بھی جرم ہی ہے اس سے بھی ہمیں توبہ کرنا چاہیئے۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک دن میں ستر ستر اور سو سو بار توبہ فرمائیں تو ہمیں تو سراپا توبہ بن جانا چاہیے۔ دوسری اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ عیسائیت اور ہندومت کی طرح اسلام ہمیں مایوس نہیں کرتا بلکہ بڑے سے بڑے گناہ اور زیادہ سے زیادہ گناہ بھی سچی توبہ سے معاف ہوسکتے ہیں اور توبہ کا دروازہ مرتے دم تک اور قیامت تک کھلا رہے گا لیکن موت اور قیامت دونوں کا مقرر ہونے کے باوجود ہمیں قطعاً نہیں معلوم کہ کس وقت اچانک موت یا قیامت کا یقینی حادثہ پیش آجائے۔ اور توبہ کا موقع ہاتھ سے نکل جائے لہذا ہر فرد بشر کو پہلی فرصت میں توبہ کرنا چاہیے اور ہر آن توبہ کرتے ہی رہنا چاہیے۔

صبر

انسان کا مقصد زندگی شعوری طور پر متعین ہونا چاہیے کیونکہ بے مقصد زندگی انسانی نہیں حیوانی زندگی ہوتی ہے۔ زندگی ہی نہیں بلکہ اس کے ہر کام کا مقصد متعین اور شعوری ہونا چاہیے ورنہ اس کے لیے جو دوڑ دھوپ در کار اور جو سعی و جہد چاہیے وہ نہیں کی جاسکتی۔ اسلام نے امت مسلمہ کو جو نصب العین دیا ہے اسے ہم مختلف الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اعلاءِ کلمۃ اللہ، بندگیِ رب، اقامتِ دین، شہادتِ حق، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور رضاءِ باری تعالےٰ کے مختلف الفاظ سے ایک ہی حقیقت مراد ہے جو ہمارا مقصدِ زندگی ہے۔

مقصد جس قدر اعلیٰ اور جتنا بلند ہوگا اسی قدر زیادہ مصیبتوں، دشواریوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا ہوگا اور اسی قدر قربانیاں دینا ہوں گی حصولِ مقصد اور نصب العین کی راہ میں ہر طرح کی دشواریوں مصیبتوں اور ظلم و ستم کو برداشت کرنا، جھیلنا اور ساتھ ہی مقصد حاصل کرنے کے لیے مسلسل اور لگاتار جد و جہد کرتے رہنا صبر اور استقامت ہے۔ مصائب کی وجہ سے دل برداشتہ نہ ہونا، گھبرا نہ اٹھنا صبر ہے۔ جس قدر زیادہ مصائب کے طوفان اٹھیں، مخالفتوں کی آندھیاں چلیں اور دشواریوں کے سیلاب امڈیں اسی قدر زیادہ پختگی کا ثبوت دینا استقامت ہے۔

ایمان والوں کے لیے صبر لازم ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا (آل عمران ۲۰۶)

اے ایمان والو! صبر کرو اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر صبر کرو اور پختگی (دل جمعی) کا ثبوت دو

صبر والوں کے لیے خوشخبری ہے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ (البقرۃ ر ۲۰)

اور ہم تم کو ضرور خوف، بھوک، مالوں اور جانوں کے نقصان میں سے کسی چیز سے ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دو۔

صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملے گا

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر)

صبر کرنے والوں کو پورا پورا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔

اہل صبر کے ساتھ اللہ ہے

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (البقرۃ ر ۱۹)

صبر اور نماز کے ذریعے مدد چاہو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (ان کا مددگار ہے)

مومن کے لیے خیر ہی خیر ہے

قال رسول اللہ صلعم عجباً لامر المؤمن ان امرہ کلہ لہ خیر ولیس ذالک لاحد الا للمومن ان اصابتہ سراء شکر فکان خیرا لہ وان اصابتہ ضراء صبر فکان خیرا لہ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا عجب معاملہ ہے اس کا معاملہ کل کا کل خیر ہے اور یہ صرف مومن کے لیے ہے اگر وہ خوشحالی میں ہو تو شکر کرے گا اور یہ اس کے لیے بہتر ہوگا اور اگر وہ تنگ حالی میں مبتلا ہوگا تو صبر کرے گا تو یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوگا۔

مثالی صبر

یحکی (صلعم) نبیا من الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم ضربہ قومہ فادموہ وھو یمسح الدم عن وجھہ ویقول اللھم اغفر لقومی فانھم [illegible]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نبیوں میں سے ایک نبی کی (اللہ تعالیٰ کی ان سب پر رحمتیں نازل ہوں) حکایت بیان فرمائی کہ ان کو ان کی قوم نے زدوکوب کیا اتنا کہ ان کو لہولہان کر دیا وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے

لا یعلمون

(متفق علیہ)

صبر گناہوں کا کفارہ ہے

قال (صلعم) ما
یصیب المسلم من
نصب ولا وصب ولا ھم ولا حزن
ولا اذی ولا غم حتی الشوکۃ یشاکہا
الا کفر اللہ بہا من خطایاہ (متفق علیہ)

اقامتِ دین کے لیے صبر لازم ہے

عن ابی
عبد اللہ
خباب بن الارت رض قال شکونا
الی رسول اللہ (صلعم) وھو
متوسد بردۃ لہ فی ظل الکعبۃ
فقلنا الا تستنصر لنا الا تدعو لنا
فقال قد کان من قبلکم یؤخذ
الرجل فیحفر لہ فی الارض فیجعل
فیہا ثم یؤتی بالمنشار فیوضع
علی راسہ فیجعل نصفین ویمشط
بامشاط الحدید ما دون لحمہ
وعظمہ ما یصدہ ذالک عن
دینہ واللہ لیتمن اللہ
ھذا الامر حتی یسیر الراکب
من صنعاء الی حضرموت
لا یخاف الا اللہ والذئب

جاتے اور فرماتے جاتے تھے۔ اے اللہ میری
قوم کو بخش دے کیونکہ وہ نادان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان
کو کوئی سختی، کوئی مرض، کوئی فکر، کوئی حزن
کوئی دکھ اور غم نہیں پہنچتا۔ یہاں تک کہ کانٹا
بھی اس کے چبھے مگر اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ
اس کی خطاؤں کو مٹاتا ہے۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکوہ کیا
اور آپ کعبہ کے سائے میں اپنی ردائے مبارک
سے ٹیک لگائے تشریف فرما تھے۔ پس ہم نے عرض
کیا آپ ہمارے لیے (اللہ سے) مدد طلب نہیں
فرماتے؟ دعا نہیں فرماتے؟ (حالانکہ مشرکین نے
ہمارے اوپر مصیبتوں کے جو پہاڑ توڑ رکھے ہیں
ان کا آپ کو علم ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا تم سے پہلے (حق پرست اور حق کے علمبردار)
لوگ تھے۔ آدمی کو پکڑا جاتا اس کے لیے گڑھا
کھودا جاتا تو اس کو اس میں کھڑا کر دیا جاتا پھر
آرا لایا جاتا اور اس کے سر پر چلا دیا جاتا اور سر کے
دو ٹکڑے کر دئیے جاتے۔ اور لوہے کی کنگھیاں اس
کے گوشت اور ہڈیوں پر چلائی جاتیں لیکن یہ عذاب
اسے اس کے دین (اور اس کے تقاضوں) سے
باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ اللہ کی قسم اللہ اس [illegible]

علی غنمہ ولکنکم تستعجلون (بخاری) و فی روایۃ وقد لقینا من المشرکین شدۃ

کی جدوجہد) کو پورا فرما کے رہے گا یہاں تک کہ سوار صنعاء سے حضر موت تک جائے گا اور اسے اللہ کے علاوہ اور اپنی بکریوں پر بھیڑیے کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا لیکن تم جلدی کرتے ہو۔

صبر بہترین عطاءِ خداوندی ہے

قال النبی صلعم من یتصبر یصبرہ اللہ وما اعطی احد من عطاء خیرا واوسع من الصبر (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرے گا اللہ اس کو صبر کی (توفیق) دے گا اور صبر سے زیادہ بہترین اور وسعت رکھنے والی بھلائی کسی کو نہیں دی گئی۔

استقامت کی تعلیم اور حکم

اللہ تعالے نے سورۃ ہود میں فرمایا:۔

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۔ ثابت قدمی اختیار کرو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے۔

اہلِ استقامت خوف و حزن سے محفوظ رہیں گے

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (احقاف)

بے شک جن لوگوں نے کہا۔ اللہ ہمارا رب ہے۔ پھر استقامت اختیار کی ان پر نہ خوف ہے اور نہ وہ حزن میں مبتلا ہوں گے۔

ایمان اور استقامت

مقصدِ حیات جتنا اہم ہوگا، جتنا بلند، ہمہ گیر اور وسیع ہوگا اتنی ہی زیادہ استقامت کی ضرورت پیش آئے گی۔ اسلام کے پیرؤوں اور علمبرداروں کے پیشِ نظر چونکہ دنیا کا اعلیٰ اور بلند ترین نصب العین اعلاءِ کلمۃ اللہ اور رضائے باری تعالیٰ ہے اس لئے ان کو دیگر نظریوں اور رازموں کے علمبرداروں کے مقابلہ میں زیادہ صبر اور زیادہ استقامت کی ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر و استقامت کی جس قدر تعلیم دی ہے دنیا کی کسی کتاب اور صاحبِ مذہب نے نہیں دی۔ سفیان ابن عبداللہؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا

یا رسول اللہ قل لی فی الاسلام قولا لا اسئل عنہ احدا غیرک قال قل امنت باللہ ثم

اے اللہ کے رسول! اسلام کے سلسلہ میں مجھے ایسی بات بتا دیجئے کہ پھر کسی اور سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا

بُودھ مذہب میں جنّت و جہنم کی تفصیل

(قسط ۲)

جناب سلطان مبین صاحب، ایم اے

خداوند کے پیامبر کا متن (۳:۴:۱۰)

ایسا میں نے سنا۔ ایک وقت بھگوان شراوستی میں اناتھ پنڈک کے آشرم جیت بن میں تفریح کرتے تھے۔ وہاں بھگوان نے بھکشوؤں کو مخاطب کیا۔ بھکشوؤ! حضرت! (کہ) ان بھکشوؤں نے بھگوان کو جواب دیا۔ بھگوان نے کہا۔ جیسے بھکشوؤ! (آمنے سامنے) جڑے دو گھر ہوں، ان کے بیچ میں کھڑا آنکھ والا شخص گھر میں داخل ہوتے بھی نکلتے بھی، ٹہلتے بھی، گھومتے بھی دیکھے۔ اسی طرح بھکشوؤ! میں ملکوتی نورانی "بصارت" سے جہنم میں پیدا ہوتے ہوئے، اسے بھکشوؤ! دوزخ کے سپاہی متعدد بازوؤں سے پکڑ کر" یم راج کو دکھلاتے ہیں۔ تب یم راج خداوند کے پہلے پیامبر کے بارے میں سوال استفسار اور گفتگو کرتے ہیں۔ اے شخص! آدمیوں میں کیا تونے خداوند کے پہلے پیامبر کو ظاہر ہوتے نہیں دیکھا؟ نہیں دیکھا حضرت! تب اس سے بھکشوؤ! یم راج یہ کہتے ہیں۔ اے انسان! کیا آدم زادوں میں تونے چت ہی سو سکنے والے، اپنے پیشاب پاخانہ میں لپٹے سوتے نادان چھوٹے بچے کو نہیں دیکھا؟ دیکھا حضرت! تب اے بھکشوؤ! اس سے یم راج یہ کہتے ہیں۔ اے انسان جان کر سمجھدار ہوتے ہوئے تجھے کیا یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں پیدا ہونے والا ہوں، پیدائش سے الگ نہیں ہوں۔ اوہ! میں جسم، جان اور زبان سے اچھے کام کروں! وہ اس طرح جواب دیتا ہے۔ نہیں کر سکا حضرت! میں نے بھول کی حضرت! تب اس سے یم راج یہ کہتے ہیں۔ اے انسان! غفلت میں پڑ کر تو نے جسم و جان اور زبان سے اچھے کام نہیں کیے، تو اے انسان! تو نے ویسا کیا، ویسی غفلت کی۔ پس یہ کام نہ ماں نے کیا، نہ باپ نے کیا، نہ بھائی نے ...... نہ بہن نے، نہ دوست احباب، رشتے، بھائی برادری

والوں نے، نہ سمن اور برہمنوں نے، تیرے اس گناہ کے کام کو کام کیا، تو ہی اس کے پھل کو کھائے گا۔

تب بھکشوو! یم راج اس سے خداوند کے پہلے پیامبر کے بارے میں.... گفتگو کر کے خداوند کے دوسرے پیامبر کے بارے.... گفتگو کرتے ہیں۔ اے انسان! آدم زادوں میں کیا تو نے خداوند کے دوسرے پیامبر کو ظاہر ہوتے نہیں دیکھا؟ نہیں دیکھا حضرت! تب اس سے بھکشوو! یم راج یہ کہتے ہیں۔ اے انسان! کیا تو نے آدمیوں میں نہیں دیکھا۔ جھکے ٹیڑھے ہو گئے۔ لکڑی لے کر چلتے، کانپتے ہوئے جاتے۔ بیمار کمزور جوانی گزشتہ ٹوٹے دانت، سفید بال، ادھر ادھر ہلتے ڈولتے سر والے، جھری پڑے، کالے داغ، دھنے جسم والے، چھجے کی طرح ٹیڑھے بوڑھے مرد یا عورت کو؟..... وہ اس طرح کہتا ہے۔ دیکھا حضرت! تب اس سے بھکشوو! یم راج یہ کہتے ہیں۔ اے انسان تب جان کر سمجھ دار ہوتے ہوئے تجھے کیا یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں بھی بوڑھا ہونے والا ہوں۔ پیری سے الگ نہیں ہوں۔ اوہ!.... تو ہی اس کے پھل کو کھائے گا۔

تب بھکشوو! یم راج اس سے خداوند کے تیسرے پیامبر کے بارے میں.... گفتگو کرتے ہیں۔ اے انسان آدم زادوں میں تو نے خداوند کے تیسرے پیمبر کو ظاہر ہوتے نہیں دیکھا؟ نہیں دیکھا حضرت! تب اس سے بھکشوو! یم راج یہ کہتے ہیں۔ اے انسان! کیا تو نے آدمیوں میں نہیں دیکھا۔ اپنے پیشاب پاخانے میں لپٹے سوتے، دوسروں کے ذریعہ اٹھائے جاتے۔ دوسروں کے ذریعے خدمت کیے جاتے۔ بہت بیمار دکھی مرد یا عورت کو؟ دیکھا حضرت! اے انسان! تب جان کر سمجھ دار ہوتے ہوئے تجھے کیا یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں بھی بیمار پڑنے والا ہوں، بیماری سے علیحدہ نہیں ہوں؟ اوہ!.... تو ہی اس کے پھل کو کھائے گا۔

تب بھکشوو!..... خداوند کے چوتھے پیمبر کے بارے میں.... گفتگو کرتے ہیں.... اے انسان! کیا تو نے آدم زادوں میں نہیں دیکھا۔ راجہ لوگ چور کو، آگ لگانے والے کو پکڑ کر طرح طرح کی سزا دیتے ہیں۔ کوڑے سے مرواتے ہیں، بید سے بھی، جرمانہ بھی کرتے ہیں۔ ہاتھ بھی کاٹتے ہیں، پیر بھی کاٹتے ہیں، کان بھی.. ناک بھی... کھوپڑی ہٹا کر سر پر تپتے ہوئے لوہے کا گولا رکھتے ہیں۔ کھوپڑی کا چمڑا ادھیڑ کر سنکھ کی طرح چکنا بنا دیتے ہیں۔ منہ کو کان تک چیر دیتے ہیں، جلتے ہوئے کپڑے کی مالا پہناتے ہیں۔ ہاتھ میں کپڑا لپیٹ کر جلاتے ہیں۔ گردن کھال کھینچ کر گھسیٹتے ہیں۔ اوپر کی کھال کو کھینچ کر کمر تک لٹکا دیتے ہیں۔ نیچے کی کھال کو کھینچ کر گھٹنوں تک لٹکا دیتے ہیں (کھال کا پائجامہ پہناتے ہیں)، کہنی اور گھٹنوں میں کیل ٹھونک کر زمین سے سل دیتے ہیں۔ لوہے کے آنکس سے گوشت نوچتے ہیں (کانٹے سے مچھلی کی طرح پھنساتے ہیں۔ پیسہ پیسہ بھر سارے جسم سے گوشت کاٹتے ہیں۔ جسم پر زخم کر کے

تک چھڑکتے ہیں دونوں کانوں میں لوہے کی کھونٹی گاڑ کر زمین سے پیوست کر دیتے ہیں اور پھر پیر پکڑ کر کولھو کی طرح گھماتے ہیں جسم کو موگریوں سے پیٹ پیٹ کر اندر ہی اندر ہڈیوں کو چور چور کر کے گوشت کا لوتھڑا بناتے ہیں ابلتے ہوئے تیل سے نہلاتے ہیں۔ کتوں سے بھی کٹواتے ہیں جیتے جی سولی پر چڑھاتے ہیں۔ تلوار سے سر کٹواتے ہیں۔ تجھے کیا سمجھ میں نہیں آیا جو برے کام کرتے ہیں وہ اسی جنم میں طرح طرح کی سزا بھوگتے ہیں؟ ——

افسوس! تو ہی اس کے پھل کو کھائے گا۔

..... خداوند کے پانچویں پیمبر کے بارے میں... گفتگو کرتے ہیں۔ اے انسان! کیا تو نے آدم زادوں میں نہیں دیکھا۔ پھولے، نیلا پڑے، یا پیپ بھرے ایک دن دو دن تین دن کے مردے کو.... تجھے کیا یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں بھی مرنے والا ہوں۔ موت سے بچ نہیں سکتا ہوں افسوس! ... تو ہی اس کے پھل کو کھائے گا۔

تب بھکشوو! یم راج اس (شخص) سے خداوند کے پنجم پیمبر کے بارے میں... گفتگو کر کے چپ ہو گئے۔ تب اسے جا کر دوزخ کے رکھوالے " بند بچگونہ" نام کی سزا دیتے ہیں[1]... آگ سے پر ہو کر ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ بھکشوو! اس جہنم عظیم کے پورب کی دیوار سے اٹھی ہوئی لو (شعلہ) پچھم کی دیوار سے ٹکراتی ہے۔ پچھم کی دیوار سے ٹکراتی ہے۔ پچھم کی دیوار سے اٹھی ہوئی لپٹ پورب کی دیوار سے ٹکراتی ہے۔ اتر کی دیوار سے اٹھی ہوئی لپٹ دکھن کی دیوار سے ٹکراتی ہے اور دکھن کی دیوار سے اٹھی لپٹ اتر کی دیوار سے ٹکراتی ہے۔ نیچے سے اٹھی لپٹ اوپر کو ٹکراتی ہے اور اوپر سے اٹھی لو نیچے کو ٹکراتی ہے۔ وہ وہاں تکلیف دہ تیز شدید کڑوی درد کو محسوس کرتا ہے مگر تب تک نہیں مرتا جب تک کہ اس کے بداعمال کا اختتام نہیں ہو جاتا۔

بھکشوو! ایسا وقت ہوتا ہے جب عرصہ دراز کے بعد اس جہنم عظیم (اوی چی قعر) کا پوربی دروازہ کھلتا ہے۔ وہ (شخص) اس طرف تیز رفتاری سے دوڑتا ہے۔ تیزی سے دوڑتے وقت اس کی جلد بھی جل جاتی ہے۔ چمڑا بھی، گوشت، رگ بھی، ہڈی بھی دھواں دیتی ہے۔ ایسے ہی وہ وہاں رہتا ہے۔ جب بھکشوو! اسے وہاں پہنچے ہوئے بہت (زمانہ) ہو جاتا ہے۔ تب وہ دروازہ بند ہو جاتا ہے وہ وہاں تکلیف دہ .... " بھکشوو! ایسا وقت ہوتا ہے... مغربی دروازہ... شمالی دروازہ... جنوبی دروازہ...

بھکشوو! ایسا وقت ہوتا ہے جب (آخر میں) کبھی... اس جہنم عظیم کا دروازہ کھلتا ہے۔ وہ اس راہ تیز رفتاری سے دوڑتا ہے... ہڈی بھی دھواں دیتی ہے۔ ایسے ہی وہ (وہاں رہتا ہے۔ (تب) وہ وہاں

---

[1] لوہے کی گرم کیل دونوں ہاتھ، دونوں پیر اور چھاتی کے بیچ گاڑتے ہیں۔ منہ

سے نکلتا ہے۔ بھکشوو! اس پھاٹک کے بعد ملا ہوا بڑا پاخانہ کا جہنم ہے۔ وہ وہاں پڑتا ہے۔ بھکشوو! اس پاخانہ کے دوزخ میں "سوزن دہان" جاندار (اس کی) جلد کو چھید دیتے ہیں۔ جلد کو چھید کر کھال کو چھید دیتے ہیں۔ گوشت کو۔۔۔ رگوں کو۔۔ ہڈی کو۔۔۔ ہڈی کے گودے کو۔۔۔۔ وہ وہاں تکلیف دہ۔۔۔۔

بھکشوو! اس پاخانے کے جہنم کے پاس گگول کا جہنم ہے۔ وہ وہاں تکلیف دہ۔۔۔ بھکشوو! اس گکول کے جہنم کے پاس ملا ہوا چار کوس اونچا سنبلی کا جنگل ہے۔ وہاں جلتے ہوئے آگ ہو گئے دس انگل لمبے کانٹے ہیں۔ ان پر (اسے) چڑھاتے اتارتے ہیں۔ وہ وہاں تکلیف دہ۔۔۔ بھکشوو! اس سنبلی کے پاس ملا ہوا بڑا "دشت خنجر برگ" (اسی پتربن) ہے وہ وہاں داخل ہوتا ہے۔ ہوا سے ہل کر پتے گر کر ہاتھ کو بھی کاٹتے ہیں، پیر کو بھی۔ ہاتھ پیر کو بھی۔۔۔ کان کو بھی۔۔۔ ناک کو بھی۔۔۔ کان ناک کو بھی۔۔۔ وہ وہاں تکلیف دہ۔

بھکشوو! اس دشت خنجر برگ کے پاس متصل نمکین پانی کی ندی ہے۔ وہ اس میں گرتا ہے۔ وہ وہاں بہاؤ کی طرف بہتا، الٹے بہاؤ بھی بہتا ہے۔ وہ وہاں تکلیف دہ، تیز، شدید تلخ درد کو محسوس کرتا ہے مگر تب تک نہیں مرتا جب تک کہ اس کی بداعمالی کا اختتام نہیں ہو جاتا۔

تب بھکشو! اسے دوزخ کے سپاہی نکال کر زمین پر رکھ یہ کہتے ہیں۔ اے شخص! تو کیا چاہتا ہے؟ وہ کہتا ہے۔ حضرت! میں بھوکا ہوں۔ تب اسے بھکشوو! دوزخ کے سپاہی جلتے ہوئے، تپتے ہوئے، لوہے کی سلاخ (انکڑا، ہک) سے منہ پھاڑ کر جلتے ہوئے، لال ہو گئے، جلتے ہوئے، تپتے ہوئے، لوہ کوٹ" (سلاخ آہن) کو منہ میں ڈالتے ہیں۔ وہ اس کے ہونٹ کو بھی جلاتا ہے، حلق کو بھی۔۔۔ سینے کو بھی۔۔۔ معدے کو بھی۔ انتڑیوں کو بھی لیتے ہوئے نچلے حصے سے باہر نکل جاتا ہے۔ وہ وہاں تکلیف دہ۔۔۔ تب اسے بھکشوو! دوزخ کے سپاہی یہ کہتے ہیں۔ اے شخص! تو کیا چاہتا ہے؟ وہ یہ کہتا ہے۔ حضرت میں پیاسا ہوں۔ تب اسے بھکشوو! دوزخ کے سپاہی جلتے ہوئے، تپتے ہوئے، لوہے کے چمڑے منہ کو پھاڑ کر جلتے، تپتے ہوئے تانبے کو پلاتے ہیں۔۔۔۔ انتڑی کو لیتے ہوئے نچلے حصے سے نکل جاتا ہے۔ وہ وہاں تکلیف دہ۔۔۔

تب اسے بھکشوو! دوزخ کے سپاہی پھر جہنم عظیم میں ڈالتے ہیں۔

بھکشوو! پہلے زمانے میں یم راج کو ایسا ہوا۔ دنیا میں جو برے کام کرتے ہیں وہ اس طرح مختلف سزاؤں کو پاتے ہیں۔ کاش! میں انسان ہوتا اور دنیا میں تتھاگت (نجات یافتہ) اہرت (صاحب صلاحیت) سمیک (ٹھیک ٹھیک) سمبدھ (عارف بدھ) پیدا ہوئیں۔ ان بھگوان کی میں خدمت کروں اور وہ بھگوان

مجھ کو دھرم کا وعظ کریں۔ ان بھگوان کے دھرم کو میں سمجھوں۔ بھکشوو! یہ میں کسی دوسرے شرمن برہمن سے سن کر نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ جو خود میرا دیدہ و دانستہ ہے اسی کو کہتا ہوں۔ بھگوان نے یہ کہا۔ یہ کہہ کر خوش انجام فرمان کنندہ نے یہ بھی کہا ؎

خداوند کے پیامبر سے تحریک پا کر بھی جو انسان غفلت کرتے ہیں
وہ انسان فرد ترجسم کو پہنچ کر عرصہ دراز تک پچھتاتے ہیں۔
جو نیک انسان یہاں خداوند کے پیامبر سے
تحریک پا کر آریہ دھرم میں کبھی غفلت نہیں کرتے۔
زندگی و موت کے سمندر میں اور حرص و ہوا میں خوف و خطرہ دیکھ، زیست و مرگ کے فنا سے، حرص و ہوا سے خالی ہو کر نجات یافتہ ہو جاتے ہیں۔
وہ کامیاب، مسرور اور اس جنم میں نجات یافتہ ہو کر
جملہ خوف و خطر سے پار، جملہ تکالیف سے پار ہو گئے۔

ختم شد (۱۳۰) ۱۳:۳۱:۳:۱۰

دیگر ۔

دیگھ نکاے: ۲۳ (پایاسی راجیہ سوتر) ۱۰:۲ — ایسا میں نے سنا۔ ایک بار کمار کاشیپ طال عمرہ کوسل دیش میں پانچ سو بھکشوؤں کے بڑے سنگھ (جمعیت) کے ساتھ دورہ کرتے، جہاں شیوتابی (سفید ابنہ) نام کے کوسلیوں کا شہر تھا، وہاں پہنچے۔ وہاں کمار کاشیپ طال عمرہ شیوتابی کے اتر شیشم بن میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اسی وقت پایاسی راجیہ .... کوسل راج پرسین جیت کے ذریعہ دی ہوئی شیوتابی کا مالک ہو کر رہتا تھا ....

تب پایاسی راجیہ شیوتابی کے خانہ دار برہمنوں کو ساتھ لے کر جہاں شیشم بن میں جہاں کاشیپ کمار طال عمرہ تھے وہاں گیا۔ جا کر طال عمرہ کاشیپ کمار سے خیر و عافیت پوچھنے کے بعد ایک طرف بیٹھ گیا .... ایک طرف بیٹھے ہوئے پایاسی راجیہ نے طال عمرہ کمار کاشیپ سے یہ کہا "اے کاشیپ! میں ایسے عقیدے ایسے اصول کا ماننے والا ہوں۔ یہ دنیا بھی نہیں ہے آخرت بھی نہیں"

راجیہ! پہلے ایسی نظر اور ایسے اصول ماننے والے کو میں نے نہ تو دیکھا اور نہ سنا تھا۔ تم کیسے کہتے ہو؟

یہ دنیا بھی نہیں ہے۔۔۔۔ تو راجیہ! تمہیں سے پوچھتا ہوں، جیسا تمہیں سوجھے ویسا جواب دو۔ راجیہ! تو کیا سمجھتے ہو؟ یہ چاند اور سورج کیا اس دنیا میں یا دوسری دنیا میں انسان ہیں یا فرشتے؟ ہے کاشیپ! یہ چاند اور سورج دوسری دنیا میں ہیں اس دنیا میں نہیں۔ خدا وند ہیں، انسان نہیں۔

راجیہ! اس طرح بھی تمہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ دنیا بھی ہے دوسری دنیا بھی ہے "ہے کاشیپ! چاہے آپ جو کہیں، میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ یہ دنیا بھی نہیں دوسری دنیا بھی نہیں۔

راجیہ! کیا کوئی دلیل ہے جس کے بل بوتے پر تم ایسا مانتے ہو۔ یہ دنیا بھی نہیں۔۔۔۔۔ ہے کاشیپ ہے ایسی دلیل جس کے بل پر میں ایسا مانتا ہوں۔ یہ دنیا نہیں"۔۔۔۔ راجیہ وہ کیسے؟ اسے کشیپ! میرے کتنے دوست، وزیر اور ایک ہی خون کے رشتہ دار ہیں جو جیو ہنسا کرتے ہیں، چوری کرتے ہیں۔ زنا کرتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں چغلی کھاتے ہیں، سخت و سست کہتے ہیں۔ فضول بکواس کرتے رہتے ہیں۔ دوسروں سے حسد کرتے رہتے ہیں۔ کینہ پرور اور برے اصول کو ماننے والے ہیں۔ وہ کچھ دنوں کے بعد مرض میں پھنس کر بہت بیمار پڑ جاتے ہیں۔ جب میں سمجھ جاتا ہوں کہ وے اس مرض سے نہیں اٹھیں گے تو ان کے پاس جا کر ایسا کہتا ہوں۔ کوئی کوئی شمن اور برہمن ایسی نظر اور ایسے اصول کے ماننے والے ہیں۔ جو جیو ہنسا کرتے ہیں، چوری کرتے ہیں۔۔۔۔ وے مرنے کے بعد نرک میں گر کر بد حالی کو پہنچتے ہیں۔ آپ لوگ تو جیو ہنسا کرتے ہیں، چوری کرتے ہیں۔۔۔۔ اگر ان شمن اور برہمنوں کا کہنا سچ ہے۔ تو آپ لوگ مرنے کے بعد نرک میں گر کر بد حالی کو پہنچیں گے۔ اگر آپ لوگ مرنے کے بعد پہنچیں تو مجھ سے آکر کہیں۔ یہ دنیا بھی ہے۔ دوسری دنیا بھی ہے۔ آپ لوگوں پر میرا اعتماد و یقین ہے آپ لوگ جو خود دیکھ کر مجھ سے آکر کہیں گے میں اسے ویسا ہی ٹھیک سمجھوں گا۔ بہت اچھا کہہ کر بھی وے نہ تو یہ خود کہتے ہیں اور نہ کسی دوست کو ہی بھیجتے ہیں۔ ہے کاشیپ! یہ ایک وجہ ہے جس سے میں ایسا سمجھتا ہوں یہ لوک بھی نہیں ہے۔ پرلوک بھی نہیں۔

راجیہ! جب وہ چور انسانی جلادوں سے بھی چھٹی نہیں لے سکتا۔ ہے جلادو! آپ لوگ ٹھہریں۔۔۔ تو تمہارے دوست، مشیر کار، رشتہ دار جیو ہنسا کرنے والے، چوری کرنے والے۔۔۔۔ مرنے کے بعد جہنم میں پڑ کر بد حالی کو پہنچ کر کیسے دوزخ کے سپاہیوں سے چھٹی لے سکیں گے؟ آپ لوگ ٹھہریں جب تک میں یا یاسی راجیہ کے پاس جا کر کہہ آؤں۔ یہ دنیا بھی ہے آخرت بھی ہے۔۔۔۔ اس لیے بھی راجیہ! تم کو سمجھنا چاہیے۔ یہ دنیا بھی ہے آخرت بھی۔۔۔۔ "ہے کاشیپ! جو چاہیں کہیں۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں۔ یہ دنیا بھی نہیں آخرت بھی نہیں۔

۲ راجیہ! کوئی دلیل ہے جس کی بنا پر تم ایسا سمجھتے ہو۔ "ہے کاشیپ! ایسی دلیل ہے جس کی بنا پر میں ایسا سمجھتا ہوں۔ یہ دنیا بھی نہیں آخرت بھی نہیں۔ ہے کاشیپ۔ میرے کتنے دوست، مشیر.....٥ جیو ہنسا سے نفرت کرتے ہیں، چوری کرنے سے نفرت کرتے ہیں۔ بدفعلی سے نفرت کرتے ہیں.....٥ اور اچھے اصولوں کو ماننے والے ہیں۔ وے کچھ دنوں بعد مریض ہو بہت بیمار پڑ جاتے ہیں۔ جب میں سمجھتا ہوں کہ وے اس بیماری سے نہیں اٹھیں گے... تو... ایسا کہتا ہوں۔ کوئی کوئی شمن اور برہمن ایسا کہتے ہیں جو جیو ہنسا سے نفرت کرتے ہیں... وے مرنے کے بعد سورگ میں پیدا ہو خوش حالی کو پالیتے ہیں۔ آپ لوگ تو جیو ہنسا سے نفرت.....٥ اگر ان شرمن (سمن۔ بودھی) و برہمن کا کہنا ٹھیک ہے، تو آپ لوگ ٥ نیک انجام کو پائیں گے۔ اگر نیک انجام کو پالیں تو آکر مجھ سے کہیں گے۔ یہ لوگ بھی ہے پرلوک بھی ہے۔ آپ پر میرا یقین و اعتماد ہے۔ آپ لوگ خود دیکھ کر جو کہیں گے میں اسی کو ٹھیک سمجھوں گا۔ بہت اچھا کہہ کر بھی نہ تو وے آکر خود کہتے ہیں اور نہ کسی ایلچی کو ہی بھیجتے ہیں۔ ہے کاشیپ اسی وجہ سے میں ایسا سمجھتا ہوں۔ یہ لوک بھی نہیں ہے۔

راجیہ! تو میں ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ مثال سے بھی کتنے ہوشیار لوگ بات کو جھٹ سمجھ جاتے ہیں۔ راجیہ! فرض کرو کہ کوئی شخص چوٹی تک سنڈاس میں ڈوبا ہو۔ تم اپنے نوکروں کو حکم دو۔ اس شخص کو سنڈاس سے نکال دو۔ بہت اچھا کہہ کر وے اس شخص کو اس سنڈاس سے نکال دیں۔ ان (نوکروں) کو تم پھر بھی کہو۔ اس شخص کے جسم کو بانس کی چھریوں سے اچھی طرح صاف کرو... وے صاف کر دیں۔ ان کو تم پھر بھی کہو۔ اس شخص کے جسم کو پیلی مٹی سے تین بار اچھی طرح ابٹن لگا لگا کر صاف کرو۔ وے صاف کریں۔ ان کو تم پھر بھی کہو۔ اس شخص کے جسم پر تیل لگا کر تیلا نہانے کا چورن تین بار لگا لگا کر نہلاؤ۔ وے نہلائیں۔ ان کو تم پھر بھی کہو۔ اس شخص کے سر اور داڑھی کو مونڈ دو... وے مونڈ دیں۔ ان کو تم پھر بھی کہو۔ اس شخص کے لیے اچھی اچھی مالائیں، اچھا ابٹن، غازہ اور اچھے اچھے کپڑے لے آؤ... وے لے آویں۔ ان کو تم پھر بھی کہو۔ کوٹھے پر لے جا کر بچھونا آسائش سے محظوظ کرو۔ وے محظوظ کریں۔" تو راجیہ! کیا خیال ہے؟ اچھی طرح نہلائے، اچھی طرح ابٹن لگائے۔ اچھی طرح بال منڈوائے۔ مالا پہنے، صاف کپڑا پہنے اور کوٹھے پر بچھونا آسائش سے محظوظ اس شخص کو پھر کیا اس سنڈاس میں ڈوبنے کی خواہش ہوگی؟ "ہے کاشیپ نہیں!" "سو کیوں؟" "ہے کاشیپ سنڈاس (جاو براز) ناپاک، گندا، بدبو سے پر، قابلِ نفرت اور ناگوارِ خاطر ہے۔

راجیہ! اسی طرح انسانی قالب دیوتاؤں کے لیے ناپاک.....٥ ایک سو یوجن کی دوری سے دیوتاؤں کو

آدم زادوں کی بدبو لگتی ہے۔ تب بھلا تمہارے دوست مشیر عالم بہشت میں پیدا ہو۔ خوش انجامی کو پاکر پھر (لوٹ) تم سے ملنے کے لیے کیسے آویں گے۔ یہ دنیا بھی ہے دوسری دنیا بھی ہے۔

راجیہ! اس سبب سے بھی تمہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ دنیا بھی ہے دوسری دنیا بھی ہے۔

ختم شد دیگھ نکائے: ۲۳: (پایاسی راجیہ سوتر) ۲۱: ۱۰

بقیہ صفحہ ۲۹ ثُمَّ استَقِمْ (مسلم) اٰمَنْتُ بِاللہِ کہو اور اس پر جم جاؤ۔

اسلام کا خلاصہ دو لفظوں میں اگر بیان کرنا ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ اسلام ایمان اور عمل کا نام ہے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر جم جاؤ" کے الفاظ سے دین کے انہیں دونوں پہلوؤں کی طرف جس حسن و خوبی اور جامعیت کے ساتھ متوجہ فرمایا ہے اس سے زیادہ جامع الفاظ میں ایمان اور استقامت کی طرف متوجہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مقصدِ زندگی کا شعور عطا فرمائے' اس کے حصول کی جد وجہد کی توفیق بخشے اور اس جد وجہد میں صبر و استقامت سے نوازے۔ آمین

آخرت کا وقوع عقل و انصاف کا تقاضا ہے

کائنات میں اللہ تعالیٰ کے جو کام ہر طرف نظر آرہے ہیں' جن کے بڑے بڑے نشانات سورج اور چاند اور لیل ونہار کی گردش کی صورت میں ہر شخص کے سامنے موجود ہیں' ان سے اس بات کا نہایت واضح ثبوت ملتا ہے کہ اس عظیم الشان کارگاہِ ہستی کا خالق کوئی بچہ نہیں ہے جس نے محض کھیلنے کے لیے یہ سب کچھ بنایا ہو اور پھر دل بھر لینے کے بعد یونہی اس گھروندے کو توڑ پھوڑ ڈالے' صریح طور پر نظر آرہا ہے کہ اس کے ہر کام میں نظم ہے حکمت ہے مصلحتیں ہیں اور ذرے ذرے کی پیدائش میں ایک گہری مقصدیت پائی جاتی ہے۔ پس جب وہ حکیم ہے اور اس کی حکمت کے آثار و علائم تمہارے سامنے علانیہ موجود ہیں تو اس سے تم کیسے یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ انسان کو عقل اور اخلاقی حس اور آزادانہ ذمہ داری اور تصرف کے اختیارات بخشنے کے بعد اس کے کارنامۂ زندگی کا حساب کبھی نہ لے گا اور عقلی و اخلاقی ذمہ داری کی بنا پر جزا و سزا کا جو استحقاق لازماً پیدا ہوتا ہے اسے یونہی مہمل چھوڑ دے گا۔ (تفہیم القرآن)

فحش لٹریچر اور اُس کی تباہ کاری

کچھ زیادہ مدت نہیں گزری ہے کہ انگلینڈ کے اٹارنی جنرل نے دارالعوام (ہاؤس آف کامنس) میں یہ بیان کیا کہ فحش نگاری ایک "بڑا کاروبار" بن گئی ہے۔

پارلیمنٹ کے ایک ممبر جیفرے روڈس نے انگلینڈ میں جنسی اوباشی کے سیلاب سے متعلق بعض براہِ راست، بلاواسطہ معلومات پیش کیں۔ انھوں نے کہا فحش رسالوں کی شکل میں، کاغذی گندگی، شہر کی بہت سی گلیوں میں بہہ رہی ہے۔ انھوں نے تفصیل سے بتایا کہ نیوکیسل اور لندن میں یہ گندگی عام طور پر فروخت ہو رہی ہے۔ اتوار کی صبح کو جو بک اسٹال مخصوص طور پر لگائے جاتے ہیں وہاں انھوں نے دیکھا کہ گمراہ کن کہانیاں فروخت ہو رہی ہیں اور بیچنے والے گیارہ سے ۱۵ سال کے درمیان کی عمر کے لڑکے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نیوکیسل کی عام آبادی اور اسکول کے طلبہ میں عورتوں کے ساتھ اوباشوں کے برے سلوک اور اسی قسم کے "اصلاحی موضوعات" پر لٹریچر کی بڑی مقدار سپلائی کی جا رہی ہے۔

یہ انگلینڈ کے بارے میں کہا گیا ہے، اب اپنے ملک کے بارے میں پڑھیے:-

تھوڑا زمانہ گزرا کہ جبل پور میں عورتوں کی کل ہند کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس نے ایک قرارداد پاس کی ہے جس میں حکومت ہند سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ گندہ، خلافِ تہذیب فلموں، لٹریچر، پوسٹرس اور اشتہارات پر پابندی عائد کر دے۔ رزولیشن میں کہا گیا ہے کہ یہ تمام چیزیں نوجوانوں پر مضرِ صحت اور مخربِ اخلاق اثر ڈالتی اور ان کے خلافِ قانون حرکت و عمل کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔

ان فحشیات نے سوسائٹی پر جو برے اثرات ڈالے ہیں اور ان کی وجہ سے جرائم میں جو کثرت ہوئی ہے وہ

کسی سے پوشیدہ نہیں ہے تحقیقاتی رپورٹوں میں اعداد و شمار کے ساتھ معلومات شائع ہوتے رہتے لیکن اس کے باوجود انگلینڈ کے مسٹر جیفرے ہوں یا ہندوستان کی زنانہ کانفرنس، سب بے بس ہیں، دنیا کی کسی بھی ترقی یافتہ ملک کی پارلیمنٹ ان فحشیات کو خلاف قانون نہیں قرار دے رہی ہے اور نہ ان پر پابندی عائد کر رہی ہے، کبھی کبھی اس سلسلے میں کوئی مقدمہ بھی دائر ہوتا ہے تو جج صاحبان کو فیصلے میں اس لیے دشواری پیش آتی ہے کہ فحش کی کوئی تعریف ہی متعین نہیں ہے۔ کچھ عرصہ ہوا اخبارات میں یہ خبر آئی تھی کہ ہمارے ملک کی وزارت قانون فحش کی تعریف متعین کرنے کی فکر میں ہے لیکن آج تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا اور شاید اس وقت تک کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو جب تک یورپ یا امریکہ میں فحش کی کوئی تعریف متعین نہیں ہو جاتی اور جن ملکوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہم جنس شہوت رانی کو جائز قرار دینے کے لیے کوشاں ہو وہاں کے لوگ بھلا فحش کی تعریف کیا متعین کر سکیں گے — یورپ اور امریکہ کے سلیم الطبع افراد بھی اس گندہ جوہڑ میں ڈبکیاں کھانے پر مجبور ہیں کیونکہ یہ خود ان کے اپنے نظریۂ حیات کے سوتے سے پھوٹ بہا ہے۔ زندگی کے معاملات سے خدا اور آخرت اور خدائی ہدایات کو الگ کر دینے کا انجام یہی ہوتا ہے۔

افسوس خود اپنے ملک پر ہے جہاں کی اکثریت مذہب کو اپنی زندگی کی بنیاد سمجھتی اور سزا وجزا پر بھی یقین رکھتی ہے اس کے باوجود اس ملک کی پارلیمنٹ نے مذہب اور اس کے اخلاقی اقدار کو زندگی کے معاملات سے بے تعلق کر رکھا ہے اور اس سے زیادہ افسوس اسلامی ملکوں پر آتا ہے۔ ان ملکوں کے حکمراں اسلام پر یقین کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کے ملکوں میں وہی کچھ ہو رہا ہے جو غیر اسلامی ممالک میں۔ ان فحشیات کی کثرت اور ان کے برے نتائج میں کیا کراچی اور قاہرہ، لندن اور پیرس سے کچھ پیچھے ہیں؟ اسلام جس نے فواحش کے ہر رخنے کو بند کر دیا تھا اور جس نے ایک انتہائی پاکیزہ معاشرہ قائم کیا تھا آج اسی اسلام کے ماننے والوں نے اپنے ملکوں میں وہاں کے عوام کی مرضی کے خلاف ان رخنوں کے منہ طاقت کے زور سے کھول رکھے ہیں۔ پاکستان کا ایک ہفتہ وار اخبار لکھتا ہے:

"ہالی وڈ کی عریاں و نیم عریاں فلمیں دھڑا دھڑ امپورٹ ہو رہی ہیں۔ انہیں کھلی چھٹی ہے کہ پاکستانی عوام کے ذہنوں پر جتنے چاہیں زہریلے اثرات ڈالیں ...... یہ فلمیں پاکستان کی نئی پود کو کیا سبق دیتی ہیں — راک اینڈ رول کا — کراچی کے ان طلبہ و طالبات کی ذہنیت پر افسوس کیا جائے جنہوں نے راک اینڈ رول کی دھنوں کو اردو کے الفاظ عطا کر دیے ہیں چنانچہ اس کلب میں رقص

کے موقع پر اونچے طبقے کی ماڈرن لڑکیوں کی قطار نعرہ لگاتی "لال لال گال" اور اسی طبقہ کے ماڈرن لڑکے جواب الاپتے۔ چوم، چوم، چوم۔

مال روڈ کے کسی بھی بڑے بک اسٹال پر ایک طائرانہ سی نظر ڈالیں ۔ ہیجان خیز جنسی ٹائٹل عورتوں کی نیم عریاں تصاویر، فحاشی کے طلسم ہوش ربا ــــ یہ سب کیا ہیں؟ امریکی ناول، امریکی کامک بہ زرِ مبادلہ خرچ کر کے ڈالر دیس سے منگوائے جاتے ہیں۔ کیوں؟ شاید اس لیے کہ نوجوانوں کو پراگندہ جنسی زندگی کے اسرار و رموز سے آگہی حاصل ہو، نئی پود مار دھاڑ کا سلیقہ سیکھے۔ طلبہ و طالبات ان اسٹالوں کے چکر لگاتے ہیں اور زہر کی ان پوٹوں کو چپکے سے خرید کر نو دو گیارہ ہو جاتے ہیں

اوپر مسٹر جیمز نے نیوکیسل اور لندن کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اسے پڑھیے اور پھر کراچی اور لاہور کے بارے میں جو کچھ کہا گیا اسے ملاحظہ کیجیے۔ ان دو شہروں نے لندن کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے یا نہیں؟ اسلام کے نام پر جو ملک حاصل کیا گیا تھا اس کا یہ حال کتنا روح فرسا اور تکلیف دہ ہے ــ اسلامی ممالک یہ سب کچھ یورپ اور امریکہ کی تقلید میں کر رہے ہیں۔ ان ملکوں کے سربراہ سوچتے ہیں کہ اگر ان چیزوں پر پابندی عائد کر دیں تو استادوں کی نظر میں "پس ماندہ" دکھائی دیں گے، وہ بالکل بھول چکے ہیں کہ خدا کی نگاہ میں ترقی یافتہ کون ہے اور پس ماندہ کون؟ خدا کے غضب اور آتش دوزخ کی تپش ذرہ برابر بھی انہیں محسوس نہیں ہوتی۔ کاش وہ اب بھی چونکیں اور خدا کے غضب سے اپنے آپ کو اور اپنے ملک کو بچانے کی فکر کریں۔ (ادارہ)

معاشرے کی تباہی کا ایک بڑا سبب

ایک معاشرے کو آخر کار جو چیز تباہ کرتی ہے وہ اس کے کھاتے پیتے، خوش حال لوگوں اور اونچے طبقے کا بگاڑ ہے، جب کسی قوم کی شامت آنے کو ہوتی ہے تو اس کے دولت مند اور صاحب اقتدار لوگ فسق و فجور پر اتر آتے ہیں، ظلم و ستم اور بدکاریاں اور شرارتیں کرنے لگتے ہیں اور آخر یہی فتنہ پوری قوم کو لے ڈوبتا ہے، لہذا جو معاشرہ آپ اپنا دشمن نہ ہو اسے فکر رکھنی چاہیے کہ اس کے ہاں اقتدار کی باگیں اور معاشی دولت کی کنجیاں کم ظرف اور بد اخلاق لوگوں کے ہاتھوں میں نہ جانے پائیں (ماخوذ)

یہ تعقل پرستی تو بے عقلی کی بات ہے

ایک عظیم مفکر اور سائنسداں پکار اٹھا

ترجمہ :- ش ن عثمانی

مشرقی ممالک سے کہ جو فکر جدید اور سائنس میں مغرب کے نوآموز شاگرد اور تقریباً اندھے مقلد ہیں۔ رہ رہ کر کچھ اس قسم کے نعروں کی گونج سنائی دیتی ہے۔

- مذہب واخلاق نئی ترقی کی راہ کے روڑے ہیں۔
- سائنسی ایجادات ہی انسانی ارتقاء کے اصل کارنامے ہیں۔
- مادہ پرستی سے زندگی اور دنیا میں بہترین بناؤ سنگھار پیدا ہوتا ہے۔

لیکن ذیل میں ہم مغرب کے ایک عظیم سائنس داں کی جس انقلاب آفریں کتاب کا تعارف کرا رہے ہیں اس کے صفحات میں سے یہ درد بھری آواز سنائی دیتی ہے۔

- اخلاق کی اصلاح نہ ہوسکی تو یہ مادی ترقی ہمیں موت کے گھاٹ اتار دے گی۔
- روحانیت ہی انسان کو سچی مسرت دلا سکتی ہے۔
- خدا کا انکار پرلے سرے کی بے عقلی ہے۔
- مذہب واخلاق کے پس منظر سے کٹ کر یہ تمام نئی ایجادیں زندگی کو جہنم بنا دینے والے کافر لذت ثابت ہوں گی۔

لیکن کیسے سر پھرے اور ہٹ دھرم ہیں یہ مشرقی ممالک — یہ مغرب کے شاگرد کہ جو خود اپنے "استاذ" کی اس درد بھری پکار کی طرف سے کان بند کیے ہوئے اندھا دھند وہی رٹ لگائے چلے جا رہے

کہ مذہب واخلاق کو ہٹاؤ اور فلسفہ وسائنس کو ان کی جگہ پر لاؤ! اس شخص سے زیادہ احمق کون کہ جو دوسروں کے انجام بد سے سبق لینے کے بجائے ٹھیک اسی انجام کی طرف سرپٹ دوڑنے لگے۔

— مگر نہیں۔

بات صرف اتنی ہی نہیں ہے۔

وہ لوگ جو حقیقت کا شعور رکھتے ہیں ان کے لیے بھی ان واقعات میں عبرت کا سامان اور نئے فرائض کی پکار ہے۔ کل مغرب میں جب مادی ترقی کا جنون ایک سیلاب کی طرح مذہب واخلاق کو بہائے لیے جارہا تھا تو اہل دانش وبینش نے اس کو روکنے کے لیے غلط تدابیر کی ٹھوکریں پر ٹھوکریں کھائی تھیں۔ غلط تدبیر اور غلط علاج کا یہ نتیجہ نکلا کہ مرض کچھ اور بڑھا اور الجھ گیا۔ آج مشرق میں جب یہ طغیانی اٹھی ہے تو حقیقت کا عرفان رکھنے والے لوگ مغرب کے تجربے سے فائدہ اٹھائیں اور اس غلطی کا اعادہ نہ کریں جس کی سزا مغرب بھگت چکا ہے۔

وہ غلطیاں کیا تھیں؟

اور اب مادہ پرستی کی طوفانی یلغار کا مقابلہ کس ڈھنگ سے ہونا چاہیے۔

آئیے یہ عظیم پہلو اس مضمون میں تلاش کیجیے۔ شمس نوید مترجم

تقدیر انسانی

"تقدیر انسانی" نام ہے اس ممتاز کتاب کا جو بین الاقوامی شہرت رکھنے والے ایک سائنسداں لیکومٹے ڈونائی کی لکھی ہوئی ہے۔ اور یہ کتاب لکھنے سے جن کا منشا اس مانی ہوئی حقیقت پر زور دینا ہے کہ:۔

سارے عالم کے سر پر جو تباہی آپہنچی ہے اس سے بچ نکلنے کے لیے یہ بات لازمی اور ضروری ہے کہ انسان کو جو روحانی قوتیں ودیعت کی گئی ہیں انھیں وہ استعمال کر ڈالے۔

یہ کتاب جو پہلی بار ۱۹۴۷ء میں منظر عام پر آئی تھی ۱۹۴۹ء میں جیبی سائز پر چھاپی گئی۔ مشہور نوبل پرائز یافتہ رابرٹ اے ملیکن نے کہا ہے کہ یہ کتاب:۔

"ایسی بنیادی فہم وبصیرت کی کتاب ہے کہ سو سال میں ایک یا دو سے زیادہ ایسی کتاب شائع ہونے کی توقع نہیں کی جاسکتی"

نیویارک ہیرلڈ ٹریبون نے اعلان کیا :۔

"تقدیر انسانی صف اول کے ایک بڑے بھاری سائنس داں کی وہ آواز ہے جس نے نوع انسانی کو ایسا خاکہ دیا ہے جس کے تانے بانے میں مذہب اور سائنس کو ملا کر گوندھ دیا گیا ہے۔

نیویارک ٹائمز نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

"ڈونائی کہتا ہے کہ" خداوندی حکمت و دانائی نے ارتقاء کے سلسلے کو ایک سمت اور ایک مقصد بخشا ہے" اور یہ کہ" آدمی اس حیاتیاتی ارتقاء کی منزل مقصود اور آخری شکل ہے — آدمی ہی وہ واحد حیوان ہے جس کو عقل اور روحانیت کی خصوصیات حاصل ہیں۔ لیکن اگر انسان خود اپنی روحانی ہدایتوں اور مذہبی تعلیمات پر کان نہیں دھرتا تو وہ پھر تباہ ہو کر رہ جائے گا۔

اس قابل تعریف تصنیف کے دیباچے میں ڈونائی کہتا ہے کہ :۔

جب سے پہلی عالمی جنگ ہوئی اس وقت سے بنا بر تمام مغربی ملکوں پر ایک عام اضطراب چھایا ہوا ہے۔ یہ کوئی نیا تجربہ نہ تھا بلکہ محض اس انسانی ضمیر کی بیداری تھی جس کو گزشتہ پچاس سال کی مشینی ترقیوں نے شل اور بے ہوش سا کر ڈالا تھا۔

آگے چل کر وہ کہتا ہے کہ :۔

"تہذیب کے مادی پہلو کے تیز رفتار ارتقاء نے انسانوں کی دلچسپی کو بھڑکا دیا تھا اور ان کو آئے دن کے ایک تازہ سائنسی معجزے کے لیے ایک طرح کے دم بخود انتظار میں غرق کر دیا تھا۔ مسائل — آدمی کے اپنے مسائل کو حل کرنے کی فرصت ہی بہت تھوڑی رہ گئی تھی۔ وہ نئی نئی ایجادات جو شتابی سے کسی وقفے کے بغیر یکے بعد دیگرے سامنے آرہی تھیں ان کی ناقابل تصور چمک دمک سے لوگ عمل تنویم کی طرح مسحور ہو کر رہ گئے تھے اور ان کی حالت ان بچوں جیسی ہو گئی تھی جو کسی بڑے بازار کو پہلی بار دیکھتے ہیں تو ایسے مست و بے خود ہو جاتے ہیں کہ کھانا پینا بھی یاد نہیں رہتا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ :۔

"تہذیب بھاری بھرکم منظری سچائی اور حقیقت کا طرہ امتیاز بن کر رہ گیا اور اس نئے شناسے کی روشنی سے مانند ہو کر زندگی کی پیچ پیچ کی قدروں کو دوسرا درجہ دے کر چھوڑ دیا گیا۔"

مادہ پرستی کیسے در آئی؟

تقدیر انسانی کا مصنف ہمیں بتاتا ہے کہ:۔

"بہت سے لوگ خطرے کی بھنک محسوس کر رہے اور خطرے کی گھنٹی بجا بجا کر چنگھاڑ رہے تھے لیکن اس کی طرف دھیان نہیں دیا گیا۔۔۔۔ کیونکہ ایک انوکھا نیا بت وجود میں آ چکا تھا اور جدت پسندی کے مسلک نے جو حقیقتاً مظاہر پرستی کا مذہب تھا عوام الناس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔۔۔۔ دوسری طرف قوت تمیز رکھنے والے دماغوں کے پاس —— جن کو "اگلے وقتوں کے لوگ" کہا جاتا ہے —— محض ایسے دلائل تھے جن کی حیثیت بے وقت کی راگنی کی سی تھی —— ایسے عالم میں جب کہ ایک تیز روشنی سے چندھیائے ہوئے آدم زادے اس عقیدت بھری سرخوشی میں آنکھیں پھاڑے ہوئے دیکھ رہے تھے جو غیر محسوس طور پر سائنس اور ایجادات نو پر ایک حقیقی ایمان میں تبدیل ہو چکی تھی وہ بے چارہ دانا و بینا طبقہ محض مقدس گھسی پٹی دلیلوں، جوانی کے شان دار جوش سے عاری الفاظ اور ضمیر کو جگانے کی ان اپیلوں سے جہاد کر رہا تھا جن کو کوئی بھی آدمی پسند نہیں کرتا تھا اور جن کو بہت سوں نے تو ایک دقیانوسی اور بے کار سی چیز ہی سمجھ لیا تھا"

مغربی مذہب کی ناکامی

ہمہ گیر اخلاقی فساد اور بے یقینی، یہاں تک کہ انسانی ہجوم کی بے چینی اور بے زاری کی کیفیت کو روک دینے میں مغربی مذہب کو اپنی تمام بے تحاشا کوششوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ایسا اس لیے ہوا کہ:۔

"لوگوں کی سوجھ بوجھ کی دنیا میں لازمی تعلیم کے نظام نے نئی پگڈنڈیاں، نئی شاہراہیں اور نئے گلی کوچے کھول دیے تھے۔ کافی سے زیادہ سوجھ بوجھ پیدا کیے بغیر ہی لوگوں نے نظریہ تعقل اور استدلال کے فنی کرشموں کو استعمال کرنا سیکھ لیا تھا اور وہ سب اس دھوکے کا شکار رہتے کہ ہمیں اس کو برتنا بھی آ گیا ہے۔ اس کل نے سنسنی خیز نتائج دکھا دیے تھے کہ جنھوں نے دھیرے دھیرے ان لوگوں کی مادی زندگی کا نقشہ ہی بدل ڈالا اور بے حد و حساب توقعات کو بیدار کر دیا تھا۔ یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ وہ ادب و احترام جو اب تک پادریوں کے حصے میں آیا کرتا تھا اب وہی احترام زینہ بہ زینہ ترقی کرتا ہوا ان حضرات کی طرف منتقل ہو جاتے جو فطرت کی طاقتوں کی تسخیر اور فطرت کے کچھ رازوں کی تہ تک پہنچ جانے میں کامیابی حاصل کر چکے تھے"

ڈھونڈا وہی نتیجہ اخذ کرتا ہے :۔

اس طرح مادہ پرستی نہ صرف صنعت کے فنی ماہرین میں بلکہ ان عوام الناس میں پھیل گئی ہے تدلالی اور عقل کے اسلوب کو عقل و استدلال کے اس قسم کا مقابلہ کرنے کے لیے کام میں لانا چاہیے تھا۔۔۔۔۔

اگر ہمیں یہ خواہش ہے کہ ہم اس ڈانواں ڈول کر دینے والی تشکیک اور توصل یقینی اور ستیاناس کر دینے والی مادہ پرستی سے جنگ کریں۔ ایک تشکیک اور مادہ پرستی کہ جو کسی بھی حال میں فطرت کی سائنٹفک تعبیر کا ناگزیر نتیجہ نہیں ہے ـــ جیسا کہ ہمیں یقین دلایا گیا ہے۔ تو ہمیں "دشمن" پر اسی کے ہتھیاروں سے اور اسی کے میدان میں حملہ آور ہونا چاہیے۔

مغربی انسانیت کی بے کلی کا باعث

"تقدیر انسانی" کے مصنف کو یقین ہے کہ :۔

یہ نئی بے کلی اور بے چینی اصلاً اس حقیقت سے جنم لیتی ہے کہ عقل نے سائنس کے نام پر کہ جو خود ابھی بچپن کے دور میں ہے۔ ان عقائد و تعلیمات کو تباہ کر کے انسان کے تمام مقصد حیات کو لوٹ لیا ہے جنہوں نے اب تک ہر شخص کی انفرادی زندگی کو معنی و مقصد عطا کیے تھے ـــ جد و جہد کرنے کی ایک وجہ دی تھی ـــ زندگی اور دنیا کے اس پار ایک منزل مقصود دی تھی کہ جس تک پہنچا جائے ـــ یوں کہیے کہ "مذاہب" عطا کیے تھے۔

"تقدیر انسانی" کا مصنف سوچتا ہے کہ :۔

"اختیار کی نفی ـــ اخلاقی جواب دہی کی نفی ـــ فرد کے بارے میں یہ خیال کہ وہ فقط مادی اور مادی کیمیائی ترکیب کی ایک اکائی ہے اور وہ ایک زندہ مادے کی حیثیت رکھتا ہے جو بمشکل ہی دوسرے حیوانوں سے مختلف ہے ـــ یہ سب باتیں ناگزیر طور پر "اخلاقی انسان" کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہیں۔ روحانیت کا گلا گھونٹ دیتی ہیں۔ تمام امیدوں کو کچل ڈالتی ہیں اور قطعاً بے مصرف ہونے کا خوفناک اور حوصلہ شکن سا احساس پیدا کرتی ہیں۔

شیطانی طاقتوں کی یورش سے بچاؤ کا کام

آج انسانیت ... پر

ایسی طاقتوں کو آزاد چھوڑ دینے کے باعث مکمل تباہی کا خطرہ جھیل رہا ہے۔ اور اس کا اس بات کا

یقین ہو چلا ہے کہ "واحد مؤثر بچاؤ کا راز ایک اعلیٰ تر عظیم ترین اخلاقی بالیدگی میں مضمر ہے۔"

"تقدیرِ انسانی" کے مصنف کا ارشاد ہے کہ :-

"انسانیت کی تاریخ میں پہلی بار انسان اس چیز سے خائف ہے کہ جو اس کی عقل کا کیا دھرا ہے اور اس چکر میں پڑا ہے کہ میں نے ٹھیک راہ کا انتخاب کیا ہے کہ نہیں؟

انسان کو اب یہ بات سمجھ لینی ہی چاہیے کہ :-

مشینی نظام کے انقلابات سے اس نے اپنے گرد و پیش میں جو کایا پلٹ کی ہے اور پھر ان بنیادی تبدیلیوں کے مطابق اپنے آپ کو تبدیل کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ اس شرط پر اس کے لیے ترقی یا تباہی ثابت ہوگی کہ ساتھ ہی ساتھ اس کے اخلاقی انداز میں بھی سدھار اور نکھار آیا ہے کہ نہیں؟

آدمی کو یہ بات محسوس کرنی ہی پڑے گی کہ "حقیقی انسانی ترقی" جس چیز میں چھپی ہوئی ہے وہ خود آدمی کا اپنا کمال اور سدھار ہے، نہ کہ ان آلات اور کلوں کو بہتر بنا لینا کہ جن کو وہ کام میں لاتا ہے اور نہ ہی اس کی جسمانی اور مادی خوش حالی کا اضافہ۔" "تقدیرِ انسانی" کے مصنف کے نزدیک مذکورہ بالا تین امور سے آخری چیز کو حقیقی انسانی ترقی سمجھنے کا موقف

"مادے کے پجاریوں کا موقف ہے اور انسان کے لیے ہتک آمیز ہے کیونکہ وہ انسان کی ان اعلیٰ صفات و خصائص کو منظم طور پر نظر انداز کرتا ہے جو تنہا اس کی اہلیت رکھتی ہیں کہ آدمی کو اس کی شایانِ شان خوشی پانے کا اطمینان دلائیں اور وہ خوشی جگالی کرنے والے مویشیوں کی خوشی سے اعلیٰ درجے کی خوشی ہے"

معقول ڈھنگ کا نامعقول آدمی

اس انداز کا تعقل کہ جس کا معیاری نمونہ تعقل پرستوں کے بادشاہ ابلیس نے پیش کیا ہے ہمیشہ اخلاقی اور باطنی اصلاح میں آڑے آئے گا اور اس طرح حقیقی طمانیت کی تلاش کو کٹھن بنا کر رکھ دے گا۔ آج کا تعقل پرست اس حد تک راہ پر آ لگا ہے کہ اس کو "عقل کے قادرِ مطلق ہونے کے متعلق شک ہونے لگا ہے اور وہ یہ بات قبول کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کرنے لگا ہے کہ اس کے عہدِ شباب میں جن مادی نظریات کو اٹل قرار دیا جاتا تھا ان کو الٹ پلٹ دیا جائے۔ ایک طرف وہ یہ تو مانتا ہے کہ وہ خلائے بسیط جس میں جرمِ فلکی حرکت کرتے ہیں اس کے پھیلاؤ کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا ـــ یہ ایک بر تر یا محض ایک صحیح قیاس کی حد تک غیر مادی ہوتا ہے ـــ یہ کہ نیوٹران اور ضد نیوٹران جیسی باریک چیزیں بھی کہ جن کی

حسابی توازن بٹھانے کے لیے گھڑی گئیں۔ ہاں وہ بھی ضرور اپنا ایک وجود رکھتی ہیں ——— اور یہ کہ مادی انتظار میں ان جیسی بعید از عقل حقیقتیں بھی ضرور پائی جاتی ہیں۔ ان تمام چیزوں کے باوجود ایک ایسی مافوق الفطرت تخلیقی طاقت (خدا) کے امکان کو تسلیم کر لینے سے انکار کرتا ہے کہ :۔

"جس کے بغیر سائنس کے عظیم الشان ترین مسائل کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا ——— اور یہ انکار بھی وہ محض اس لیے کرتا ہے کہ اس کے حسی تجربات نے اس کو جو سانچے دیے ہیں وہ اس طاقت کا تصور یا مشاہدہ کرانے سے قاصر ہیں ——— درآں حالیکہ ان سانچوں کے محدود ہونے کی اسے خبر بھی ہے!...."

اس سے زیادہ نامعقولیت کی بات اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ آدمی عقل پر استدلال کی بل پر عقل و استدلال کی خلاف ورزی کرنے لگے۔

عقلِ محض اور اخلاقی قدریں

تقدیرِ انسانی کا مصنف ہمیں بتاتا ہے کہ :۔

"عقلِ محض کہ جس کے ساتھ کوئی اخلاقی پس منظر ہی نہ ہو، اکثر اس کا انجام یا تو تخریبی تنقید ہوتا ہے یا پست و حقیر غور و فکر ——— یا ایک ایسا پیچ در پیچ اور الجھا ہوا بچکانہ پن کہ جس کا خاص نمونہ ازمنۂ وسطیٰ کے علم الکلام کی دقت پسندی کے کھیل پیش کر چکے ہیں۔ یہ عقل اسی دم اپنی قدر و قیمت کھو دیتی ہے جس وقت وہ سمجھ بیٹھے کہ میں کوئی ذریعہ نہیں مقصود ہوں۔ ذوقِ جمال بھی تو خوفناک حد تک حلیہ بگاڑنے کی حرکتیں کر سکتا ہے ——— بے ہودگیوں تک پہنچا سکتا ہے اور باغیانہ بدطینتی تک لے جا سکتا ہے۔ آدمی کی سرگرمیاں خواہ کچھ بھی ہوں لیکن اسے اپنی ایک بلند تر تقدیر کو ہرگز نہ بھولنا چاہیے اور علوم و فنون کے ذریعہ اس کو جو جائز فخر و ناز ملا ہے اس کا فریضہ ہے کہ وہ عمر بھر آدمی کو خود آدمی ہی سے بچاتا رہے۔ اب آدمی کی کش مکش اور ٹکراؤ محض ان جبلتوں سے لڑنے کا نام نہیں ہے جو اسے حیوانیت سے ورثے میں ملی ہیں بلکہ اب تو زندگی کی انسانی کشمکش میں آدمی کا ان خود ساختہ عادتوں سے لڑنا بھی داخل ہے جو چاہے خود روایت کا نتیجہ رہی ہوں یا اس کے اپنے مریض دماغ کی پیداوار ہوں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ خود انسانی عقل و فہم اور اسی کی تخلیقات کی بدولت یہ انسانی کش مکش زندگی سے کافی کچھ اور زیادہ الجھ گئی ہے۔ آدمی کی ایجادات نے زندگی کے احوال و کوائف میں انقلاب برپا کر دیا ہے اور ان لوگوں کے لیے بھی کہ جو ہنوز ان ایجادات سے مستفید نہیں ہوئے۔ ان ان کے لیے بھی یہی ایجادات تہذیب یافتہ ہونے کا غلط نشان اور ان کی جدوجہد کی آخری منزل مقصود اور جدید کے کارناموں کی شکل اختیار کر گئی ہیں۔

(الاصلاح - کراچی - یکم مئی ۱۹۵۵ء سے ترجمہ کیا گیا)

سالانہ رپورٹ جماعت اسلامی ہند

یکم اپریل ۱۹۶۴ء تا ۳۱ مارچ ۱۹۶۵ء

(قسط ۲)

شعبۂ تصنیف و تالیف

اس شعبے میں مولانا صدر الدین صاحب اور مولوی جلال الدین صاحب انصر کام کرتے رہے۔ مولانا صدر الدین صاحب نے اپنی زیر تصنیف کتاب "قرآن کا تصورِ دین" کی تسوید اول کا کام بحمد اللہ مکمل کر لیا ہے۔ صرف نظر ثانی کا کام باقی ہے۔ یہ کتاب اندازاً دو سو صفحات پر مشتمل ہوگی جس کے ابواب کچھ اس طرح ہیں:۔

۱۔ توحیدی مذاہب کے دو مختلف تصورات دین یعنی اللہ کی والہانہ اطاعت اور عشق الٰہی۔ ۲۔ قرآنی تصور دین کے بنیادی تقاضے۔ ۳۔ عشق الٰہی پر مبنی تصور دین۔ ۴۔ پیروانِ قرآن کے غیر قانونی افکار۔ ۵۔ انحرافِ نظر کے اسباب (تصور عشق سے اثر پذیری) اور دلائل و شواہد۔ ۶۔ تغیرِ تصور کے اہم نقصانات۔

نظر ثانی کا کام تین چار ماہ میں مکمل ہو جائے گا۔

مولوی جلال الدین انصر صاحب نے "خدا و رسول کا تصور" کے عنوان سے اپنی زیر ترتیب کتاب کے تین چار مباحث لکھے، پورے مسودے پر تفصیل کے ساتھ نظر ثانی کی اور گزشتہ مباحث کو مکمل کیا۔ توقع ہے کہ یہ کتاب دو ایک ماہ میں شائع ہو جائے گی۔ فی الحال پریس میں ہے۔ اس کتاب کے علاوہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے عنوان سے زندگی میں مسلسل مضامین لکھے۔ یہ مضامین پیش نظر کتاب کے اجزا ہیں۔ اس کتاب میں دین کے دعوتی و تربیتی پہلو پر علمی انداز میں تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔

زندگی

رسالہ زندگی بحمد اللہ ہر ماہ پابندی سے شائع ہوتا اور وقت پر پوسٹ کیا جاتا رہا۔ اس کی اشاعت میں بھی مدت زیر رپورٹ میں کچھ اضافہ ہوا ہے۔ زندگی کے ایجنٹوں کے ذمے تقریباً

پانچ ہزار روپیہ باقی ہے۔ رفقاء کو چاہیے کہ اپنے اپنے مقام پر اس کی وصولیابی کے سلسلے میں کوشش کریں۔

مدیر زندگی نے رسالے کو زیادہ مفید اور مؤثر بنانے کے لیے اصحاب قلم سے تعاون کی اپیل بھی کی ہے۔ دوران سال امت مسلمہ کا نصب العین' نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' کئی قسطوں میں شائع ہوئے ہیں۔

کانتی

یہ رسالہ ہر ماہ پابندی سے شائع ہوتا رہا۔ دوران سال اس کی اشاعت میں خاصا اضافہ ہوا لیکن بعد کو کچھ گھٹ گئی۔

کانتی کو ترتیب دیتے وقت جہاں ہندی داں مسلمان پیش نظر رہے ہیں اور ان کی نفسیات' جذبات' خیالات اور روایات کا لحاظ کیا گیا ہے اور جس کا خاطر خواہ اثر کانتی کی زبان اور انداز بیان پر بھی مترتب ہوا ہے وہیں کانتی کو ترتیب دیتے وقت اس کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ اس سے غیر مسلم ہندی داں بھی استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ جہاں یہ بات صحیح ہے کہ مسلمان اس کے مضامین کو پڑھ کر اسلام کے بارے میں واقفیت حاصل کرتے ہیں وہیں غیر مسلم حضرات کو بھی اپنی غلط فہمیاں رفع کرنے اور اسلام کو صحیح رخ سے سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے۔

جہاں تک کانتی کے اداریوں کا تعلق ہے وہ عام طور سے دعوتی نقطہ نظر ہی سے تیار کیے گئے خصوصاً اپریل ۱۹۶۴ء میں "جیوتیا" پر لکھا گیا اور غیر مسلموں میں پھیلی ایک زبردست بدگمانی و غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ اگست ۱۹۶۴ء کے اداریے میں نبوت کے عقلی دلائل فراہم کیے گئے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ آج کا "اسلام" ہی دین حق کا آخری اڈیشن ہے۔ ستمبر ۱۹۶۴ء کے اداریے میں غذائی بحران کے تحت ملک کے اس زبردست مسئلہ کا اسلامی نقطہ نظر سے حل پیش کیا گیا۔ فروری ۱۹۶۵ء کے اداریے میں عید کا تعارف کراتے ہوئے اسلامی نظریہ اجتماع کو واضح کیا گیا۔ مارچ ۱۹۶۵ء کے اداریے میں سماج میں پھیلی برائیوں کی نشان دہی کر کے انہیں دور کرنے کا اسلامی نقطہ نظر پیش کیا گیا اور اسی کو تنہا اور واحد کارگر نسخہ قرار دیا گیا۔

● مقالات کے تحت "ہماری عبادتیں" کے زیر عنوان نماز روزہ' زکوٰۃ اور حج پر تفصیلی مضامین شائع کیے گئے تاکہ اسلامی عبادتوں کا واضح تصور پیدا ہو سکے۔ یہ مضامین اپریل سے اکتوبر ۱۹۶۴ء تک کی اشاعتوں میں مسلسل آتے رہے۔ جنوری ۱۹۶۵ء میں بھی اس نوعیت کا ایک مضمون شائع کیا گیا۔

● مغربی تہذیب کے تباہ کن اثرات کے مقابلے میں اسلام کے نقوش کتنے گہرے اور واضح اور رہنما ہیں انسانیت میں اس کی وضاحت کے لیے محمد اسد صاحب کی کتاب (ROAD - TO MECCA) کا ترجمہ

تقریبًا ہر اشاعت میں شائع کیا گیا۔

• اس کے علاوہ آپ کے سوال ہمارے جواب کے تحت بھی عام عنوانات پر بحثیں کی گئیں اور بڑی حد تک ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی جو مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں میں پائی جاتی ہیں۔

درس گاہ

درس گاہ میں اپریل ۶۸ء میں طلبہ کی تعداد ۲۴۶ تھی جس کے منجملہ ۱۱۱ آفاقی اور ۱۳۵ غیر آفاقی طلبہ تھے۔ مارچ ۶۹ء میں جملہ تعداد ۲۴۱ باقی رہ گئی جس کے منجملہ ۱۹۱ آفاقی اور ۵۰ غیر آفاقی طلبہ ہیں۔

امتحان سالانہ ۶۸-۶۹ء میں طلبہ کے نتائج بحمد اللہ امید افزا ہے چنانچہ ۲۳۷ طلبہ میں سے صرف ۱۴ ناکام ہوئے اور کامیاب ہونے والوں میں ۱۰۷ فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے۔

طلبہ کی اخلاقی حالت بحیثیت مجموعی بحمد اللہ ٹھیک رہی صحت جسمانی بھی گزشتہ سال کے مقابلہ میں بہتر رہی درس گاہ میں اساتذہ کی تعداد پندرہ تھی، اساتذہ صاحبان نصاب تعلیم کو مکمل کرانے اور طلبہ کے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کی کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی صحت کی بہتری کے لیے مکمل کوشش کی نگرانی بھی کرتے رہے۔

طلبہ کی اخلاقی تربیت کے لیے تین اتالیق مقرر ہیں جن میں سے ایک ہمہ وقتی ہیں اور بقیہ دو حضرات درس گاہ میں تدریسی فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔

طلبہ کے اندر نظم و اتحاد پیدا کرنے اسلامی جمہوریت سے ان کو روشناس کرانے ان کے اندر معلومات کا اضافہ کرنے اور ان کے اندر تقریری و تحریری صلاحیتوں کو نشو و نما دینے کے لیے جمعیۃ الطلبا و دار المطالعہ قائم کیا گیا ہے۔ جمعیۃ الطلبہ میں ہفتے میں ایک بار توسیعی تقاریر کا پروگرام رہتا ہے اور دار المطالعہ میں جماعتی غیر جماعتی اخبارات و رسائل سترہ کی تعداد میں پڑھے جاتے ہیں۔ توسیعی تقاریر کے ضمن میں مولانا عروج قادری صاحب اور وحید الدین خاں صاحب نے تقریریں کیں۔

طلبہ کی سہولت اور تعلیمی ذوق کی تکمیل کے لیے کتب خانہ بھی موجود ہے جس سے طلبہ استفادہ کرتے ہیں۔

اکتوبر ۶۸ء میں حسب سابق تعلیمی ہفتہ منایا گیا جس میں مرکز سے سید حامد حسین صاحب نے شرکت کی اور طلبہ کو انعامات تقسیم کیے اور طلبہ نیز ان کے سرپرستوں کو خطاب کرتے ہوئے دینی تعلیم کی ضرورت اور کی اہمیت اور اس کے تقاضے پر روشنی ڈالی۔

ملک گیر کام کے تعلیمی و انتظامی معاملات و مسائل سے متعلق ایک تعلیمی کمیٹی بھی موجود ہے جس کی مدت زیر رپورٹ میں تین نشستیں ہوئیں۔

مرکزی مکتبہ جو کتابیں مدت زیر رپورٹ میں شائع ہوئی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے
لٹریچر ۱۷،۱۴،۰۰۰ نسخے۔ درسیات ۲،۰۹،۰۰۰ نسخے۔ جماعت کی پالیسی ۵۰۰۰
فہرست کتب ۲۰۰۰۔ فہرست دینی کتب ۲۰۰۰

مدت زیر رپورٹ میں محسن انسانیت، تعدد ازدواج، مسئلہ جبر و قدر، حج کس لیے؟ اور فسادات کا علاج کا اضافہ ہوا۔ ان کے علاوہ ڈائری کلنڈر اور جنتریاں کثیر تعداد میں شائع کی گئیں۔
مذاہب عالم کانفرنس منعقدہ دہلی کے موقع پر نجات کا راستہ اردو میں چار ہزار ہندی میں تین ہزار اور انگریزی میں پانچ ہزار شائع کیا گیا جس کا نصف مفت تقسیم کیا گیا۔
جمال پریس کے تعاون کی وجہ سے معیار طباعت تسلی بخش رہا۔ دعوت، زندگی، کانتی اور تجلی میں اشتہارات کی اشاعت اور ڈائریوں، کیلنڈروں اور جنتریوں کی مقبولیت کی وجہ سے ملک کے گوشے گوشے میں لٹریچر کا جو تعارف ہو گیا تھا، نیز معیار طباعت کی بہتری کی وجہ سے اور کسی حد تک مقامی کتب خانوں کی فہرستوں میں ہماری کتابوں کے اندراج کے سبب مدت زیر رپورٹ میں کتابوں کی نکاسی کی رفتار سال گذشتہ کے مقابلے میں ترقی کر گئی۔
مرکزی مکتبہ کی ایک شاخ نومبر ۶۶ء میں اردو بازار میں کھولی گئی اور یہ بھی خاصی مفید ثابت ہوئی۔

مکتبہ زندگی و کانتی یہ مکتبہ رامپور میں ہے۔ یہاں سے بھی مرکزی مکتبہ کی کتابیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔ یہ مکتبہ خود بھی بعض کتابیں شائع کرتا ہے۔ مدت زیر رپورٹ میں ایک کتاب حضرت ابوبکر ہندی میں شائع کی گئی۔

دعوت بحمد اللہ سہ روزہ اور روزنامہ دعوت پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتے رہے۔ بعض تنظیمی حلقوں میں اس کی اشاعت میں اضافے کے نشانات ہیں ماشاء اللہ خاصی ترقی محسوس ہوئی لیکن بعض دوسرے حلقوں میں ترقی کی رفتار کچھ سست رہی۔ ادارتی و انتظامی شعبوں میں افراد کی کمی کی وجہ سے بعض خامیاں پیدا ہو گئی تھیں جن کے ازالے کے سلسلے میں کوشش کی گئی۔ ایجنٹ حضرات کے ذمے کافی رقم باقی ہیں۔ ہمارے رفقاء کا یہ فرض ہے کہ وہ اس سلسلے میں ہماری مدد کریں۔

علاقائی دارالاشاعتیں تقسیم کے فوراً بعد ہی سے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی

تھی کہ ہندوستان میں اسلام کا وسیع پیمانے پر تعارف کرانے کے لیے تمام علاقائی زبانوں میں دینی لٹریچر تیار ومنتقل کیا جائے۔ چنانچہ پورے ملک میں اس وقت تک آٹھ دارالاشاعتیں قائم ہو چکی ہیں۔

۱۔ ملیالم۔ ۲۔ تامل۔ ۳۔ کنڑی۔ ۴۔ تیلگو۔ ۵۔ مرہٹی۔ ۶۔ گجراتی۔ ۷۔ بنگلہ۔ ۸۔ آسامی۔

ملیالم دارالاشاعت سے ہفتہ وار بود ھنم دسمبر ۱۹۶۴ء سے شائع ہو رہا ہے اور پربودھنم جو گزشتہ پندرہ سال سے پندرہ روزہ نکل رہا تھا گزشتہ آٹھ ماہ سے ماہانہ کر دیا گیا ہے۔

تیلگو زبان میں ایک ماہانہ جریدہ "وگنیا ناچندریکا" ۱۵ر جولائی ۱۹۶۴ء سے شائع ہو رہا ہے۔

مرہٹی زبان میں مارگ دیپ کے نام سے ہفت روزہ ۳۱ر جولائی ۱۹۶۴ء سے نکل رہا تھا پہلے یہ ماہنامہ تھا جو یکم جنوری ۱۹۶۱ء سے شائع ہو رہا تھا۔

آسامی دارالاشاعت کا قیام جون ۱۹۶۳ء میں عمل میں آیا۔ اس مدت میں صرف ایک کتاب "ذہنی غلامی" دو ہزار کی تعداد میں شائع کی گئی۔ اس کتاب کی نکاسی کی رفتار امید افزا ہے۔ حقیقت ایمان، حقیقت اسلام، طباعت کے لیے دے دی گئی ہے۔ جماعت اسلامی ایک نظر میں، خطبات دوم و سوم، سلامتی کا راستہ، اور شہادت حق کی اشاعت آئندہ پیش نظر ہے۔ مالی حالت سقیم ہے۔

کنڑی دارالاشاعت نے مدت زیر رپورٹ میں اسلام کا تعارف، اسلام کا نظام حیات، انسان اپنے آپ کو پہچان، اور جماعت اسلامی کا تعارف شائع کیا۔ کتابوں کی نکاسی کی رفتار اوسط ہے۔ مالی پوزیشن کمزور ہے۔ آئندہ سلامتی کا راستہ اور دین کی باتیں، شائع کرنا پیش نظر ہے۔

بناؤ بگاڑ، جماعت اسلامی کی دعوت اور رسالہ دینیات کا پہلا باب اس سے پہلے گزشتہ سالوں میں شائع کیا جا چکا ہے۔

تیلگو دارالاشاعت میں مدت زیر رپورٹ میں کوئی کتاب شائع نہیں ہو سکی، البتہ سابقہ سالوں میں شائع شدہ کتابوں کی نکاسی کی رفتار اوسط رہی ہے۔ اس دارالاشاعت کی مالی حالت بھی کمزور ہے۔ آئندہ خطبات، سرورعالم، زندگی بعد موت، سلامتی کا راستہ، بنیادی باتیں اور کتی مارگ کی اشاعت پیش نظر ہے۔

ملیالم دارالاشاعت ۱۹۴۸ء سے قائم ہے۔ دوران سال ذیل کی کتابیں دو دو ہزار کی تعداد میں شائع ہوئیں ———— (۱) اسلام اور معاشی مسئلہ (۲) جماعت اسلامی کا مقصد اور طریق کار (۳) اسلام اور جماعت (۴) حج کی باتیں۔ (۵) مذہب اور سیاست (۶) حدیث شریف کی کہانیاں (۷) اسلام کی تجدیدی تحریک

(۸) حدیث کا ترجمہ حصہ اول ۔

یہ دارالاشاعت ہمارے تمام دارالاشاعتوں میں سب سے بڑا ہے۔ آئندہ سال ذیل کی کتابیں شائع کرنے کا ارادہ ہے ۔

(۱) قرآن کا تعارف ۔ (۲) مسلم خواتین اور اسلام کی دعوت۔ (۳) جماعت اسلامی کی دعوت (۴) زندگی بعد موت ۔ (۵) حدیث کا ترجمہ حصہ دوم سوم ۔ (۶) اسلام ایک نظر میں ۔ (۷) حق و باطل ۔ (۸) دستور جماعت اسلامی ۔ (۹) اسلام ۔ (۱۰) دعوت دین ۔ (۱۱) اسلام کا تعارف ۔

ان کتابوں کے علاوہ تفہیم القرآن حصہ اول کو بھی شائع کرنا پیش نظر ہے بشرطیکہ اس کے لیے رقم کا انتظام ہو جائے ۔ ملیالم زبان میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے ۔ اس دارالاشاعت کے شعبۂ تصنیف میں مزید افراد کے تقرر کی ضرورت بھی محسوس کی جا رہی ہے ۔

گجراتی دارالاشاعت سے ۵ پمفلٹ پہلے شائع ہو چکے ہیں ۔ (۱) حقیقت ایمان ۔ (۲) سلامتی کا راستہ (۳) شہادت حق ۔ (۴) اسلام کا نظام حیات ۔ (۵) بناؤ بگاڑ ۔

مدت زیر رپورٹ میں "مسلمانوں کا مقصد حیات" تقریباً بارہ سو اور تیج کس لیے "تقریباً دو ہزار شائع ہوا کتابوں کی نکاسی کی رفتار سست ہے ۔ البتہ "مسلمانوں کا مقصد حیات" کی نکاسی معمول سے زیادہ ہوئی آئندہ درج ذیل کتابوں کی اشاعت پیش نظر ہے ۔

(۱) انٹروڈیوسنگ جماعت کا ترجمہ (۲) حقیقت اسلام ۔ (۳) منتخب احادیث کا مجموعہ (جو زیر تالیف ہے) ان پر تقریباً ایک ہزار کے مصارف ہوں گے ۔

بنگلہ دارالاشاعت :- یہ دارالاشاعت نومبر ۵۶ء میں قائم ہوا تھا اس وقت سے مندرجہ ذیل پمفلٹ شائع ہو چکے ہیں :-

۱۔ سلامتی کا راستہ ۔ ۲۔ حقیقت صوم و صلوٰۃ ۔ ۳۔ حقیقت زکوٰۃ ۔ ۴۔ حقیقت حج ۔ ۵۔ شہادت حق ۶۔ رسالہ دینیات

مدت زیر رپورٹ میں کوئی کتاب شائع نہیں ہو سکی ہے البتہ حیات طیبہ کا بنگلہ ترجمہ پریس میں ہے ملک میں مارشل لا کے بعد ہی کتابوں کی نکاسی ہونے لگی ہے ۔ آئندہ سال میں مندرجہ ذیل کتابیں شائع کرنے کا ارادہ ہے ۔

۱۔ حیات طیبہ (زیر طبع) ۲۔ تجارت کی نئی تعمیر اور ہم۔ ۳۔ اسلام ایک نظر میں۔ ۴۔ جماعت اسلامی ہند کا نصب العین اور اس کا طریق کار۔

مرہٹی دارالاشاعت اس دارالاشاعت کا قیام یکم محرم ۱۳۷۴ھ مطابق ۳۰ راگست ۱۹۵۴ء عمل میں آیا اب تک سترہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ سلامتی کا راستہ۔ ۲۔ انسان کا معاشی مسئلہ۔ ۳۔ دین حق۔ ۴۔ حیات طیبہ۔ ۵۔ سرور عالم۔ ۶۔ اسلام کا نظام حیات۔ ۷۔ اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے۔ ۸۔ بھارت کی نئی تعمیر اور ہم۔ ۹۔ عقل کا فیصلہ ۱۰۔ زندگی بعد موت ۱۱۔ قربانی۔ ۱۲۔ ایمان کی کسوٹی۔ ۱۳۔ عبادت۔ ۱۴۔ مسلمان کسے کہتے ہیں۔ ۱۵۔ ایمان کی حقیقت۔ ۱۶۔ روزہ اور اس کا مقصد۔ ۱۷۔ اسلام کا نظریہ سیاسی۔

مدت زیر رپورٹ میں کوئی نئی کتاب شائع نہیں ہو سکی ہے۔ دارالاشاعت کی طرف سے یکم جنوری ۱۹۷۰ء سے ایک ماہ نامہ "مارگ دیپ" جاری کیا گیا تھا۔ جو جولائی ۱۹۷۱ء سے ہفتہ وار کر دیا گیا ہے۔ یہ پرچہ مہاراشٹر میں کافی مقبول ہے۔

متفرقات مدت زیر رپورٹ کی ایک اہم چیز یہ ہے کہ دو سال قبل محمود احمد خاں صاحب امیر حلقہ اورنگ آباد اور گزشتہ سال مولانا مظہر الحق صاحب امیر حلقہ راجستھان اور قاری محمد اسمٰعیل صاحب رکن جماعت سیکر راجستھان کو حکومت نے DIR کے تحت گرفتار کر لیا تھا اور مدت زیر رپورٹ کے دوران ہی تین اور رفقاء عبدالحفیظ خاں صاحب امیر مقامی پونا، محمد یوسف صاحب عطار مدیر مارگ دیپ پونا اور اظہار کریم صاحب مقامی امیر بھاگلپور کو DIR کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ محمود احمد خاں صاحب کے سلسلے میں تو ہائی کورٹ میں رٹ داخل کی گئی تھی جس کے نتیجے میں ان کو حکومت نے ٹکنیکل گراؤنڈ پر بار بار رہا کیا اور پھر گرفتار کیا یہی معاملہ عبدالحفیظ خاں صاحب اور مولانا مظہر الحق صاحب کے ساتھ بھی پیش آیا۔

جہاں تک محمود احمد خاں صاحب کے معاملے کا تعلق ہے ان کی اپیل سپریم کورٹ میں بہت عرصے سے داخل ہے۔ توقع ہے کہ گرما کی تعطیلات کے بعد جب جولائی میں سپریم کورٹ کھلے گا تو کوئی تاریخ مقرر ہوگی جہاں تک محمد اظہار کریم صاحب کا تعلق ہے DETENTION ORDER [illegible] کا ہے اور گرفتاری ۱۱ اپریل [illegible] کو عمل میں لائی گئی جس سے یہ بات بالکل واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ گرفتاری

سرگرمیاں اتنی خطرناک قسم کی تھیں کہ مقدمہ چلانے کے بجائے ان کو DIR میں گرفتار کیا جاتا تو اتنے دنوں تک ان کو آزاد چھوڑنا حکومت کی بڑی غیر دانشمندی تھی بالفاظ دیگر ان کی سرگرمیاں ایسی نہ تھیں کہ ان کو ۴۴ دن تک آزاد رکھنے میں حکومت کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا اس لیے ان پر DIR کے تحت کارروائی قطعاً غلط ٹھہرتی ہے۔

مدت زیر رپورٹ کی دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگرچہ گزشتہ سالوں میں بھی مسلمانوں کے مذہب تہذیب وثقافت اور ان کی زبان کے سلسلے میں اکثریت کے ایک طبقے اور بعض غیر مسلم جماعتوں کا طرز عمل سخت تشویشناک رہا ہے لیکن گزشتہ سال جارحانہ فرقہ پرستی کے علم برداروں کی سرگرمیاں کچھ زیادہ بڑھ گئی تھیں چنانچہ اسلام مسلمانوں اور جماعت اسلامی کے متعلق غیر مسلموں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے اور ان کا صحیح تعارف کرانے کے لیے حکومت کے بعض موجودہ اور سابق وزرا مثلاً جے سکھ لال ہاتھی اور مرارجی ڈیسائی اور دوسرے غیر مسلم حضرات سے ملاقاتیں کی گئیں اور اپنا نقطہ نظر ان پر واضح کیا گیا۔ ہندو جماعتوں کے ذمہ داروں سے ملاقات کی کوشش کی گئی لیکن ملاقات کا کوئی موقع نہ مل سکا البتہ امرائے حلقہ بہبئی اور آندھرا نے جن سنگھ کے موجودہ صدر سے ملاقات کی اور جماعت کا نقطہ نظر ان کے سامنے پیش کیا۔

اس طرح کے غیر مسلمین سے روابط کے علاوہ جماعت نے پورے طور سے ان کوششوں میں بھی حصہ لیا اور اشتراک وتعاون کیا جو مسلمانوں اور ان غیر مسلمین کے مذہبی لوگوں کی طرف سے کی گئی تھیں جو دہریت اور مادہ پرستی کے مقابلے کے لیے دہلی میں فروری کے اواخر میں جمع ہوئے تھے۔ یہ ورلڈ ریلیجس کانفرنس تھی جس میں جماعت اسلامی، جمعیۃ علماء جماعتی حیثیت سے اور پیر نظامی صاحب وغیرہ انفرادی حیثیت سے مسلمانوں کی طرف سے شریک ہوئے اور غیر مسلموں میں سناتن دھرمی آریہ سماجی، جینی، بودھ، سادھو سماج، عیسائیوں کے مختلف گروہوں کے نمائندوں اور سکھ، یہودی پارسی نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ جماعت نے نہ صرف اس سیمینار کی عام کارروائیوں میں حصہ لیا بلکہ وہ انتظامات میں بھی شریک رہی۔ ایک اسٹال اور نمائش لگانے کا اہتمام کیا گیا۔ موقع کی مناسبت سے نجات کا واحد راستہ نام کا پمفلٹ اردو ہندی اور انگریزی میں ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا گیا۔ یہ چیزیں عام طور پر پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئیں اور جماعت کی دعوت اور آئیڈیالوجی کو سمجھانے کا موثر ذریعہ ثابت ہوئیں۔ جماعت نے اس کے جلسوں کے لیے ذہنی نعرے دیے، سبجکٹ کمیٹی میں شرکت کی قراردادوں کی تیاری میں حصہ لیا اور ایک رفیق نے

کھلے اجلاس میں تقریر بھی کی۔ بعد میں چند اہم تجاویز پر عمل درآمد کے سلسلے میں کام کو آگے بڑھانے پر اکسایا
خاص طور سے دین و اخلاق کو تعلیم کی اساس بنانے، حق کی تلاش کے لیے مذاہب عالم کے تقابلی مطالعے
اور پاکیزہ سیرت کے اساتذہ تیار کرنے کے لیے ایک عالمی مذہبی یونیورسٹی کے قیام اور نئی نسلوں کو کمیونزم
(جو الحاد، بے دینی اور مادہ پرستی کو فروغ دینے کی منظم وطاقتور سازش ہے) کے چنگل میں پھنسنے سے محفوظ
رکھ کر دین و اخلاق کا پابند بنانے نیز اہل مذاہب کے مابین خیر سگالی و فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کی
کوششوں کے سلسلے میں۔ اللہ کا فضل ہے کہ غیر مسلم حضرات کے سوچنے کے انداز میں جو متعدد خامیاں پائی
جاتی تھیں انھیں دور کرنے میں کسی نہ کسی حد تک تھوڑی سی کامیابی ہوئی ہے خصوصًا دین کے محدود تصور اور
جارحانہ قوم پرستی وغیرہ کے سلسلے میں۔

ورلڈ فیلوشپ آف ریلیجنس جس کے زیر اہتمام یہ وشو دھرم سمیلن منعقد ہوا تھا۔ اس کی نئی جنرل کونسل
جو تین سے پانچ سال تک کام کرتی رہے گی، تشکیل پا چکی ہے جس میں محترم امیر جماعت اور ایک نمائندہ جمعیۃ علما
بحیثیت ممبر منتخب ہوئے ہیں۔ خدا کرے یہ ادارہ آئندہ الحاد اور مادہ پرستی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی
روک تھام کر سکے۔ ایک خاص مسئلہ جس پر ان غیر مسلم حضرات سے خاص طور سے تبادلۂ خیال ہوا تھا، وہ تعلیم
کا مسئلہ تھا جس کے اس پہلو پر خاص طور سے گفتگو رہی کہ موجودہ نظامِ تعلیم خدا بیزار ہے اور اس میں اخلاقی
قدروں اور سیرت سازی پر توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔

یہ ہے جماعت کی کارگزاریوں کا مختصر خاکہ۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو درگزر فرمائے، ہماری
حقیر کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشے اور آئندہ بیش از بیش خدمت کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد یوسف، قیم جماعت اسلامی ہند

تنقید و تبصرہ

انجیلیں اور تثلیث

مولانا سید حامد علی، صفحات ۹۶، کاغذ کتابت طباعت بہتر قیمت ۸ روپیے
ناشر:۔ شہادت حق (وقف) خیر نگر گیٹ۔ میرٹھ۔ یوپی۔

مولانا سید حامد علی صاحب کی کتاب "یسوع مسیح انجیل کے آئینے میں" پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ "انجیلیں اور تثلیث" اسی موضوع کا دوسرا حصہ ہے۔ یہ دونوں حصے مل کر ایک مکمل کتاب بن جاتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب کی تیاری میں بھی فاضل مصنف نے محنت کی ہے اور یہ محنت و دیدہ ریزی ہی کا نتیجہ ہے کہ ایک بڑی کتاب کا مواد چھوٹی سی کتاب میں سمٹ آیا ہے۔ اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی فہرست یہ ہے:۔

انجیل مقدس یا نیا عہدنامہ۔ بارہ رسول۔ پولسؒ رسول یا سینٹ پال۔ یسوع مسیح کی انجیل۔ انجیلوں کے مصنفین۔ کیا انجیلیں وحی الٰہی ہیں؟ کیا انجیلوں میں تثلیث ہے؟

پچھلی کتاب پوری توجہ سے پڑھنے کے لائق ہے۔ یہ کتاب دلائل کے ساتھ حقیقت واضح کرتی ہے کہ موجودہ مذہب عیسوی اور موجودہ انجیلوں کا انتساب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بالکل غلط ہے۔ اس کتاب نے دوسری حقیقت یہ واضح کی کہ تمام تحریفات کے باوجود موجودہ انجیلوں میں تثلیث کا عقیدہ موجود نہیں ہے۔ موجودہ عیسائیت سینٹ پال کی مخترعہ ہے اور اس کے ایجاد کردہ مذہب کو مقبولیت اسی لیے حاصل ہوگئی کہ اس نے شریعت موسوی کو بطور خود منسوخ قرار دے کر عیسائیوں کو اس کی پابندی سے آزاد کر دیا اور حد یہ ہے کہ شریعت کی پابندی کرنے والوں کو بدعتی قرار دے دیا۔ مولانا کی دونوں کتابیں (یسوع مسیح انجیل کے آئینے میں" اور یہ زیر تبصرہ کتاب) اس لائق ہیں کہ انہیں ان مقامات پر پھیلایا جائے جہاں عیسائیت نے قدم جما لیے ہیں یا جما رہی ہے۔

آخر میں ایک بات کی طرف فاضل مصنف کی توجہ مبذول کرانی ہے وہ یہ کہ اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ قرآن نے کس انجیل کی تصدیق کی ہے ؟ مصنف نے ایک حاشیے میں محض ضمنی طور پر اس کی طرف "ہو سکتا ہے" کہہ کر اشارہ کیا ہے لیکن یہ بالکل ناکافی ہے۔ ایک مستقل عنوان کے تحت اس پر بحث کرنی چاہیے تھی، اس کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ پادری حضرات قرآن کی تصدیق کو زور و شور کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں کہ قرآن تو انجیل کی تصدیق کرتا ہے اور مسلمان اس کو محرف قرار دے کر رد کرتے ہیں۔ (ع۔ ق)

شاد عارفی مرتب سلطان اشرف صفحات ۵۲ ، مجلد گرد پوش کے ساتھ۔

سفینہ چاہیے قیمت : تین روپیہ۔ ناشر : رام پور پبلشنگ سوسائٹی بنگلہ آزاد خاں رامپور یوپی

جناب شاد عارفی مرحوم رامپور کے اساتذہ شعر و سخن میں ممتاز مقام رکھتے تھے اور ان کا شمار ہندوستان کے مشہور شعراء میں تھا۔ انھوں نے اپنی خودداری طبیعت کی وجہ سے اپنی شاعری کو ذریعۂ معاش کبھی نہیں بنایا۔ رئیسوں، امیروں اور وزیروں کی خوشامد سے وہ سخت متنفر تھے۔ معاشی حیثیت سے وہ بہت پریشان رہے لیکن خودداری کا سررشتہ ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ اس پہلو سے وہ ایک قابل قدر شخصیت تھے لیکن شاید معاشی پریشانی کی وجہ سے ان کے مزاج میں چڑچڑا پن پیدا ہو گیا تھا اور اس کا برا اثر ان کی شاعری پر بھی پڑا۔

ان کے کلام کا زیر تبصرہ مجموعہ بہت مختصر مجموعہ ہے۔ انھوں نے ساٹھ سال سے زیادہ عمر پائی اور شاعری کے سوا دوسرے مشاغل بہت کم تھے اس لیے انھوں نے اپنے پیچھے جو مجموعۂ کلام چھوڑا ہوگا وہ خاصہ ضخیم ہوگا۔ جناب مرتب نے بھی دیباچے میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ امید یہی ہے کہ اہل رامپور ان کے کلام کو ضائع نہ ہونے دیں گے اور باقساط ہی سہی۔ پورے کا پورا کلام چھاپ دیں گے۔ ان کے اس مختصر مجموعے کو ہاتھوں ہاتھ نکل جانا چاہیے تاکہ دوسرا مجموعہ جلد سے جلد شائع ہو سکے۔

اس مختصر مجموعے میں جناب شاد کی شاعری اور ان کی خودداری سے متعلق دو مختصر مضامین بھی شائع کیے گئے ہیں مگر ان کے سوانح حیات کسی مضمون میں بھی نہیں ہیں۔ ان دو مضامین کے بجائے اگر ایک مضمون ایسا دے دیا جاتا جس میں شاعر کے مختصر سوانح حیات بھی ہوتے تو زیادہ بہتر تھا۔

چونکہ شاد صاحب نے پسے ہوئے غریب طبقے کی حمایت میں بہت کچھ کہا ہے اور سرمایہ داری پر تیز و تند تنقیدیں کی ہیں اس لیے کمیونسٹوں نے انہیں اپنے گروہ میں شامل کر لینے کی سعی کی تھی اور اس حد تک کہ شاد صاحب کو اس کی تردید کرنی پڑی۔ اس مختصر مجموعے میں "شاد عارفی خود اپنی نظر میں" کے عنوان سے جناب شاد کی ایک مختصر تحریر بھی ہے۔ اس کے آخر میں وہ لکھتے ہیں۔

"بعض مجھے کمیونسٹ خیال کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ اسلام کے اندر کمیونزم کے پنپنے کا امکان ہی نہیں۔ صرف حقوق ہمسایہ اسلام کے اندر وہ کشش رکھتے ہیں کہ اس کے سامنے کمیونزم ٹک نہیں سکتا۔

جناب مرتب نے دیباچے میں لکھا ہے کہ غزلوں میں ان کے کلام کی نمایندگی ہر دور کی غزلوں کے ذریعہ کرانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن تمام غزلیں اس طرح خلط ملط ہیں کہ قاری کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کون سی غزلیں کس دور کی ہیں۔ اگر ان کے ادوار شاعری کا ریکارڈ موجود ہو تو ہر دور کے کلام کو الگ الگ چھاپنا مفید ہوگا اگر ہر دور کی غزلوں کے لیے چند صفحات الگ کر دیے جاتے تو قاری کو الجھن نہ ہوتی اور شاعر کی ذہنی تبدیلیوں کا پتہ بھی آسانی سے چل جاتا۔ امید ہے کہ طبع ثانی میں اس کا خیال رکھا جائے گا۔ اس مختصر مجموعے میں ہر پڑھنے والے کو اپنے ذوق کے مطابق پسندیدہ اشعار مل جائیں گے تبصرہ نگار بھی اس سے محروم نہیں رہا ہے۔ چند شعر یہ ہیں۔

میں دشمنوں پہ پھول نچھاور کیے چلوں | تو دوستوں کی راہ میں کانٹے بچھا کے دیکھ
آزادیوں کے بعد وطن کی ترقیاں | آنسو جلا کے دیکھ ستارے بجھا کے دیکھ

بے رونقیِ شمع تمنا نہ پوچھیے | جیسے کوئی چراغ کسی قبر پر جلے

باطن ہے آستین میں خنجر لیے ہوئے | ان کا کوئی سلوک بظاہر برا نہیں

ہم تھے سو ہوئے نذر تگ و تاز معیشت | اب کون حریف رسن و دار رہا ہے
تاریخ بتاتی ہے کہ انبوہ لئیماں | ہر دور میں ظلمت کا طرف دار رہا ہے
ہل ہیں بجز دستکہ جنھیں چیرہ دستی پر | اک حال میں کب سایۂ دیوار رہا ہے

ہماری بے کسی سے فائدہ بھی مت اٹھاؤ تم — اگر تمہارے پاس کچھ علاج بے کسی نہیں

ہر چھیڑ پہ مسکرانا بہتر — جھجکنا نہ خوف کھانا بہتر

جس کنارے کی شرط ہو محسکوی — اس کنارے سے ڈوب جانا بہتر

ان کے کلام کا قابل تنقید حصہ بھی اچھا خاصہ ہے۔ اور یہ تنقید مختلف جہتوں سے ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر اردو میں جو الفاظ غلط طور پر بولے جاتے ہیں انہیں شاد صاحب نے شعر میں بھی استعمال کر ڈالا ہے۔ ان کا ایک شعر ہے۔

باعث شدت جنون شوق — آپ کی واعدہ خلافی ہے

وعدہ کو واعدہ بولنا بھی غلط ہے چہ جائیکہ اس کو شعر میں استعمال کر ڈالا جائے۔ اسی طرح انھوں نے طوائف الملوکی کو ایک شعر میں طائف الملوکی ص۱۲۱ لکھا ہے۔ بہرحال مجموعہ قابل قدر ہے۔ (ن ق)

علم و عمل
وقائع عبدالقادر خانی

صفحات ۴۰۰ مجلد گردپوش کے ساتھ۔ قیمت آٹھ روپیہ۔ ناشر:۔ اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس۔ کراچی۔

ملنے کا پتہ :۔ پاک اکیڈمی ۳۸۱ وحید آباد۔ کراچی۔

یہ کتاب وقائع عبدالقادر خانی کے ترجمے کی جلد اول ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ مولوی معین الدین افضل گڑھی نے کیا ہے۔ ترتیب و حواشی کی خدمت جناب محمد ایوب قادری نے انجام دی ہے اور تعارف مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں جناب محمد ایوب قادری صاحب مقدمہ میں لکھتے ہیں :۔

زیر نظر مجموعہ مولوی عبدالقادر رام پوری کے خود نوشت حالات اور یادداشتوں پر مشتمل ہے مولوی صاحب نہایت عالم و فاضل شخص تھے۔ یہ "وقائع" اوائل انیسویں صدی کے ہندوستان کے سیاسی معاشرتی اور علمی حالات کا ایک نادر مرقع ہے اس میں اس عہد کے بکثرت ایسے [illegible] واقعات ملتے ہیں جو اب تک ہمارے مورخین کی نظر سے پوشیدہ تھے .... [illegible] میں مرتب کیا اگرچہ مواد پہلے سے قلم بند کر لیا گیا تھا۔ کتاب کو [illegible] حصوں میں [illegible] کر کے ترجمہ کیا ہے

پہلی جلد دو میں کمپنی، بنگال اور دہلی کے حالات پر مشتمل ہے جس میں زیادہ سے زیادہ ۱۸۵۷ء تک کے حالات آگئے ہیں۔ دوسری جلد راجپوتانہ کی ریاستوں اور راجپوتوں کے بیان میں ہے۔ پہلی جلد کو ہم نے چھ ابواب پر تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب مولف کے خاندان، تعلیم ابتدائی ملازمت اور رام پور کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ دوسرے باب میں سفر بنگال کا بیان ہے اور بقیہ چار ابواب میں دہلی اور مضافات دہلی کے مفصل حالات بیان کیے گئے ہیں۔

جناب ایوب قادری صاحب نے کتاب کے آخر میں دو ضمیمے بھی لگائے ہیں۔ نوابان رام پور اور دہلی کے رزیڈنٹ و ایجنٹ۔ فہرست کتب حوالہ جات اور اشاریہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ بڑے سائز کے چار سو صفحات میں پھیلی ہوئی یہ کتاب ہر لائبریری میں رکھنے کے قابل اور لائق استفادہ ہے۔ یہ وقائع عبرتناک تاریخی روداد پر مشتمل ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کی زوال پذیر مسلم سوسائٹی کے اصحاب علم و فضل نے بھی کس طرح خود اپنے ملک میں سات سمندر پار کی بدیسی حکومت کو مستحکم کرنے میں اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کی ہیں اور کس طرح احساس ذلت کے بغیر انگریزوں کو اپنا آقا اور خود کو ان کا وفادار و نمک خوار غلام تصور کیا ہے۔ اس کتاب کا نام "علم و عمل" تبصرہ نگار کو مناسب نہیں معلوم ہوا۔

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس نے یہ کتاب شائع کر کے مفید خدمت انجام دی ہے۔ (ش ق)

THE IMPACT OF ISLAM ON HUMAN PROGRESS

انسانی ارتقاء پر اسلام کی چھاپ

از:۔ پروفیسر محمود بریلوی صاحب

صفحات ۲۴۰۔ غیر مجلد۔ قیمت درج نہیں

ملنے کا پتہ:۔ پروفیسر محمود بریلوی صاحب پوسٹ بکس نمبر ۷۹۴ کراچی

یہ کتابچہ مغرب کے مستشرقین مفکرین اور اسلام کے محققین کے ان اقوال پر مشتمل ہے جن میں مختلف معاملات میں اسلام کی عظیم افادیت معنویت اور عظمت کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ ان تعریفی اقتباسات کو انگریزی میں جمع کر کے پروفیسر محمود صاحب اور کتاب کے ناشر جناب محمد یسین صاحب نے کرنے کا ایک کام کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کے مطالعہ سے ایک طرف مغرب کے وہ متعصب غیر مسلم اسلام کے متعلق سوچنے پر مجبور ہوں گے جو اسلام کے خلاف کیچڑ اچھالنے کو ایک علمی خدمت سمجھتے ہیں تو دوسری طرف خود مغرب زدہ مسلمانوں کی بھی آنکھیں کھل سکتی ہیں۔ بات مضحکہ خیز بھی ہے اور درد ناک بھی۔ مگر سچ ہے کہ مسلم ممالک میں

آج ایسے مغرب پرست مسلمانوں کی کمی نہیں جن کو خود اپنے مذہب کی عظمت کا یقین اسی وقت آتا ہے جب کوئی مغربی غیر مسلم ان کو اس عظمت کا یقین دلائے ۔ اس لحاظ سے بھی یہ کتابچہ اپنی مخصوص افادیت رکھتا ہے اور انگریزی میں ہونے کی وجہ سے تمام ہی مسلم ممالک میں پڑھا اور سمجھا جاسکتا ہے ۔ تبصرہ نگار ان دونوں افادیتوں کا منکر نہیں ۔ لیکن اس افادیت کی افادیت میں اس کو شبہ ہے ۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے یہ دونوں طبقے جہل نہیں ذہنی افلاس اور زیغ قلب کے شکار ہیں ۔ حقیقت کا کوئی اظہار ان لوگوں کو حقیقت کا احساس نہیں دلا سکتا جو دل کی تمام کھڑکیاں مقفل کرکے آنکھیں کھولنے کے خوگر ہوچکے ہوں ۔ معاف کیجیے ایسے لوگ حقیقت سے واقف ہیں اور واقفیت کے باوجود اس کے منکر ہیں ۔ یہ کتاب اس قسم کے دونوں طبقوں کا سینہ تو کیا کھول سکے گی ، ہاں منہ ضرور بند کر دے گی ۔ البتہ اس کا اصل فائدہ یہ ضرور ہے کہ جو لوگ سادہ لوحی اور غلط فہمی کے شکار ہیں وہ اس کتاب کو پڑھ کر چونک اٹھیں گے اور بہت ممکن ہے کہ حقیقت پر جو ظلم ہوا ہے اس کا احساس ان کو تڑپا دے ۔ دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ جو مخلص مسلمان واقعی اسلام پر اور اس کی حقانیت و عظمت کو دل سے مانتے ہیں ان کا دماغ بھی اس کتاب کو پڑھ کر اس دلی عقیدت میں شریک ہو جائے گا اور خدمت دین و دنیا کے لیے اسلام کے نئے گوشے ابھر کر سامنے آجائیں گے ۔

(ش ۔ ن عثمانی)

قرآن کی روشنی

مرتبہ :۔ فدا حسین ۔ صفحات ۱۸۴ ۔ کاغذ ، کتابت ، طباعت اوسط ۔ گرد پوش کے ساتھ ۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے ۔

ناشر :۔ مکتبہ قرآن ۔ کٹرہ شہاب خاں ۔ اٹاوہ ۔ یوپی

جناب مرتب نے ۴۳ عنوانات کے تحت قرآن کریم کی مختلف مواقع کی آیات اور ان کے ترجمے پیش کیے ہیں ۔ مثلاً ایک عنوان ہے ۔ حضرت محمد (اللہ کا ان پر سلام ہو) اللہ کے رسول ہیں ۔ اس کے تحت سورۂ فتح کی ایک آیت کا ٹکڑا محمد رسول اللہ لکھ کر اس کا ترجمہ کر دیا گیا ہے ۔ یا مثلاً عنوان ہے " قرآن شریف کیسی کتاب ہے ؟ اس کے تحت آیت ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین لکھ کر اس کا ترجمہ دے دیا گیا ہے ۔ اسی طرح ۴۳ عنوانات قائم کرکے آیتیں اور ان کے ترجمے شائع کیے گئے ہیں ۔ خوشی ہوئی کہ مرتب نے قرآن کی آیتوں کو صحیح چھپوانے کا خاص اہتمام کیا ہے ۔ یہ کتاب قرآن اور اس کے مضامین

سے مناسبت پیدا کرنے کی مفید کوشش ہے۔ (ع - ق)

پیام حق کراچی

مدیر خواجہ عبدالوحید چندہ سالانہ تین روپے فی پرچہ چار آنے ملنے کا پتہ: قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ: کراچی - پاکستان۔

"محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب" پاکستان میں کتابوں کی اشاعت و فروخت کا ایک بڑا کارخانہ ہے اس دارالاشاعت کی طرف سے پیام حق ایک ماہانہ رسالہ عرصہ دراز سے شائع ہو رہا ہے اور علم دین کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ دو چیزیں مستقلاً اس میں شائع ہو رہی ہیں۔ ایک حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کی تفسیر بیان القرآن اور دوسری چیز ریاض الصالحین کا ترجمہ اس کے علاوہ مختلف علمی، ادبی، سیاسی اور مذہبی مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ رسالہ مذکورہ کارخانہ کتب کی شائع کردہ کتابوں کے اشتہار کا بھی ایک اچھا ذریعہ ہے اور پڑھنے والے کو مفید مضامین بھی مطالعے کے لیے مل جاتے ہیں۔

اسلامک فیتھ

صفحات ۳۰ - ملنے کا پتہ:- ایچ اے شکور - ۱۱۶ اپر مال کسٹنٹن اسکیم - لاہور

یہ انگریزی زبان میں مرتب کیا ہوا ایک پمفلٹ ہے جس میں اسلامی عقائد اور اسلامی شریعت کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ یہ چند مستند تراجم قرآن اور مشہور و کارآمد کتابوں کے اقتباسات سے مرتب کیا گیا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کے انگریزی ترجمۂ قرآن اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کی مشہور تصنیف "اسلام اینڈ دی ورلڈ" کے اقتباسات بھی اس پمفلٹ میں موجود ہیں۔ دس نئے پیسے کے ٹکٹ بھیج کر منگوایا جاسکتا ہے۔ پمفلٹ مطالعہ کے لائق ہے۔ (ع - ق)

بقیہ اشارات

پر ایک تنقیدی نظم لکھ دی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نظم نے صدر ناصر کو بہت مشتعل کیا تھا۔ مرحوم امام کے بعد جب موجودہ معزول امام تخت پر بیٹھے تو فوج نے انقلاب برپا کر دیا۔

حکومت مصر نے یہ سمجھنے میں غلطی کی کہ یمن کا انقلاب بھی اسی طرح کامیاب ہو جائے گا جس طرح خود مصر یا عراق میں کامیاب ہوا تھا حالانکہ یمن اور مصر و عراق میں دو نمایاں ترین فرق موجود تھے۔ ایک یہ کہ مصر اور

میں قبائلی سسٹم موجود نہ تھا۔ شاہ مصر یا شاہ عراق کو کسی کثیر التعداد اور موثر قبیلے کی حمایت حاصل نہ تھی۔ مزید برآں مصر و عراق کے عوام یمن کے مقابلے میں کہیں زیادہ تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ تھے، جابرانہ بادشاہت سے انہیں کوئی عقیدت نہ تھی۔ یمن میں قبائلی سسٹم موجود ہے اور طاقتور ہے۔ نیز امام یمن کو مذہبی سربراہ کی حیثیت بھی حاصل تھی اور ہے۔ ان کی تمام خرابیوں کے باوجود ان سے عوام کی مذہبی عقیدت وابستہ ہے۔ اس لیے یمن کے فوجی انقلاب کو مصر و عراق کے فوجی انقلابوں پر قیاس کرنا صریحاً غلط تھا۔ پھر یہ بات بھی صدر ناصر جیسے مدبر کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونی چاہیے تھی کہ سعودی عربیہ یمن کے انقلاب سے اپنی آنکھیں بند نہیں کر سکتا تھا۔

بہرحال اگر صدر ناصر نے خلوص کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے تو یہ بہت ہی خوش آیند چیز ہے اور ہم دعا کرتے ہیں کہ یہ کامیاب ہو اور متحدہ عرب جمہوریہ اور سعودی عربیہ کے درمیان نزاع و اختلاف کا یہ دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔

اس خوش خبری کے ساتھ ہی ساتھ مصر سے یہ غم انگیز خبر بھی ملی کہ وہاں اخوان المسلمین پر مظالم کی ایک نئی قیامت توڑی جا رہی ہے۔ ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ صدر ناصر کو قتل کرنے کی سازش کر رہے تھے اور پھر ان کی گرفتاریاں شروع کر دی گئیں۔ اخبارات کی اطلاع کے بموجب اب تک بیس ہزار اخوانی پکڑے جا چکے ہیں۔ مصر کے سربراہ نے ان لوگوں کے خلاف ماسکو میں جو تقریر کی ہے اسے پڑھ کر ہر شخص حیران رہ جاتا ہے جو اس تنظیم کے مقصد، طریقہ کار اور مزاج سے تھوڑی واقفیت بھی رکھتا ہے۔ صدر ناصر جیسی ذمہ دار شخصیت کی طرف سے اخوان پر ماسکو میں بیٹھ کر ایسے بے سروپا اور بے بنیاد الزامات لگائے گئے ہیں کہ معمولی اخلاق و کردار کا آدمی بھی بمشکل ایسے لغو الزامات لگا سکتا ہے۔ ایک مذہبی جماعت پر ایسے الزامات شاید ماسکو کی حکومت کو خوش کرنے کے لیے لگائے گئے ہیں۔ ممکن ہے اس سے ان کے ملک کو کچھ مادی فائدہ پہنچ جائے لیکن ان تدبیروں سے مذہب و اخلاق کی قوت ختم نہیں کی جا سکتی۔ جب روس کی حکومت اس قوت کو ختم نہیں کر سکی تو مصر کی حکومت کس شمار و قطار میں ہے۔

Monthly "ZINDGI" Rampur, Nov. 1965 Regd. No. L-688

لائق مطالعہ کتابیں

تجدید و احیائے دین — یہ کتاب تجدید اسلام کے مسئلے پر تاریخی اور اصولی بحث ہے اس میں سب سے پہلے اسلام اور جاہلیت کی اصولی کشمکش کا جائزہ لیا گیا ہے پھر تجدید کی حقیقت مجدد کی تعریف اور مجدد کے کام کی نوعیت متعین کی گئی ہے اس کے بعد مجددین دین کے تجدیدی کارناموں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ جنہوں نے تاریخ اسلام پر اپنا ایک مستقل اثر چھوڑا ہے مجددین دین کی فہرست عمر بن عبدالعزیز سے شروع ہو کر حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسمعیل شہید پر ختم ہوتی ہے۔

از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی — قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

مسئلہ قومیت — مغرب میں قومیت اور قوم پرستی Nationalism کا جو مفہوم ہے وہی مفہوم ہندوستان میں مقبول ہو رہا ہے مگر اسلام اس قومیت اور قوم پرستی کا قطعی مخالف ہے اس کتاب میں اس مسئلے کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے۔

از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی — قیمت ایک روپیہ ۷۰ پیسے

حقیقت شرک — اس رسالہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ انسان کی فطرت توحید ہے شرک کی غلط فہمی محض سوء فہم اور دوسری کمزوریوں کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے —

از مولانا امین احسن اصلاحی — قیمت دو روپیہ

دین حق — اس مقالہ میں مولانا مودودی نے ثابت کیا ہے کہ اسلام ہی اللہ کے نزدیک قابل قبول دین ہے —

قیمت ۳۷ پیسے

شہادت حق — اس رسالہ میں امت مسلمہ کو اس کے مقصد وجود کا احساس دلایا گیا ہے —

از ابو الاعلیٰ مودودی — قیمت ۳۱ پیسے

— ملنے کا پتہ —

منیجر مکتبہ زندگی و کانتی۔ رامپور۔ یو۔ پی

Only Title printed at Shanker Press, Rampur.